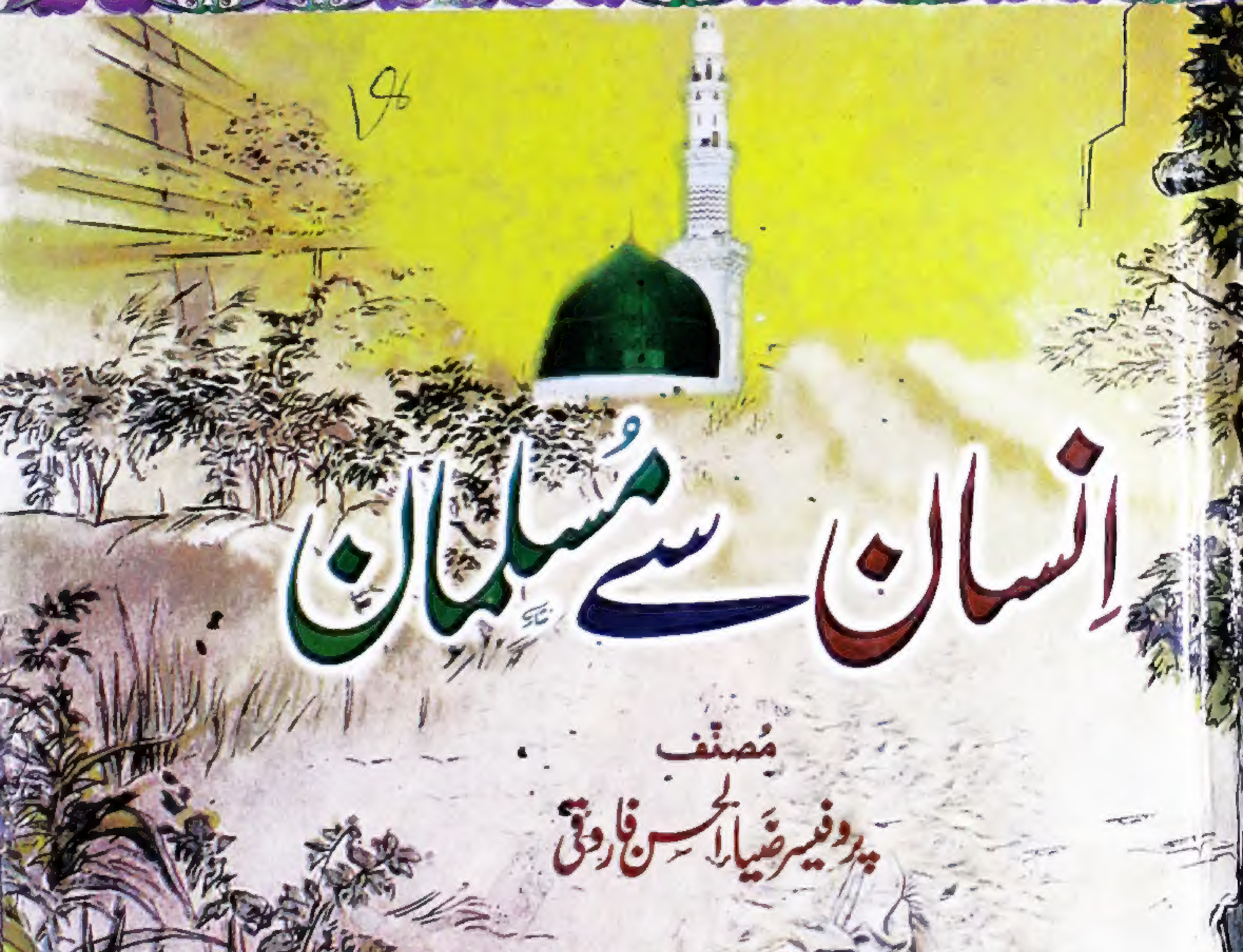

اِنسان سے مُسلمان

مُصنّف

پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی

ضیاءُ القرآن پبلی کیشنز لاہور

Marfat.com

اِنسان سے مُسلمان

مُصنّف

پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی

ضیاءُ القرآن پبلی کیشنز

لاہور، کراچی۔ پاکستان

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

85074

نام کتاب	انسان سے مسلمان
مصنف	پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی
اشاعت	جون 2004ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1Z209
قیمت	[redacted] روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون:7221953 فیکس:۔042-7238010
9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون:7247350-7225085
14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون:021-212011-2630411۔ فیکس:۔021-2210212
e-mail:- zquran@brain.net.pk
Website:- www.ziaulquran.com

Marfat.com

[library stamp]

عرض ناشر

خالق حقیقی نے کائنات کی تخلیق لفظ "کن" سے فرمائی مگر جب انسان کو پیدا فرمانے کا ارادہ کیا تو اسے اپنے دست قدرت سے تخلیق کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ اور ساتھ ہی یہ اعلان فرمایا کہ ہم نے انسان کو شکل و عقل کے اعتبار سے بہترین اعتدال پر پیدا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ انسان کو عظیم صفات سے متصف فرمایا، حی، عالم، بااختیار، متکلم، شنوا، بینا، مدبر اور حکیم۔ انسان باطن اور ظاہر میں صورت کے جمال میں، بناوٹ کی ندرت میں اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے حسین و جمیل ہے۔

لیکن جو انسان ان نعمتوں کی قدر نہیں کرتا اور اپنی عدیم النظیر صلاحیتوں کو غلط استعمال کرتا ہے، جو عقل و فہم کے سارے چراغ گل کر دیتا ہے اور ہوائے نفس کی پیروی میں لگ جاتا ہے تو وہ بے شعور اور بے سمجھ حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ ذرا غور فرمائیے جو انجینئر ملک کی شاہراؤں، پلوں اور ڈیموں کی تعمیر میں بددیانتی کرتا ہے جو سیاست دان معمولی فائدہ کے لئے اپنے ملک و قوم سے غداری کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور جو تاجر چند ٹکوں کے لئے اجناس میں ملاوٹ اور ذخیرہ اندوزی کرتا ہے کیا وہ پست ترین مخلوق سے بھی پست تر نہیں ہو جاتا۔ ایسے شخص سے انسانیت کی خلعت فاخرہ واپس لے لی جاتی ہے۔ اور اشرف المخلوقات ہونے کا تاج اتار لیا جاتا ہے۔

لیکن جو لوگ اپنی انسانیت کی لاج رکھتے ہیں اپنے خالق کے ذکر کی شمع روشن رکھتے ہیں اس کی خوشنودی کا شوق انہیں رات دن بے چین رکھتا ہے یہی وہ لوگ ہیں

Marfat.com

جو احسن تقویم کے کمالات سے موصوف ہیں۔

جناب پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی محتاج تعارف نہیں انہوں نے اپنی کتاب "انسان سے مسلمان" میں بڑے خوبصورت انداز میں نہ صرف انسان کی وجہ تخلیق بیان کی ہے بلکہ بڑے حکیمانہ انداز میں منزل کی نشاندہی بھی کر دی۔ ساتھ ساتھ ایک سچے مخلص، دانا دوست کی طرح صراط مستقیم پر گھات لگائے انسان کے ازلی دشمن شیطان کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔

پروفیسر صاحب نے نہ صرف منزل کی نشاندہی کی اور ازلی دشمن کے چہرے سے نقاب الٹی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ زادراہ بھی بتادیا جو کہ "عشق رسول ﷺ" ہے۔

ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز امید رکھتا ہے کہ یہ کتاب راہ حق کے مسافروں کے لئے ایک بیش قیمت سرمایہ ثابت ہوگی۔

طالب دعا

میجر (ر) محمد ابراہیم شاہ

Marfat.com

اے انسان---!

تُو کون ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے؟ تیرا خالق کون ہے؟

تیری تخلیق کیسے ہوئی؟ تیری یہ صورت کس نے بنائی؟

یہ حسن و جمال کس نے بخشا---؟

تجھے کس نے بھیجا ہے؟ اور تیرے آنے کا مقصد کیا ہے؟

تیرا یہ سفر کیا ہے؟ تُو کس منزل کا راہی ہے؟

تجھے کہاں جانا ہے--؟

بتا تو سہی!

کچھ بھی یاد نہیں---؟

آ---مَیں تجھے بتاؤں۔

دیکھ---تُو انسان سے مسلمان بننے جا رہا ہے۔ایک لمبے اور دشوار گزار سفر پر--جو ہے تو صراطِ مستقیم لیکن اس کے دائیں بائیں بے شمار پگڈنڈیاں ہیں جو شیطان کے گورکھ دھندے ہیں۔ وہی شیطان جو تیرا ازلی دشمن ہے۔ وہ اس راستے پر تجھے ضرور بہکائے گا۔یاد رکھ--اکیلے سفر نہ کرنا۔اس راہ کے اکیلے مسافر کو وہ نہیں چھوڑتا---

---کسی رہبر کی سنگت ضرور اختیار کرنا---

وہ جو اس راہ کی اونچ نیچ سے واقف ہو۔اکیلے جاؤ گے تو مار کھا جاؤ گے۔ میری بات پر دھیان دینا، منزل مل جائے تو اللہ کا شکر ادا کرنا اور رہبر کو بھول نہ جانا۔ کیونکہ وہ تیرا محسن ہو گا۔

---ہاں زادِ راہ بھی ساتھ لے جانا۔زادِ راہ بتا دوں---!

سُن--وہ ہے--"عشقِ رسول ﷺ"--اس کے بغیر منزل تک رسائی ممکن نہیں۔

اب جا---فی امان اللہ۔

Marfat.com

انتساب

اے صراط مستقیم کے مسافر!
--- میری یہ فکری کاوش
تیرے "زادِ راہ" کے نام

Marfat.com

فہرست

باب۔۱ تخلیقِ انسان | 8

---عدم سے وجود تک

باب۔ ۲ تخلیقِ انسان کا مقصد | 48

---تجھے صاحب وجود کیوں بنایا گیا؟

باب۔ ۳ اسلام کیا ہے؟ | 80

---سلامتی کا راستہ

باب۔ ۴ صراطِ مستقیم | 138

---جس راہ کا تُو راہی ہے۔

باب۔ ۵ مسلمان کون؟ | 166

---جو تُو بننے جا رہا ہے

باب۔ ۶ منزلِ شناس | 307

---اولیاءاللہ

باب۔ ۷ منزلِ مقصود | 381

---تیری اپنی پہچان

Marfat.com

باب 1

تخلیقِ انسان

--- عدم سے وجود تک ---

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْئًا مَّذْكُوْرًا ۝

(سورۃ الدھر)

"کیا گزرا ہے انسان پر (اس) زمانے میں ایک ایسا وقت جب کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا"

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝

"بے شک ہم نے انسان کو (عقل و شکل کے اعتبار سے) بہترین ساخت پر پیدا کیا۔" (سورۃ التین)

Marfat.com

اے انسان---تُو کچھ بھی نہ تھا۔ تیرا کہیں بھی تذکرہ نہ تھا۔ تجھے کوئی جانتا نہ تھا۔ پھر خالق نے تجھ پر اپنا کرم کیا۔ اور تجھے صاحبِ وجود بنایا، تجھے عقل و شکل کے اعتبار سے بہترین ساخت پر پیدا کیا۔ تجھے سمیع و بصیر بنایا۔

تیرے وجودِ حیوانی میں ایک اور وجود رکھا۔ جو وجودِ روحانی کہلایا۔ جس کا مسکن قلب ہے۔

جب تُو بحیثیت انسان دنیا میں آگیا اور عقل و شعور سے کام لینے لگا تو خالق نے تجھے پرکھنا شروع کر دیا---

☆ آیا---میرا بندہ میری تخلیقی حقیقت کو مانتا بھی ہے کہ نہیں؟

☆ میری اس نعمت کا شکر ادا کرتا ہے یا ناشکری کرتا ہے۔

☆ کیا اس کی نظر صرف وجودِ حیوانی پر ہی رہتی ہے یا وجودِ روحانی کے مقام کا بھی ادراک رکھتا ہے؟

☆ میں نے تو اس کی تخلیق فطرت اسلام پر کی ہے آگے اس کی عقل اسے کہاں لے جاتی ہے؟

اے انسان---زندگی کا سفر شروع کرنے سے پہلے اپنے اس وجود کو سمجھ

اپنی تخلیق کو جان! اپنے خالق کو پہچان!

تُو کون ہے---؟

تیرے اندر گوشت پوست کے علاوہ بھی کچھ ہے!

آ---میں تجھے دکھادوں---!!

Marfat.com

جسم، روح اور حقیقتِ قلب

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو اشیاء کا مرکب بنایا ہے۔ ایک جسم اور دوسری روح، اس کی مثال اس طرح ہے جیسے ایک مشین ہے وہ ساکت و جامد ہے۔ لیکن جب اس میں بجلی داخل کی جائے یا تیل پٹرول ڈالا جائے تو وہ حرکت کرنا شروع کر دیتی ہے۔ انسانی جسم بھی ایک مشین کی طرح ہے۔ جس میں ہزاروں کَل پرزے موجود ہیں۔ دماغ کے خانے میں بے حد پیچیدہ مشینری رکھی گئی ہے۔ پھر اس کا سلسلہ سارے جسم میں اعصابی نظام کے تحت ملا دیا گیا ہے۔ اس جسم کے تقریباً وسط میں دل ہے۔ جو اس مشین کے پٹرول کو سارے جسم میں پہنچا کر عضلات کو حرکت میں لاتا ہے۔ اس کے نیچے معدہ ہے۔ جگر ہے، دل کے دونوں طرف پھیپھڑے ہیں، معدے کے نیچے نظام انہضام ہے دونوں ہاتھ اس مشین کے بازو ہیں اور دونوں ٹانگیں اس مشین کو متحرک ہوتے وقت چلنے میں مدد دیتی ہیں۔ اس جسمانی مشین کے چہرے میں دو آنکھیں۔ ایک ناک اور ایک منہ ہے ساتھ ہی دو کان ہیں اس مشینی ڈھانچے کو خالقِ حقیقی نے گوشت پوست سے ڈھانپ دیا ہے۔ لیکن یہ مشینی ڈھانچہ اس وقت تک بے کار ہے جب تک اس میں روح داخل نہ ہو، روح کے داخل ہونے کی دیر ہوتی ہے کہ جسمانی مشین کا ہر پرزہ حرکت میں آ جاتا ہے، اور انسان مکمل ہو جاتا ہے۔

انسانی جسم کا سطحی سا علم تو ہمیں ہو گیا اور ہر پڑھا لکھا ذی شعور آدمی اپنے جسم کے بارے میں کم و بیش واقفیت ضرور رکھتا ہے۔ سب کو پتہ ہے کہ دماغ کیا کام کرتا ہے دل اور معدے کا کیا شغل ہے۔ پھیپھڑے جگر مثانہ اور گردے کیا فرائض سرانجام دیتے ہیں!--- لیکن روح کیا ہے؟

یہ ایک پیچیدہ سوال ہے اور اس کا جواب بھی کافی مشکل ہے۔ یا یوں سمجھ لیں کہ

Marfat.com

اس کا ادراک مشکل ہے روح کیا ہے---؟ یہ سوال یہود مدینہ نے نبی آخر الزماں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ○

(بنی اسرائیل:۸۵)

"اور (یہ لوگ) آپ ﷺ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ ﷺ فرما دیجئے۔ روح میرے رب کے حکم سے ہے۔ اور تمہیں (اس بارے میں) بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔"

یہودیوں نے تو یہ سوال رسول اللہ ﷺ کو آزمانے کے لئے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کا مختصر جواب دیا کہ یہ صرف "اِمرِ رب" سے ہے۔ کہ اللہ کے حکم سے کوئی چیز جسم میں داخل ہو گئی تو وہ جی اٹھا، جب نکل گئی تو مر گیا۔ قرآن حکیم میں مذکورہ بالا مختصر سے الفاظ میں روح کے متعلق بصیرت افروز حقائق مستور ہیں۔ قرآن میں اکثر مقامات پر روح کے ساتھ "امر" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی "حکم" کے ہیں اور وہ حکم یہی ہے جسے لفظ "کُن" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (یٰسٓ:۸۲)

"اس کا حکم یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اِس کے لئے کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔"

قرآن حکیم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کا ایک وجود حیوانی ہے، جس کا تعلق عالم خلق سے ہے۔ یہی ہمارا جسم ہے۔ جس کی ابتداء مٹی سے ہوئی---دوسرا وجود روحانی ہے۔ جو عالم بالا سے متعلق ہے یہ ہماری روح ہے، جو امرِ رب سے ہے۔ جسم اور روح کا ملاپ اور باہمی اتصال کیسے ہوا؟ یہ زندگی جسم کے ساتھ کیسے ملی ہوئی

Marfat.com

ہے؟ اس کا ادراک ہمارے فہم سے بالاتر ہے۔ روح چونکہ امر رب سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ذات کے ساتھ نسبتِ اضافی سے منسلک کیا ہے اس لئے روح اور اللہ کے درمیان کوئی فصل نہیں۔

وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ۔ یعنی "میری روح" اس سے انسان کے وجود روحانی کا تعلق یقیناً اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ (ق:١٦)

"ہم (انسان سے) اس کی رگِ جاں سے بھی قریب تر ہیں۔"

یہ قربت اسی روح کی وجہ سے ہے۔ اور اس سے بڑھ کر کوئی قربت نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ کوئی مادی اتصال نہیں ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی ذات تقسیم ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی روح، اللہ کے وجود کا جزو بن سکتی ہے۔ اللہ کی ذات اس سے وراء الوراء ہے۔ روح تو بس ذات باری تعالیٰ کا ایک پَرتُو ہے۔ روح ویسے تو جسم کے ہر خلیے میں موجود ہے لیکن اس کا اصل مقام قلب یعنی دل میں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کائنات ارض و سماء میں ہر جگہ موجود ہے لیکن اس کا مسکن خاص عرش ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ (السجدہ:۴)

"پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا۔"

اللہ کو ہم اس کی قدرتوں سے پہچانتے ہیں۔ وہ ہمیں کہیں نظر نہیں آتا۔ روح کو ہم جسم کی زندگی سے پہچانتے ہیں وہ ہمیں کہیں نظر نہیں آتی۔ وہ امر رب سے ہے۔ اس کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ حدیث قدسی ہے:

لم یسانی ارضی ولا سمآئی ولکن یسانی فی قلب عبدالمومن

"میں نہ زمین میں سما سکتا ہوں اور نہ آسمان میں، بجز اپنے بندۂ مومن کے قلب میں۔"

Marfat.com

دل میں سما جانے والی اصل چیز وہی روح ہے۔ صوفیا نے جو کہا۔ "مومن کے دل میں اللہ ہے۔" اس کا یہی مطلب ہے۔ لیکن اسے کسی پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔
ہادی برحق ﷺ نے فرمایا۔

الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله, الا وهی القلب۔ (بخاری و مسلم)

"خبر دار -- یقیناً جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب یہ اچھا ہو گیا تو سارا جسم سدھر گیا۔ اور جب یہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ گیا۔ جان لو کہ یہ قلب ہے۔"

وہی قلب --- جس میں روح کا مقام ہے۔

دل کے دو وجود ہیں۔ دل کا حیوانی وجود "فواد" ہے۔ جو خون کو سارے جسم حیوانی میں پہنچاتا ہے۔ جو دھڑکتا ہے جس کی خاصیت عضلاتی ہے۔ جو دوسرے اعضائے انسانی کی طرح گوشت پوست کا بنا ہوا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں اس کی وضاحت ملتی ہے۔

قُلْ هُوَ الَّذِیٓ اَنْشَاَکُمْ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ قَلِیْلاً مَّا تَشْکُرُوْنَ۔ (الملک:۲۳)

"(اے نبی ﷺ) فرما دیجئے۔ وہی ہے (تمہارا خالق حقیقی) جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں کان اور آنکھیں اور دل عطا فرمائے۔ (لیکن حالت یہ ہے کہ) تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔"

دوسرے مقام پر فرمایا۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلاً۔ (بنی اسرائیل:۳۶)

"بیشک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے متعلق (تم سے) پوچھا جائے گا۔"

Marfat.com

قرآن حکیم میں جہاں بھی انسان کی پیدائش کے ساتھ اس کے اعضاء کا ذکر آیا ہے۔ وہاں دلوں کے لیئے اَلْاَفْئِدَۃَ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ نہ کہ قُلُوْب کا، کیونکہ "فواد" جو اَلْاَفْئِدَۃَ کا واحد ہے۔ کا تعلق انسان کے وجود حیوانی کے ساتھ ہے۔ اس لئے انسانی اعضاء میں دل کے وجود حیوانی کے لئے "فواد" کا لفظ ہی استعمال کیا گیا ہے۔ اب ہم دل کے دوسرے وجود کی طرف آتے ہیں، یعنی وجود روحانی جس کے لئے قرآن میں "قلب" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ قلب، فواد کے اندر ہے۔ یعنی دل کے اندر ایک اور دل۔ جس طرح انسان کے اندر ایک اور انسان۔ یہی قلب ہے جو بگڑ جائے تو سارے وجود حیوانی کے افعال واعمال بگڑ جاتے ہیں۔ اور یہی قلب ہے جو سنور جائے تو انسان کی سیرت وکردار سنور جاتے ہیں۔ انسانی قلب، افکار وخیالات جذبات واحساسات اور تمام حرکات وسکنات کا مرکز ومحور ہے۔ پہلے قلب میں ارادہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر انسان اس ارادے کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اس لئے اعمال کا دارومدار نیتِ قلب پر ہے۔ قلب کی اصلاح انسانی اعضا کی درستی سے زیادہ مقدم ہے۔ کیونکہ بدن، انسانی قلب کے تابع ہے، قلب کی اصلاح ہو گئی تو اعمال خود بخود صحیح اور صالح ہو جائیں گے۔

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ

"حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ قلوب اندھے ہو جاتے ہیں، جو سینوں میں ہوتے ہیں۔" (الحج:۴۶)

مُرشدِ حقیقی حضور نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا۔ شر العمی عمی القلب۔ "قلب کا اندھا ہونا سب سے بُرا اندھا پن ہے۔" اس قلب کا براہ راست تعلق انسانی ذہن (MIND) کے ساتھ ہے۔ جہاں اچھائی یا برائی کے بارے میں انسان۔ فیصلہ کرتا ہے، اور عقل وشعور کے ذریعے اس بات کا ادراک رکھتا ہے کہ جو کام بھی وہ کرنا چاہتا ہے وہ کس نوعیت کا ہے۔ جب ایک کام کے کرنے کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو قلب

Marfat.com

اس پر عمل در آمد کراتا ہے اس عمل در آمد پر ہی جزا اور سزا ہے۔ اسی حرکت کو عمل کا نام دیا جاتا ہے۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم ذہنی طور پر کسی کام کو اچھا سمجھتے ہیں لیکن اچھا سمجھنے کے باوجود اس پر عمل نہیں کرتے۔ مثلاً جب پوچھا جاتا ہے کہ آپ نماز پڑھنے کو ایک عمل خیر سمجھتے ہیں مگر پڑھتے کیوں نہیں؟ تو جواب ملتا ہے ۔۔ "دل نہیں کرتا۔" پتہ یہ چلا کہ ذہن اور عقل و شعور نے یہ فیصلہ دے دیا کہ نماز پڑھنا اچھا کام ہے۔ اب اس پر عمل درآمد کرانا قلب کا کام ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ قلب ہی پر اعمال موقوف ہیں۔ یہ قلب مقام روح ہے۔ جو گوشت پوست کے بنے ہوئے دل کے اندر ہے۔ مُرشدِ حقیقی حضور نبی کریم ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ "خبر دار تمہارے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب یہ صحیح ہوا تو سارا جسم درست رہے گا اور اگر یہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جائے گا۔ یاد رکھو کہ یہ قلب ہے۔" یہاں حضور ﷺ نے "فواد" کا لفظ بیان نہیں فرمایا۔ حالانکہ گوشت پوست سے بنا ہوا دل فواد کہلاتا ہے۔ دراصل حضور ﷺ نے بات ذہن نشین کرانے کے لئے دل کی ظاہری صورت کی نشاندہی فرمائی کہ گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، جو دھڑک رہا ہے لیکن جب اس کی خصوصیت کو بیان فرمایا تو دل کی باطنی صورت یعنی قلب کا نام لیا۔ یہی قلب ہے جو وجود روحانی رکھتا ہے۔ اور یہی روح کا مسکن ہے۔ اس کو یوں سمجھ لیں کہ اپریشن کے ذریعے فواد تو بدلا جاسکتا ہے یعنی گوشت پوست کا دھڑکتا ہوا دل، لیکن قلب نہیں بدلا جاسکتا کیونکہ قلب کا کوئی حیوانی وجود نہیں ہے ۔۔ اصل مقام قلب کا ہے فواد کا نہیں جیسے اصل مقام انسان کے وجودِ روحانی کا ہے، وجودِ حیوانی کا نہیں۔

اس کی مزید تشریح کے لئے قرآن حکیم کی درج ذیل آیات بینات سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ (الرعد:۲۸)

"خبر دار۔ اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔"

Marfat.com

۲۔ اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ۔(الحج:۳۵)

"ان کا حال یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔"

۳۔ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْھُمْ رِجْساً اِلٰی رِجْسِھِمْ وَ مَاتُوْا وَھُمْ کٰفِرُوْنَ۔ (توبہ:۱۲۵)

"اور جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق) کا روگ ہے۔ تو (اس سورت نے) بڑھادی ان میں اور نجاست ان کی (سابقہ) نجاست پر اور وہ حالت کفر ہی میں مر گئے۔"

۴۔ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَھَنَّمَ کَثِیْراً مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَھُمْ قُلُوْبٌ لاَّ یَفْقَھُوْنَ بِھَا۔(الاعراف:۱۷۹)

"اور بیشک ہم نے جہنم کے لئے بہت سے جن اور انسان پیدا کئے۔ان کے قلوب تو ہیں لیکن وہ ان سے سوچتے سمجھتے نہیں۔"

۵۔ وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ اَوْتَاْتِیْنَآ اٰیَۃٌ ط کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ مِّثْلَ قَوْلِھِمْ ط تَشَابَھَتْ قُلُوْبُھُمْ ط قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ۔ (البقرہ:۱۱۸)

"اور جاہل لوگ بولے اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا! یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی نشانی! اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی ان جیسی بات کہی تھی۔ ان کے دلوں میں (کتنی) مشابہت ہے۔ بے شک ہم نے یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں واضح کردی ہیں۔"

۶۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ ط فَوَیْلٌ

Marfat.com

لِلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ (الزمر: ۲۲)

"اب کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے
اور وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر چل رہا ہے۔ تباہی ہے
ان لوگوں کے لئے جن کے قلوب اللہ کی نصیحت سے اور زیادہ
سخت ہو گئے۔ ایسے لوگ تو کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔"

۷۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ۔ (سورۃ البقرہ: ۷)

"اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔"

۸۔ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔ (الصفت: ۸۴)

"جب وہ (ابراہیم) حاضر ہوئے اپنے رب کے پاس قلب سلیم لے کر۔"

۹۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ (الانفال: ۲۴)

"اے ایمان والو! اللہ اور رسول ﷺ کے بلانے پر لبیک کہو۔
جب وہ رسول ﷺ تمہیں اس امر کی طرف بلائیں جو تمہیں
زندگی بخشتا ہے۔ اور خوب جان لو کہ اللہ (کا حکم) انسان اور اس
کے قلب (کے ارادوں) کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اور بے
شک تم اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔"

اب درجہ بالا آیات پر غور کریں۔ فواد اور قلب کا فرق واضح ہے یہاں قلوب کی متفرق کیفیات بیان کی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اَلْاَفْئِدَۃِ تو سب کو ایک جیسے عطا فرمائے ہیں جس طرح آنکھیں۔ کان، ناک ہاتھ اور پاؤں وغیرہ۔ ہر انسان میں اعضاء کی ہڈیاں برابر ہیں۔ ان کی بناوٹ تقریباً ایک جیسی ہے۔ لیکن ہر انسان میں قلب کی جو کیفیت

Marfat.com

ہے وہ ایک جیسی نہیں ہے۔

ا۔ کسی کا قلب مطمئن ہے۔

۲۔ کسی کے قلب میں سکون نہیں، بے چینی ہے۔

۳۔ کسی کا قلب نرم ہے۔

۴۔ کسی کا قلب پتھر سے بھی سخت ہے۔

۵۔ کسی کے قلب میں بیماری ہے جو اس کی سیرت کو گھنا رہی ہے۔

۶۔ کسی کے قلب میں پاکیزگی ہے۔ جو اس کی سیرت کو روشن کر رہی ہے۔

یہ سب قلبی کیفیات ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لیکن فواد تو سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک جیسا ہی ملا ہے۔ یعنی دل کی ظاہری صورت جو گوشت کے ایک لوتھڑے کی شکل میں ہے۔

یہاں میں نے سورۃ البقرہ کی آیت ۱۱۸ درج کی ہے۔ اس کو ایک بار پھر پڑھئے یہاں اللہ تعالیٰ نے قلوب کی کیفیت کو بڑا واضح کر کے بیان فرمایا ہے۔ لوگوں کے ایک گروہ کا ذکر ہے جو نبی آخر الزمان ﷺ کے سامنے جہالت کی باتیں کرتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ خود ہمارے ساتھ ہمکلام نہیں ہوتا۔ یا ہمیں کوئی نشانی کیوں نہیں ملتی؟ اس کے جواب میں ارشاد ربانی ہوتا ہے: اے رسول (ﷺ) ایسے جاہل لوگ آپ ﷺ سے پہلی امتوں میں بھی تھے۔ جو ایسی جہالت کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اِن کی اور اُن کی سوچ ایک ہی ہے، اس لئے ان کے دلوں (قلوب) میں مشابہت ہے۔ ان کے قلوب ایک جیسے ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ ان کی سوچ اور فعل ایک جیسا ہے۔ اگر یہ ایسا نہ کہتے تو ان کے قلوب مختلف ہوتے -- حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل (فواد) کو ایک ہی شکل، ساخت اور بناوٹ دی ہے۔ لیکن قلوب ایک جیسے نہیں۔ یہی فرق ہے ان دونوں میں یہ دل کے اندر ایک اور دل یعنی قلب جو روح کا اصل مقام ہے۔ "کچھ لوگ

Marfat.com

جو یہ کہتے ہیں کہ سینے کے اندر اس پمپنگ مشین یعنی دل کی کوئی حیثیت نہیں کہ اس کا کام تو محض خون کو جسم کے اندر داخل کرنا ہے اور بس اصل چیز تو دماغ ہے جو سوچتا سمجھتا ہے۔" دراصل ان کی نظر صرف فواد (دل کے ظاہری وجود) پر ہے نہ کہ قلب (دل کے باطنی وجود) پر۔

سارے جسم میں روح کی حکمرانی ہے۔ یہ جسم کے ہر خلئے اور خون کے ہر ذرے میں موجود ہے۔ جیسے پھول میں خوشبو رچ بس جاتی ہے --- روح اپنے پیغامات دماغ سے جاری کرتی ہے جس سے قلب کا براہ راست گہرا تعلق ہے۔ جسم کے دو بڑے نظام اعصابی اور عضلاتی مکمل طور پر روح کے تابع ہیں۔ انہی سے زندگی چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ اور یہی ذہن و قلب کا تعلق ہے۔

دور حاضر کا نظریہ ارتقاء

انسان کے دو وجود ہیں -- ایک وجود حیوانی اور دوسرا وجود روحانی۔

موجودہ نظریہ ارتقاء کا تعلق صرف انسان کے وجود حیوانی کے ساتھ ہے۔ وجود روحانی کے ساتھ اس نظریئے کی کوئی بحث نہیں ہے۔ کیونکہ روح تو عالم امر کی شے ہے۔ جہاں نہ اوقات کی تقسیم ہے نہ زماں نہ مکاں۔ ہم نے یہاں یہ دیکھنا ہے کہ انسان کی توجہ کس وجود پر ہے۔ جن لوگوں نے اصل انسان اس وجود حیوانی کو سمجھ لیا اور اس کا روحانی وجود ان کی سوچ اور فکر سے اوجھل رہا تو ان کی سوچ غلط سمت اختیار کر گئی۔ اس سے تو انسان صرف ایک حیوان بن کر رہ جائے گا اور یہی بات ہماری تہذیب و تمدن اور فکر و عمل پر منفی اثرات ثبت کرتی ہے۔ یہاں یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ نظریئے اور ثابت شدہ حقیقت میں یقیناً فرق ہوتا ہے۔ جب ہم ایک نظریئے کو حقیقت سمجھ کر اس پر یقین کر لیتے ہیں تو یہ ایک ایسی ناانصافی کی بات ہوتی ہے جو کسی بھی عقلمند اور

Marfat.com

ہوشمند آدمی سے صادر نہیں ہوسکتی۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہماری توجہ کس وجود پر ہے۔

اب جن لوگوں کی توجہ اپنے وجود روحانی پر ہوگئی۔ انہوں نے اس پر ہی غور و فکر کیا۔ وہ امر رب کی حقیقت کو پالینے میں مستغرق ہوگئے۔ وہ اس استغراق میں کئی قسم کی باتیں کہہ گئے۔ بعض کی فکر انتہائی صورت اختیار کرگئی وہ روح کی حقیقت پالینے میں بہت دور تک پہنچے۔ جیسے حسین بن منصور حلاج۔ کہ ان کی نظر میں وجود حیوانی ہی نہ رہا۔ اور جب استغراق بڑھا تو پکار اٹھے۔ "اناالحق۔" یہ انتہا ہے جو حالت سکر کی کیفیت ہے۔ بعض نے کہا اس پر گرفت نہیں۔ لیکن اسلام ہمیں اعتدال کی راہ دکھاتا ہے۔ حالت اعتدال میں رہ کر جن لوگوں نے غور و فکر کیا وہ خود بھی سنور گئے اور انہوں نے اللہ کی مخلوق کو بھی سنوارا۔ وہ ہیں اولیائے کرام جو اللہ کے مطیع و فرماں بردار بندے ہیں، انہوں نے وجود روحانی کی طرف توجہ کی، غور و فکر کیا تو پکار اٹھے۔ لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ اِلاَّ اللہ۔ "میرے جبے میں سوائے اللہ کی اور کچھ نہیں۔" انہوں نے ماسواء سے توجہ ہٹالی تو انہیں نکھار ملا۔ روح کا نکھار، قلب کا نکھار، جس سے ان کی سیرت و کردار سنور گئے --- قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا۔ "بیشک وہ مراد کو پہنچا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا۔" یہاں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وجود روحانی جو انسان کی حقیقت ہے وہ اگر نظروں سے اوجھل ہوگیا تو سوائے ہلاکت کے کچھ نہیں ملے گا۔ لیکن حقیقت وہی پائے گا جو اسلام کی راہ اعتدال اختیار کرے گا۔

اب آیئے دوسری طرف۔ ڈارون نے محض وجود حیوانی کی طرف توجہ کی۔ وجود روحانی اس کی نظروں سے اوجھل رہا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خود بھی حیوان بنا اور انسان کو بھی حیوان کی سطح پر لے آیا اور بول اٹھا کہ "میں بندر ہوں۔" جب اس کی اللہ سے توجہ ہٹی تو اپنی عظمت بھی بھول گیا۔ محض حیوان بن کر رہ گیا۔ اور حد سے تجاوز کر

Marfat.com

گیا۔ سورہ حشر میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (آیت:۱۹)

''ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے۔ تو اللہ نے انہیں اپنے آپ سے غافل کر دیا، یہی لوگ فاسق ہیں۔''

یہی حد سے تجاوز کرنا ہے۔ حیوان کو کیا پتہ کہ حدود کیا ہوتی ہیں۔ وہ جہاں چاہتا ہے منہ مارتا ہے۔ اس کی تو فطرت میں یہی بات ہے۔ وہ مادر پدر آزاد ہوتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ (اعراف:۱۷۹)

''وہ چوپائیوں کے مانند ہو گئے بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔''

یہ ہے ان لوگوں کی کیفیت جن کی توجہ محض وجود حیوانی پر مرتکز ہوئی۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا بس ایک ہی وجود مادی ہے باقی کچھ نہیں۔

ڈارون جو نظریہ ارتقاء کا سب سے بڑا حامی تھا۔ ۱۸۰۹ء میں پیدا ہوا۔ جوان ہوا تو اس نے بحری جہاز میں دنیا کا چکر لگایا۔ اور پانچ سال تک دُنیا کے ساحلی علاقوں میں پھرتا رہا۔ وہ جہاں کہیں بھی گیا اس نے وہاں کے جانوروں کیڑوں مکوڑوں اور ہر قسم کی مخلوق کا مشاہدہ کیا اور تجربات و مشاہدات کا بہت زیادہ مواد لے کر انگلستان واپس آیا۔ اس نے دیکھا کہ جانداروں میں ایک قسم کی مشابہت ہے اور یہ مشابہت اور فرق بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہی اس کا وسیع مشاہدہ تھا۔ جس کی وجہ سے اس کا ذہن ارتقاء کی طرف منتقل ہوا اس نے نظریہ ارتقاء پیش کیا۔ کہ ارتقاء کیسے ہوتا ہے۔ اس نظریے پر اس کی کتاب اصل انواع (Origin of Species) ۱۸۵۹ء میں شائع ہوئی۔ لیکن اس سے ایک ہزار سال پہلے مسلمان ماہرین حیاتیات نے فلسفہ ارتقاء پیش کر دیا تھا۔ ۲۵۵ ہجری میں

85074

Marfat.com

عثمان عمر ابن بحر الجاحظ نے "کتاب الحیوانات" لکھی۔ اس تیسری صدی ہجری میں یعنی ڈارون سے تقریباً گیارہ سو سال پہلے النظام نے ارتقاء کا نظریہ پیش کیا۔ یعقوب بن اسحاق الکندی (متوفی ۲۷۰ھ) نے اسی موضوع پر کئی رسائل لکھے۔ چوتھی صدی ہجری میں حیوانات پر فلسفیانہ انداز میں بہت کام کیا گیا۔ اس سلسلے میں "اخوان الصفا" کی مجلس نے الجاحظ کے فلسفے کی تائید کی۔ اور اس فلسفہ ارتقاء کو آگے بڑھایا۔ اس طرح ہر صدی میں ارتقاء پر بہت کچھ لکھا گیا۔ لیکن آج شہرت ڈارون کو مل گئی۔ ڈارون کے خیال میں "دنیا کا قانون یہ ہے کہ حیات کو سہارا دینے والی جو چیزیں ہیں وہ محدود ہیں۔ اور جان داروں کی تعداد بڑھتی چلی جاتی ہے۔ لہٰذا فطری طور پر زندہ رہنے کے لئے جدوجہد کی ضرورت پڑتی ہے۔ اب اس جدوجہد میں باقی وہ رہے گا جو اپنے ماحول کے ساتھ سب سے زیادہ مطابقت اور سازگاری اختیار کرے گا۔ باقی سب ختم ہو جائیں گے۔ زندہ رہنے کے لئے اس ماحول کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اپنے اندر بھی تبدیلی لانا ضروری ہے۔ تاکہ ماحول سے مطابقت قائم رہے۔ ماحول میں جیسے جیسے تغیرات آئے ان کے مطابق جن حیوانات نے اپنے اندر تبدیلیاں پیدا کرلیں وہ تو بچ گئے باقی سب ختم ہوگئے۔ اب جو بچ گئے انہوں نے جو تبدیلی پیدا کرلی تھی وہ تبدیلی ان کی نسل میں منتقل ہوگئی پھر یہ تبدیلی بڑھتی چلی گئی۔ اگلی نسل میں یہ تبدیلی اور بڑھ گئی۔ اس سے اگلی نسل میں اور اضافہ ہوگیا اور نسل در نسل یہ تغیرات شامل ہوتے گئے اور ایک عرصے کے بعد ایک نیا حیوان وجود میں آگیا۔"

یہ ہے ڈارون کا نظریہ ارتقاء۔ اب اگر یہ ایمان ہو کہ اس سارے عمل میں قانون قدرت کارفرما ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم اور منشاء سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے تو پھر درست ہے کہ کوئی بھی شخص غور و فکر کر کے کوئی نظریہ پیش کر سکتا ہے اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ

Marfat.com

یہ سب کچھ اپنے آپ ہو رہا ہے کہ طبیعاتی اور کیمیاوی تبدیلیوں کی وجہ سے ہے جو اپنے آپ آتی رہتی ہیں تو یہ دہریت اور گمراہی ہے یہ گمراہ کن فکر جب آیا تو اس میں کئی اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی گم ہو گئے۔ اس فکر نے لوگوں سے بہت سے اسلامی ضابطوں کا انکار کروایا۔ قانون قدرت کی نفی ہوئی۔ لوگ حقائق کو چھوڑ کر تمثیلات کے پیچھے بھاگنے لگے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تیرہ سو سال پرانی باتیں اب فرسودہ سمجھی جانے لگی تھیں۔ اور لوگوں نے اپنے ذہنوں کو "سائنسی" کا نام دے کر اسلامی ضابطوں کو رد کر دیا۔ یا اپنی مرضی سے ان کی تاویل کر دی۔ اس نئے نظریئے کا اثر بہت گہرا تھا۔ لوگوں نے بڑھ چڑھ کر اس کا استقبال کیا ایسے لوگوں کے نظریئے کو قرآن حکیم نے ایک آیت میں واضح کر دیا ہے۔

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ۔ (الجاثیہ:۲۴)

"وہ بولے ہم نہیں جانتے اپنی اس زندگی کے سوا (کسی دوسری زندگی کو) ہم خود ہی مرتے ہیں اور خود ہی جیتے ہیں اور ہمیں مارنے والی شے گردش افلاک کے سوا اور کچھ نہیں۔ حالانکہ انہیں اس حقیقت کا کوئی علم نہیں۔ وہ محض ظن (اور تخمینے) سے کام لے رہیں۔"

ہم مسلمان جب اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ اشیاء کو دیکھیں تو ہمارے اندر اشیاء کی نسبت ان کے بنانے والے کی طرف زیادہ خیال جانا چاہئے۔ کہ ان اشیاء کا خالق کتنا عظیم ہے۔ ہمارے منہ سے "سبحان اللہ" کا لفظ نکلنا چاہئے۔ لیکن جو صرف ان اشیاء کی عظمت ہی میں گم ہو گیا اور خالق کی عظمت کو بھول گیا۔ وہ گمراہ ہوا۔ یہی کفر ہے اور یہی چیز اس کے اور اللہ کے درمیان حجاب ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہی اشیاء جن کے

Marfat.com

سراپے میں ہم بہت جلدی گم ہو جاتے ہیں اور ان کے خالق کو بھول جاتے ہیں وہ ہر وقت اپنے خالق کی تسبیح بیان کرتی رہتی ہیں۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

جب خالق بھی نظروں سے غائب اور اپنی عظمت بھی غائب تو پھر انسان تو محض ایک ترقی یافتہ حیوان ہی ہو گا۔

قرآن کا نظریہ ارتقاء اور تخلیقی عمل

یہ کائنات اللہ تعالیٰ کا عمل اور فعل ہے اور یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا قول اور کلام ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے قول و فعل میں تضاد نہیں اس لئے ان دونوں میں کوئی فرق اور امتیاز نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ ہادی، رہبر اور پیغام بر بن کر تشریف لائے نہ تو حضور ﷺ سائنس سکھانے کے لئے مبعوث ہوئے اور نہ ہی قرآن سائنس پڑھانے نازل ہوا۔ قرآن تو راستہ دکھانے آیا۔ ذہن و فکر کو صحیح رخ پر ڈالنے اور عملی زندگی کو صحیح نہج پر لانے کے لئے آیا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرآن میں سائنسی علوم کی کمی ہے یا ان علوم میں دسترس حاصل کرنا غیر اسلامی بات ہے۔ قرآن تو ایسی جامع اور مکمل کتاب ہے جس میں کُل کائنات کے علوم بند ہیں۔ اور جب غور و فکر کیا جاتا ہے تو ایک ایک آیت سے بے شمار نتائج اخذ ہوتے ہیں۔ علوم کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ اعجازِ قرآن کی وجہ سے قدم قدم پر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ قرآن میں جہاں معاشرتی، معاشی، سیاسی، تاریخی، جغرافیائی، اخلاقی، عسکری اور دوسرے بے شمار علوم میں رہنمائی ملتی ہے وہاں سائنسی علوم میں سینکڑوں آیات ایسی ملتی ہیں جو کائنات میں غور و فکر کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ یعنی قرآن حکیم میں سائنسی مظاہر (Scientific

Marfat.com

Phenomena) کا بہت زیادہ ذکر ہے۔

سائنس کیا ہے--؟ "اشیاء ان کے خواص اور قوانینِ حیات معلوم کرنے کے لئے غور و فکر کرنا اور دیکھنے کے لئے تمام قدیم و جدید آلاتِ نظر استعمال کرنا۔" قرآن نے لفظ سائنس کے لئے "علم" اور "حکمت" کی اصطلاح کو مروج کیا ہے۔ اس میں فطری مظاہر اور قدرتی واقعات کا ترتیب و تنظیم کے ساتھ باقاعدہ اور باضابطہ مطالعہ و مشاہدہ کیا جاتا ہے اور اس طرح چند ایسے اصول اخذ کئے جاتے ہیں جو عام طور پر تمام واقعات و مشاہدات پر حاوی ہوتے ہیں۔ قرآن میں بار بار ایسی ترغیبات ملتی ہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِقَوْمٍ یَعْلَمُوْنَ

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِقَوْمٍ یَتَفَکَّرُوْنَ

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِقَوْمٍ یَتَدَبَّرُوْنَ.

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِقَوْمٍ یَعْقِلُوْنَ

"بے شک اس میں علم والوں، غور و فکر کرنے والوں، تدبر کرنے والوں اور عقلندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔" سورہ البقرہ اور سورہ آل عمران پڑھیے۔ بلکہ سارے قرآن میں دیکھئے مظاہر فطرت کا اس قدر تذکرہ فرمایا گیا کہ یوں لگتا ہے ایک دن انسان کائنات کے سربستہ رازوں کو ضرور پالے گا۔ اگر آج ہمیں کہیں فرق نظر آتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی انسانی علم وہاں تک پہنچا نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے تغیر میں اور کشتی میں جو سمندر میں نفع دینے والے مال و اسباب کو لے کر چلتی ہے اور اس بات میں کہ اللہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے پھر اس نے زمین کو زندگی بخشتا ہے۔ اور اس بات میں کہ اس نے زمین کے اوپر ہر قسم کے جان دار پھیلا دیئے ہیں اور ہواؤں کی گردش میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان ٹھہرا دیا جاتا ہے عقلندوں کے لئے نشانیاں

Marfat.com

ہیں۔" (سورۃ البقرہ:۱۶۴)

مزید فرمایا---

"زمین اور آسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ان ہوش مندوں کے لئے بہت نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی ساخت پر غور و فکر کرتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ فضول اور بے مقصد نہیں بنایا تیری ذات پاک ہے۔ پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔" (سورۃ آل عمران:۱۹۰،۱۹۱)

یہ سب کیا ہے؟ سائنسی مظاہر ہی تو ہیں-- لیکن ان سب باتوں کے باوجود قرآن اور صاحب قرآن ﷺ ہمارے ذہنوں کو اسلامی فکر اور اسلامی سوچ دینے کے لئے آئے ہیں۔ کیوں--؟ اس لئے کہ اگر ہم کسی نظریئے پر بھی غور کریں تو ہمارا غور و فکر اسلامی نہج پر ہو نہ کہ غیر اسلامی خطوط پر۔ خواہ وہ نظریہ تخلیقِ کائنات ہو یا نظریہ ارتقاء ۔ مثلاً نظریہ ارتقاء پر غور و فکر کر کے نتائج اخذ کرنا نہ تو گناہ کی بات ہے اور نہ کفر ہے۔ لیکن گناہ اور کفر اس وقت بنے گا جب ہماری سوچ غیر اسلامی ہو گی۔ اگر اس کائنات کا نظام خود بخود چل رہا ہے تو یہ کفر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکم کے تابع یہ سب کچھ ہو رہا ہے تو یہ اسلام ہے۔ باقی رہی سائنسی اصولوں پر بحث تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ اسلام تو خود غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کی تخلیق کیسے ہوئی؟

تخلیقی عمل کے چھ مراحل

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ انسان کی چھ حالتیں بیان فرمائی ہیں یا یوں کہہ لیں کہ انسان کا تخلیقی عمل چھ مراحل میں سے گزرا ہے۔ جن کی ترتیب یہ ہے:

۱۔ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ۔ (آل عمران:۵۹)

Marfat.com

"اس (آدم) کو مٹی سے پیدا کیا۔"

۲۔ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا۔ (بنی اسرائیل:۶۱)

"(ابلیس نے) کہا۔ کیا میں اس (آدم) کو سجدہ کروں جسے تُو نے گارے سے پیدا کیا۔"

۳۔ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ۔ (الصفت:۱۱)

"بیشک ہم نے انہیں لیس دار گارے سے تخلیق کیا۔"

۴۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔ (الحجر:۲۶)

"اور البتہ تحقیق ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ جو بودار سیاہ گارا تھی۔"

۵۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۔ (الرحمٰن:۱۴)

"انسان کو ٹھیکری جیسی بجنے والی مٹی سے پیدا کیا۔"

۶۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ۔ (المومنون:۱۲)

"اور البتہ ہم نے انسان کو پانی ملی مٹی کے ست سے بنایا۔"

یہ ہیں وہ چھ حالتیں جن سے گزر کر انسان کی تخلیق ہوئی۔ قرآن نے مادہ تخلیق مٹی کو قرار دیا ہے۔ اور سائنس بھی انسان کی اصل، مٹی ہی کو قرار دیتی ہے۔ یعنی تراب (Crust of the Earth) باقی جو فرق ہے وہ درمیانی عمل کی تفصیل میں ہے۔ سائنسی فلسفہ ارتقاء کی رو سے سب سے پہلے زمین پر بارش برسی۔ گارا بنا۔ سمندر کے ساحلوں پر دلدلیں بنیں۔ دلدلوں کے اندر ہی سے خمیر اٹھا۔ جب وہ دلدل سوکھی تو اوپر سے کٹ پھٹ گئی اس میں دراڑیں پڑ گئیں۔ ان دراڑوں کے اندر سے حیات کی ابتداء ہوئی۔

قرآن کی رو سے انسان کا مادۂ تخلیق مٹی ہے لیکن زندگی کی ابتداء پانی سے ہوئی۔ فرمایا۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ (الانبیاء:۳۰)

Marfat.com

"اور ہم نے ہر زندہ چیز پانی سے پیدا کی۔"

مٹی اور پانی ملے تو گارا بنا۔ یہی طین ہے۔ حیات کی دوسری حالت۔ پھر گارے کے اندر تعفن پیدا ہوا۔ خمیر اٹھا اور یہ لیس دار گارا بنا یعنی طینِ لازب۔ یہ حیات کی تیسری حالت ہے پھر یہ گارا خشک ہوا۔ تو پھٹی بجتی ہوئی ٹھوس مٹی اور بیچ بو دار سیاہ گارا۔ یعنی صلصالٍ مّن حماٍ مّسنونٍ بنا۔ یہ حیات کی چوتھی صورت تھی۔ زمین کی سطح میں دراڑیں پڑ گئیں۔ پھر یہ اور خشک ہوئی اور بجتی ہوئی مٹی بن جیسے ٹھیکری۔ یعنی صلصالٍ کالفخارِ یہ حیات کی پانچویں صورت تھی۔ اس کے بعد بیچ گارا تھا اس کے ست اور خلاصے سے حیات کی تکمیل ہوئی اور انسان اسی گارے (طین) کے ست اور خلاصے (سُلٰلۃ) سے معرض وجود میں آیا۔ اور قرآن نے اس کی چھٹی حالت بیان فرمائی۔

ولقد خلقنا الانسان من سُلٰلۃٍ مّن طینٍ۔ (المومنون ۱۲)

"اور بے شک ہم نے انسان کو پانی کی مٹی کے ست سے بنایا۔"

پھر وہ حالت آتی ہے کہ انسان کو بشر کی صورت میں تخلیق کیا گیا۔ اور اس کی براہ راست تخلیق ہوئی۔

اذ قال ربّک للملٰئکۃ انّی خالقٌ بشراً مّن طینٍ ۞ فاذا سوّیتہٗ ونفخت فیہ من رّوحی فقعوا لہٗ سٰجدین۔ (ص ۷۱۔۷۲)

"(اے نبی ﷺ) جب آپ ﷺ کے رب نے فرشتوں سے کہا میں گارے سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ پھر جب میں اسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔"

بشر کا لغوی معنی ہے ۔۔ "جسم کثیف" جس کی ظاہری سطح کسی دوسری چیز سے

Marfat.com

ڈھکی اور چھپی ہوئی نہ ہو۔ یہ بشری صورت ویسی ہی تھی جیسی اب ہے۔ ایسے ہی ہاتھ پاؤں۔ سر منہ سینہ اور پیٹ وغیرہ نیز دوسرے حیوانات کی طرح جسم پر کوئی بال، پر، اون یا صوف وغیرہ نہیں تھے۔ عربی میں بشرۃ ظاہری جلد کو کہتے ہیں بشر کا لفظ واحد، جمع، مذکر اور مؤنث سب کے لئے بولا جاتا ہے۔ تخلیق سے پہلے یعنی روح پھونکنے سے پہلے اس کا ذکر لفظ "بشر" سے کرنے اور اسے مٹی سے بنانے کا بالکل صاف مطلب یہ ہے کہ اس جسمِ انسانی اور بشری صورت کو ابتداءً ہی براہ راست تخلیق کیا گیا ہے۔ خشک مٹی سے لے کر گارے کے ست اور خلاصہ تک کا سارا عمل اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ بشری جسم کے لئے مٹی سے کشید کئے ہوئے ایک ایسے مادے کی ضرورت تھی جو روح پھونکنے کے بعد گوشت پوست میں ڈھل کر اس قابل ہو جائے کہ ایک مقررہ وقت (موت) تک روح کو برداشت کر سکے۔ اس میں جب قوت، جذبات اور احساسات پیدا ہوں تو یہ ان کی شدت سے پھٹ نہ جائے۔ اور اس میں اتنی صلاحیت بھی موجود رہے کہ وہ اپنی نسل کو آگے بڑھائے اگر اس میں ساڑھے نو سو سال تک بھی روح موجود رہے، دل دھڑکتا رہے، خون گردش کرتا رہے یہ محنت اور مشقت کا بوجھ اٹھاتا رہے پھر بھی اس کی جلد اندر کے گوشت ہڈیوں اور تمام اعضاء کو محفوظ رکھ سکے۔ جب یہ سارا عمل مکمل ہوا اور ایک ایسا مادہ بنا جس میں یہ ساری صلاحیتیں پیدا ہو گئیں تو اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی تو اس جسم میں زندگی دوڑنے لگی۔ اور یہ چلتا پھرتا انسان بن گیا۔ اور یہی "وہ نفسِ واحدہ" تھا جسے آدم کا نام دیا گیا۔ جس کی قدر و منزلت کا اظہار اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا۔

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ۔ (ص:۷۵)

"(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا۔ اے ابلیس! تجھے کس چیز نے منع کیا اس کو سجدہ کرنے سے جسے میں نے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔"

Marfat.com

پھر اسی آدم کو نبوت سے سر فراز فرمایا گیا۔ تو وہ آدم علیہ السلام بنے۔ اب درج ذیل عبارت کو ترتیب وار پڑھتے جائیے۔ ہر بات واضح ہو جائے گی ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

۱۔ اَلَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَہٗ۔ (السجدہ:۷)

"وہی ہے (خالقِ حقیقی) جس نے جو چیز بھی بنائی خوب ہی بنائی۔"

اس کائنات میں بے شمار چیزیں ہیں اور کوئی چیز بھی بے ڈھنگی اور بے تُکی نہیں۔ متناسب اور موزوں ہے انسان سے پہلے جمادات، نباتات اور حیوانات کی تخلیق ہو چکی تھی۔ سب اپنے اپنے مقام پر خوب بنائے گئے تھے۔ یہ سب کچھ صرف اور صرف انسان کے لئے تخلیق کئے گئے ہیں اور ان سب کو انسان کے تابع کر دیا گیا ہے۔ انسان کے آگے نہ پہاڑ ٹھہر سکتے ہیں نہ جنگلات ہی اس کا راستہ روک سکتے ہیں اور نہ حیوانات۔ قوی الجثہ حیوانات بھی اس کے مطیع و فرماں بردار ہیں۔ جب اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے سب کچھ پیدا کر دیا تو پھر اس کی تخلیق کی ابتداء کی گئی۔

۲۔ وَ بَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ۔ (السجدہ:۷)

"اور (اللہ تعالیٰ نے) انسان کی تخلیق کی ابتداء گارے سے کی۔"

طِین یعنی گارا۔ ایسی مٹی جس میں پانی ملا ہوا ہو۔ اس کی تشریح پہلے کی جا چکی ہے۔ جب انسان گارے سے بن گیا پھر اس میں روح پھونکی گئی تو اس انسان کے وجود حیوانی کی مشینری نے کام کرنا شروع کر دیا، پھر اس کے اندر ہی تناسل کا ایک سلسلہ شروع کر دیا گیا جس سے ویسے ہی انسان پیدا ہوتے چلے گئے۔

۳۔ ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَہٗ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّہِیۡنٍ۔ (السجدۃ:۸)

"پھر اس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے۔"

یہ ہے قدم بقدم ترقی۔ ایسی ہی ترقی اللہ تعالیٰ کی حکمت سے ہر نوع حیوانی کے پہلے

Marfat.com

فرد نے کی ہے۔ جتنے بھی جاندار ہیں سب کی ابتدائی تخلیق پانی سے ہوئی۔ لیکن ہر قسم کے جاندار کا پہلا فرد اسی طرح اللہ تعالیٰ کے براہ راست تخلیقی عمل سے پیدا ہوا۔ پھر اس کی نسل، تناسل (Procreation) کی مختلف صورتوں سے چلی۔

سورۃ السجدۃ کی یہ آیتیں قرآن حکیم کی ان آیات میں سے ہیں۔ جو انسان اول کی براہ راست تخلیق کی تصریح کرتی ہیں۔ ڈارون کے نظریئے کے قائلین اسے ایک غیر سائنسی نظریہ کہتے ہوئے رد کر دیتے ہیں۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ انسان کی براہ راست تخلیق نہ سہی تمام انواع حیوانی کی بھی نہ سہی۔ لیکن اس اولین جرثومہ حیات کی براہ راست تخلیق سے کیسے پیچھا چھڑاؤ گے؟ -- اس بات سے زیادہ یہ بات انتہائی جاہلانہ اور غیر سائنسی ہے کہ زندگی کی ابتداء محض ایک حادثے کے طور پر ہوئی تھی۔ حالانکہ ایک خلئے (Cell) والے حیوان میں زندگی کی سادہ ترین صورت بھی اسی قدر پیچیدہ اور نازک حکمتوں سے لبریز ہے کہ اسے محض ایک حادثاتی عمل قرار دے دینا اس سے بدرجہا غیر سائنسی ہے۔

۴۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً۔ (النساء:۱)

”وہی ہے (تمہارا خالقِ حقیقی) جس نے تمہیں فردِ واحد سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنادیا۔ اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت (دنیا) میں پھیلا دیئے۔“

یہاں فردِ واحد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں نہ کہ وہ خلیہ (Cell) جو سمندری دلدل میں پیدا ہوا۔

۵۔ فَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى۔ (طٰہٰ:۱۱۷)

Marfat.com

"اس پر ہم نے آدم سے کہا۔ (دیکھو) یہ (ابلیس) تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں جنت سے نکلوا دے اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔"

درج بالا آیات میں فرد واحد (حضرت آدم علیہ السلام) کے ساتھ ان کی بیوی کا بھی ذکر ہے کہ ان کی بیوی اسی جان سے پیدا کی گئی۔ کیسے؟ اس کی تفصیلی کیفیت کے بارے میں اللہ کی کتاب خاموش ہے۔ اور اس کا انسان کو علم نہیں۔ اور نہ ہی معلم انسانیت ﷺ نے اس کی تفصیل بتائی ہے۔ اگر ہم کوئی مفروضہ قائم کر بھی لیں تو وہ مفروضہ ہی رہے گا حقیقت نہیں بن سکتا۔ اور نہ ہی ہمیں آیات متشابہات کی تاویل کرنے کا حکم ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے ایک آیت ایسی ہی پیش کی گئی ہے۔ کہ "انسان کو میں نے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔" اب اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھوں کے متعلق اگر کوئی شخص تحقیق کرنا شروع کر دے کہ وہ کیسے ہیں؟ تو یہ اس کی جہالت ہوگی۔ وقت کا ضیاع ہوگا، اس کی تاویل انسانی ادراک سے باہر ہے۔ بس ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت۔

صاف اور واضح بات

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایک جان یعنی "فردِ واحد" سے پیدا کیا۔ پھر اسی ایک جان سے اس کی بیوی بنائی۔ اور ان دونوں سے لاتعداد مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے -- یہ اتنی صاف اور واضح بات ہے جسے بڑی آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے، لیکن اس مسئلے کو ڈاروانیت کی اتباع کرنے والوں نے اس قدر الجھا دیا کہ اچھا بھلا ذہن رکھنے والے بھی اس نظریئے کو حقیقت سمجھنے لگتے ہیں اور اس کے الجھاؤ میں پھنس گئے ہیں۔ حالانکہ یہ انیسویں صدی کے وسط میں بھی صرف ایک نظریہ تھا اور آج بیسویں صدی کے آخر

Marfat.com

میں بھی محض ایک نظریہ ہی ہے۔ واقعہ اور حقیقت آج تک ثابت نہیں ہو سکا۔
"انسان ایک ترقی یافتہ حیوان ہے" --- اس نظریئے کی حمایت میں دلائل کے انبار لگانے والے اس گرہ کو آج تک نہ کھول سکے کہ حیوان کس طرح انسان بن گیا۔ اس کے برعکس قرآن کے نزدیک انسان ایک جلیل القدر اور عظیم المرتبت مستقل بالذات مخلوق ہے۔ یہ سلسلہ ارتقائے حیات کی آخری کڑی نہیں ہے۔ ذرا غور کیجئے۔ اَلَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَہٗ۔ "وہی (اللہ) جس نے بہت خوب بنایا ہر چیز کو۔" پھر فرمایا۔ وَبَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ۔ "اور انسان کی تخلیق کی ابتدا گارے سے کی۔" کتنی صاف اور واضح بات ہے۔ کہ انسان سے پہلے تمام اشیاء (جمادات، نباتات، حیوانات اور جنات) کو خوب کامل و مکمل پیدا کیا۔ جس رنگ اور ڈھنگ میں بھی تخلیق کیا اس سے بہتر شکل و صورت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور جب سب کچھ پیدا ہو گیا۔ پھر انسانی تخلیق کی ابتداء گارے سے فرمائی۔ پھر وہ عمل شروع ہوا جو تراب (خشک مٹی) سے لے کر گارے کے ست تک پہنچ کر مکمل ہوا۔ وہ کشید کیا ہوا مادہ جو مخصوص عمل سے گزر کر اس قابل بنا کر اس کا ایک بشر تخلیق کیا جائے۔ پھر اسے بشری صورت دی گئی۔ اس کے بعد اس میں روح پھونکی گئی پھر اس کا جوڑا حکمت اور قدرت الٰہیہ سے اسی جان سے پیدا فرمایا گیا۔ پھر سلسلہ تناسل جاری ہوا۔ آدم کی نسل بڑھی۔ فرمایا۔

ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَہٗ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّہِیۡنٍ۔ (السجدہ:۸)

"پھر انسان کی نسل ایک ایسے ست (جوہر) سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے۔"

اس کے بعد فرمایا۔ ثُمَّ سَوّٰىہُ --- "پھر اس کے (قدبت) کو درست کیا۔" رحم مادر میں ایک جرثومے کو اس طرح پروان چڑھایا جاتا ہے کہ یہ مختصر سی مدت یعنی گنتی کے دنوں

Marfat.com

میں لوتھڑا بنتا ہے پھر گوشت کی بوٹی پھر اس میں قدرت کی ندرت آفرینیوں کے باعث طرح طرح کی چھوٹی بڑی ہڈیاں بننے لگتی ہیں پھر اس کے بیرونی اعضاء ہاتھ پاؤں آنکھیں کان ناک نمودار ہوتے ہیں۔ اسی لوتھڑے کے اندر دماغ پھیپھڑے جگر معدہ مثانہ اور گردے بنتے ہیں اور عضلاتی اور اعصابی نظام مکمل ہوتا ہے۔ اس طرح اس جرثومے کو مختلف مدارج طے کر کے ایک مکمل انسان یعنی بشر بننے میں صرف نو ماہ کا قلیل عرصہ لگتا ہے -- اور یہ سب کے مشاہدہ کی بات ہے۔ لیکن نظریہ ارتقاء کے حاملین کے نزدیک ایسی تبدیلیاں وقوع پذیر ہونے کے لئے کروڑوں بلکہ اربوں سال چاہئیں۔ جب ہم روزانہ اسی تخلیقی عمل کا مشاہدہ کرتے ہیں تو پھر انسان اول کے معرض وجود میں آنے کے لئے جو افسانوی طرز فکر ڈاروِن، ہربرٹ اسپنسر اور ان کے ماننے والوں نے اختیار کر رکھا ہے اسے کیونکر قبول کیا جا سکتا ہے! یہ کہتے ہیں کہ زندگی رینگتی رینگتی اربوں سالوں میں مختلف منازل طے کرتی ہوئی بندر اور بندر سے انسانی صورت میں نمودار ہوئی۔ دراصل یہ نظریہ جب شروع شروع میں آیا تو اس وقت یورپ میں مذہب سے بیزاری کا رجحان بڑھ رہا تھا۔ لوگ مسیحیت کی ناقابل فہم اور عجیب و غریب تعلیمات سے اکتا چکے تھے کیونکہ نہ تو مذہب کی تھیوری لوگوں کی سمجھ میں آئی تھی اور نہ اس کی عملی زندگی سے لوگ مطمئن تھے۔ مسیحیت کے علمبرداروں کی تعلیمات کے خلاف ایک طوفان امڈا ہوا تھا۔ اور ہر وہ بات جو مسیحی تعلیمات سے متصادم ہوتی لوگ اسے دیوانہ وار قبول کر لیتے۔ ہمارے ہاں بھی جب یہ نظریہ آیا تو کئی پڑھے لکھے اسے قبول کر گئے جن میں برصغیر کے نامور مسلمان سکالر بھی تھے۔

اس نظریئے کو معرض وجود میں آئے تقریباً ڈیڑھ سو سال ہو چکے ہیں۔ اس کے قائلین نے سر توڑ کوششیں کیں کہ اس نظریئے کے لئے کوئی ٹھوس بنیاد فراہم کی جائے اور اسے ناقابل تردید دلائل مہیا کئے جائیں جن کے باعث اس نظریئے کی

Marfat.com

صداقت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہو جائے۔ لیکن انہیں بری طرح ناکامی ہوئی ہے۔ اگر کسی پرانے غار سے یا زیر زمین کھدائی کے وقت یا کسی اور جگہ سے انہیں کوئی پرانا ڈھانچہ مل جائے تو کہتے ہیں کہ یہ دس لاکھ یا پچاس لاکھ سال پرانا ہے۔ اور اس کی کھوپڑی کی ساخت فلاں قسم کے بندر کی ساخت سے مشابہت رکھتی ہے۔ بس یہ اسی بندر کے خاندان کی ترقی یافتہ انسانی صورت ہے۔ اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ مختلف جانوروں میں نسل کشی سے مختلف قسم کی تبدیلیاں پیدا کی جاسکتی ہیں اس لئے اگر انسان میں حیوان سے انسانی تبدیلی آگئی ہو تو کیا بعید ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ انسانی جسم میں چند ایسے اعصاب ہیں جن کا اب کوئی مصرف نہیں ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ اعصاب پہلے جن اعضاء کو حرکت دیتے تھے یا مصروف کار رکھتے تھے وہ مختلف ارتقائی مدارج میں ناپید ہوگئے اور یہ اعصاب باقی رہ گئے۔ جیسے کسی زمانے میں انسان کی دم بھی ہوا کرتی تھی اس کے اعصاب تو باقی ہیں لیکن دم نہیں ہے۔ ایک تخمینہ یہ لگاتے ہیں کہ آج بھی جغرافیائی اثرات اور آب و ہوا کے اختلاف کے باعث ایک براعظم کے انسان دوسرے براعظم کے انسانوں سے رنگ و شکل اور عادات واطوار کے لحاظ سے مختلف نظر آتے ہیں۔ جب یہ اختلاف اور فرق موجود ہے تو انسان میں بتدریجی اختلاف کا پایا جانا بعید از امکان نہیں۔

دراصل وجہ کچھ اور ہے۔ ایسے نظریات جن لوگوں کے ہاتھوں پروان چڑھے ہیں وہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے ہمیشہ پہلو تہی کرتے آئے ہیں کہ کائنات کو چلانے والی کوئی "طاقت" ضرور ہے۔ ان کی تمنا یہ رہی ہے کہ کائنات کے اندر ہی سے اس کی کار فرما طاقت کا پتہ چل جائے۔ یہ ان کی بنیادی غلطی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ مشکل میں پھنس گئے۔ وہ قدرت الہیہ کے منکر ہوئے تو اپنے قیاس پر حیات کی ابتداء کی گتھی کو سلجھانے کی کوشش کرنے لگے۔ سائنس اسی بات کو تسلیم کرتی ہے جو اس کے

Marfat.com

تجربہ اور مشاہدے میں آئے اور یہ بھی ذہین نشین رکھیں کہ سائنس علوم اسلامیہ ہی کی ایک شاخ ہے۔ اور یہ اسلامی اصول و ضوابط اور تعلیمات کے تابع ہے، لیکن اس علم کے ماہرین جب غیر اسلامی اصولوں سے کسی سائنسی مسئلے کا نتیجہ اخذ کرتے ہیں تو وہ بھی غیر اسلامی ہی نکلتا ہے۔ ڈاروینی نظریہ ارتقاء میں اصلی اور بنیادی ضعف یہی ہے۔ انہوں نے ڈیڑھ صدی میں جتنے دلائل پیش کئے ہیں وہ فکر و نظر کے کسی معیار پر پورے نہیں اترتے اور نہ ہی کبھی تخمینوں اور اندازوں سے حتمی طور پر کوئی چیز ثابت ہو سکتی ہے۔ کیا وہ نظریہ سائنٹیفک ہو سکتا ہے جس کی بنیاد محض ظنون اور تخمینات ہوں؟ انہوں نے ایک پیچیدگی کو دور کرنے کے لئے جو قدم اٹھایا تھا اس نے انہیں ہزاروں پیچیدگیوں سے دوچار کر دیا ہے۔ سادہ اور سیدھی سی بات کو جس طرح الجھا دیا گیا ہے یہ لوگ اس گتھی کو سلجھانے سے قاصر ہیں۔ انسان ہی نہیں بلکہ ہر نوع حیوانی کی تخلیق براہ راست خالق کے تخلیقی عمل سے ہوئی ہے۔ پھر ہر نوع کے اندر اللہ تعالیٰ نے تناسل کی ایک طاقت رکھ دی جس سے وہ اپنی نسل کو بڑھاتا رہا۔ اگر اس حقیقت کو تسلیم کر لیا جائے تو وہ بہت سی گتھیاں اور الجھنیں حل ہو جاتی ہیں۔ جو ڈارونیت کے علمبرداروں کے سارے سائنسی افسانوں کے باوجود ان کے نظریہ ارتقاء میں غیر حل شدہ رہ گئی ہیں۔

بشر -- جب ان کے پاس اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں کہ حیات کا پہلا جرثومہ براہ راست تخلیق سے وجود میں آیا تھا تو پھر آخر یہی بات ماننے میں کیا قباحت ہے کہ ہر نوع حیوانی کا پہلا فرد خالق کے براہ راست تخلیقی عمل سے پیدا ہوا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ☆ وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ السَّمُومِ۔ (سورہ الحجر: ۲۶-۲۷)

Marfat.com

"اور بلاشبہ ہم نے انسان کو پیدا کیا کھنکھناتی ہوئی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی۔ اور اس (انسان) سے پہلے ہم نے جنوں (کی مخلوق) کو پیدا کیا ایسی آگ سے جس میں دھواں نہیں۔"

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان سے پہلے جنات کی مخلوق پیدا کی جا چکی تھی اور ان کا مادۂ تخلیق مٹی نہیں بلکہ آگ تھی۔ اور جنات سے پہلے فرشتوں کی مخلوق کو اللہ تعالیٰ نور سے پیدا کر چکا تھا۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ آیت ۳۰ سے ثابت ہے، نیز جمادات، نباتات اور حیوانات بھی انسان کی تخلیق سے پہلے پیدا کیے جا چکے تھے۔ یعنی ہر قسم کی مخلوق انسان کی تخلیق سے پہلے موجود تھی۔ اور ہر وہ چیز خالق نے پیدا کر دی جس کی انسان کو ضرورت تھی۔ اس کے بعد نوعِ انسانی کے فردِ واحد کی تخلیق کی اور انسانی زندگی کی ابتدا ہوئی۔ قرآن میں اس بات کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے کہ انسان پہلے حیوان تھا۔

وَاِذْقَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ٭ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ٭

(الحجر: ۲۸-۲۹)

"اور (اے نبی ﷺ) جب آپ ﷺ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا۔ میں یقیناً بشر کی تخلیق کرنے والا ہوں کھنکھناتی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی۔ تو جب میں اسے (ہر لحاظ سے) درست کر لوں (یعنی بشری صورت دے دوں جس طرح کہ آج ہے) اور اس (بشری صورت) میں اپنی (خاص) روح پھونک دوں تو اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے گر جانا۔"

بشر --- کی تشریح پہلے کر دی گئی ہے کہ اس کے لغوی معانی "جسم کثیف" کے

Marfat.com

ہیں، جس کی ظاہری سطح کسی دوسری چیز سے ڈھکی اور چھپی ہوئی نہ ہو۔ یعنی دوسرے حیوانات کی طرح جسم پر کوئی بال، پر، اون یا صوف وغیرہ نہ ہو۔ بالکل صاف ظاہری جلد ہو۔ یہاں یہ ضرور یاد رکھیں کہ بندر، بن مانس، لنگور اور چمپانزی وغیرہ ہر ایک کے جسم پر گھنے بال ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی ظاہری جلد ڈھکی ہوئی ہوتی ہے۔ خواہ بندروں کی لاکھوں سال پہلے کی نسل لے لیں یا موجودہ دور کی۔ سب کے جسم پر گھنے بال ہوتے ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے بشر پیدا فرمایا، اپنے براہ راست تخلیقی عمل سے تو اس کے جسم کو ڈھانپنے والی کوئی چیز نہیں تھی۔ نہ بال، نہ پر اور نہ اون، صرف صاف جلد تھی، ایسا نہیں ہوا کہ بندر جب انسان بنا تو اس نے اپنے سارے جسم کی حجامت خود ہی بنالی۔ اور پھر وہاں بال اگے ہی نہیں۔ اللہ جانے اسے سر کے بال کیوں اچھے لگے کہ انہیں نہیں منڈھوایا۔ یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو سر کے سوا جسم کے کسی حصے پر بال نہیں ہوتے۔ ایسی ہی صورت بشر اول (آدم) کی تھی جب ان کی تخلیق ہوئی، یہاں ایک بات اور قابل توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صیغہ واحد استعمال کیا ہے۔ جو ایک آدمی کے لئے بولا جاتا ہے۔ یعنی وہ فردِ واحد تھا ابھی کوئی دوسرا بشر تخلیق نہیں ہوا تھا۔

اس آیۃ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے روحی کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ یعنی "میری روح"۔ آدم کی اصل حقیقت یہی روح ملکوتی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی طرف منسوب کر رہا ہے۔ یہی انسان کا اصلی وجود ہے۔ جہاں وجودِ حیوانی جیسا ارتقائی عمل نہیں ہوتا۔ البتہ وہ روحانی ارتقاء جس سے قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے وہ انسانی ایمان اور تقویٰ کی بنیاد پر جاری رہتا ہے۔ اسی روحانی وجود سے انسان سمیع اور بصیر بنا۔ اس میں سوچنے سمجھنے کی قوتیں پیدا ہوئیں۔ اس کے قلب کو جلا ملی۔ اسے علم و حکمت سے بھر دیا گیا۔ ایسی سماعت، ایسی بصارت اور ایسا فہم و ادراک کسی حیوان کو عطا نہیں کیا گیا۔ سورہ

Marfat.com

دھر کی پہلی تین آیات قابلِ غور بھی ہیں اور قابلِ فکر بھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۝ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ۝ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝

"بلاشبہ انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت (ضرور) گزرا ہے جب کہ یہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا۔ بے شک ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لئے ہم نے اسے سمیع (اور) بصیر بنایا۔ ہم نے اسے راستہ دکھادیا خواہ وہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔"

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ بار آور کرایا ہے کہ ---اے انسان تُو بے وجود تھا تیرا کہیں بھی تذکرہ نہ تھا۔ تُو کچھ بھی نہ تھا۔ مَیں نے تجھے تخلیق کیا۔ مَیں تجھے عدم سے وجود میں لایا۔ اپنے تخلیقی عمل سے تجھے وجودِ حیوانی عطا کیا پھر اس میں وجودِ روحانی کو رکھا۔ پھر تجھے جیتا جاگتا بشر بنا کر اِس امتحان گاہ میں بٹھادیا۔ اے انسان اپنے آپ کو پہچان اپنے خالق کو پہچان۔ عارف بن، معرفتِ الٰہیہ حاصل کر۔ مَیں نے تجھے سماعت اور بصارت عطا فرمائی۔ علم و حکمت اور فہم و ادراک سے نواز۔ اس حیوانیت سے نکل۔ وجودِ روحانی کو سمجھ اور آ میری طرف -- جہاں انسانیت کی معراج ہے۔ یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ اس کمرہ امتحان میں تجھے ایک مقررہ مدت کے لئے بٹھادیا گیا ہے۔ زندگی کا پرچہ تیرے ہاتھوں میں ہے۔ تمہیں اسی لئے سمیع اور بصیر بنایا ہے کہ دیگر جانداروں کے برعکس مَیں تیرا امتحان لوں اے انسان -- سُن یہ دنیا نہ تو دارالعذاب ہے کہ تُو اسے ترک کردے۔ نہ یہ دارالجزا ہے کہ تُو یہاں کی کامیابی کو ہی کامیابی سمجھنے لگ جائے اور یہاں کی ناکامیابی کو ناکامی تصور کرے، نہ یہ تفریح گاہ ہے کہ

Marfat.com

تو عیش و عشرت میں اپنا قیمتی وقت ضائع کر دے اور مادہ پرست بن جائے نہ یہ دنیا رزم گاہ ہے کہ تو یہاں فساد برپا کر دے۔ ظلم ڈھائے اور اللہ کی زمین پر خود خدا بن جائے۔ یاد رکھ اے انسان! یہ دنیا صرف اور صرف ایک امتحان گاہ ہے۔ مَیں نے تجھے جو ایمانی قوتیں، قلبی صلاحیتیں، اور ذہنی فہم و ادراک دیا ہے۔ ان سب کو بروئے کار لا۔ اور تیرے ہاتھوں میں زندگی کا جو پرچہ دیا ہے اسے حل کر۔ یاد رکھ اے انسان۔ امتحان گاہ ایک بہت بڑی آزمائش کی جگہ ہوتی ہے۔ جہاں نگران اعلیٰ مَیں خود ہوں۔ کتاب انسانیت (قرآن) سے جو کچھ تُو نے سیکھا۔ معلم انسانیت ﷺ نے جو کچھ تجھے سکھایا۔ زندگی کے پرچے پر اسے لکھ دے ادھر ادھر نہ جھانک۔ اندر کے انسان کو زندہ رکھ۔ وہ مر گیا تو تیری تحریر غلط ہو جائے گی ہم نے تجھے راستہ دکھا دیا ہے۔ کتاب پڑھا دی ہے۔ اب شاکر بن یا کافر -- یہ تیری اپنی مرضی ہے۔ ہم تیرے راستے میں رکاوٹ نہیں بنیں گے۔ تُو جدھر چاہے گا تجھے چلائیں گے۔ لیکن یاد رکھ -- جب امتحان کا وقت ختم ہو گیا تو پرچہ تیرے ہاتھ سے لے لیا جائے گا۔ اس دنیا میں نتیجہ نہیں نکلے گا۔ نتیجہ سنانے کے لئے ہم نے آخرت کا دن مختص کیا ہوا ہے۔ جہاں نتیجہ نامہ یا تو تیرے دائیں ہاتھ میں دے دیا جائے گا، یا پیچھے سے تیرے بائیں ہاتھ میں تھما دیا جائے گا۔ زندگی کا یہ پرچہ پوری استطاعت کے ساتھ صحیح صحیح حل کر۔ تاکہ روز جزا نتیجہ نامہ تیرے دائیں ہاتھ میں دے دیا جائے اور تجھے پوری عزت و تکریم کے ساتھ نعمتوں بھری جنت میں بھیج دیا جائے۔ اگر زندگی کا یہ پرچہ صحیح صحیح حل نہ ہوا تو یاد رکھ میری پکڑ بڑی سخت ہے۔ وہاں مہلت نہیں ملے گی اس امتحان گاہ میں توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہے۔ باز آ جا اے انسان! مَیں نے تجھے سب سے زیادہ عزت و تکریم بخشی ہے۔ اپنی نہایت برگزیدہ اور پاکیزہ نوری مخلوق کو تیرے سامنے جھکا دیا۔ اے خاک کے پتلے اس خاکی وجود پر نہ جا۔ اس وجودِ روحانی کی قدر کر جسے مَیں نے تیرے اس خاکی وجود میں داخل کیا تھا۔ اس

Marfat.com

روح ملکوتی سے ہی تیری توقیر ہوئی تھی اس وقت میں نے اپنی معصوم مخلوق کو حکم دیا کہ اس آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو جا--

اے انسان سوچ ذرا--! کیا یہ میری ناشکری اور نافرمانی نہیں کہ جس ابلیس نے تیری عزت کرنے سے روز اول ہی انکار کر دیا تھا اور آج تو اسی کی بات مانے؟ وہ تجھے بے عزت کرے دھوکا دے، تیرے ساتھ منافقت کرے اور درپردہ تیرا بُرا بھی چاہے-- اور اس کے برعکس میں تیری عزت کرواؤں۔ تیرے سر پر تکریم کا تاج سجاؤں۔ تجھ پر اپنی رحمتیں بھیجوں اور تُو پھر بھی مجھ سے دور بھاگے؟-- آ سن!! تجھے ابلیس کی حقیقت بتاؤں۔ اس نے تجھے کیا سمجھا اور میں نے تجھے کیا بنایا۔

قَالَ یٰاِبْلِیْسُ مَالَكَ اَلاَّ تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ○ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔

"پوچھا-- اے ابلیس کیا وجہ ہے کہ تُو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا؟ بولا میں گوارا نہیں کرتا کہ سجدہ کروں اس بشر کو جسے تُو نے بجنے والی مٹی سے پیدا کیا جو پہلے سیاہ بدبودار تھی۔"

بات واضح ہو گئی نا-- کہ ابلیس کے سامنے تیری حقیقت وہ وجودِ حیوانی تھا جس کی تخلیق گارے سے ہوئی تھی وہ سوچتا تھا کہ بدبودار گارے سے ایک بشر بنا دیا اور مجھے سجدہ کرنے کے لئے کہا گیا۔ حالانکہ میری تخلیق آگ کی لو سے ہوئی جو اس گلی سڑی مٹی سے بدرجہا بہتر ہے۔ "وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ" کا سِرِّ نہاں اس سے اوجھل رہا۔

اے انسان! آج بھی اگر تُو یہی تصور کرے کہ میرا تو صرف وجود حیوانی ہے تو یہ تیری جہالت ہو گی۔ اس طرح تو تُو مطلقاً حیوان بن کر رہ جائے گا۔ اور تیری ساری سوچ بھی حیوانی سطح پر آ جائے گی۔ اور یہی تیری سب سے بڑی بھول ہو گی کہ تُو اپنے روحانی وجود کی طرف سے توجہ ہٹا بیٹھا اور یہی سمجھ بیٹھا کہ "میں ہوں" جن لوگوں نے ایسا

Marfat.com

سمجھا وہ ابلیس کی طرح مجھ سے دور ہو گئے اور اپنی عظمت کو بھی بھول گئے۔"

قارئین-- حقیقت یہی ہے-- اپنے ارد گرد نگاہ دوڑائیں یہ اسی کا نتیجہ ہے جو آج دنیا میں نظر آ رہا ہے۔ یہی حیوانیت، بہیمیت، شیطنت، اور درندگی ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اس فلسفے کا یہ منطقی نتیجہ ہے کہ اس میں روح انسانی کو اپنے ذہن سے اوجھل کیا گیا۔ اللہ کو بھلایا تو دہریت آئی۔ صرف وجود حیوانی پر نظر جم گئی اور یہ سمجھ لیا کہ یہ تو محض ایک ارتقائیافتہ حیوان ہے اور بس۔ انسان صرف حیوان بن کر رہ گیا۔ یہی اس دور کا اصل المیہ ہے اگر ہم اپنی حقیقت بھول جائیں گے تو پلے کچھ بھی نہ رہے گا۔

حضور نبی رحمت ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنِیْ حَقِیْقَۃَ الْاَشْیَآءِ کَمَا ھِیَ۔ "اے اللہ تو مجھے اشیاء کی حقیقت دکھا جیسے کہ وہ (فی الحقیقت) ہیں۔"

یہ ظاہری وجود تو سب کو نظر آ رہا ہے۔ اندر کے انسان کو ڈھونڈو۔ سب کچھ مل جائے گا۔

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب　　　آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

ڈارون نے کہا یہ کائنات ایک رزم گاہ ہے۔ یہاں جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا اصول چلتا ہے۔ اس کھینچا تانی میں جو طاقتور ہے وہ زندہ ہے۔ کمزور کو تو فنا ہونا ہے۔ انسان کو یہ سبق دیا گیا کہ تُو تو جانوروں میں سے بس ایک جانور ہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ آج انسان زندگی کے اصولوں کو حیوانات کی زندگی میں تلاش کر رہا ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ کئی مسلمان بھی ڈارون اور ہربرٹ سپنسر کے نظریہ ارتقاء پہ یقین رکھتے ہیں۔ اور قرآنی آیات کی تاویلیں اپنی مرضی سے کر کے جواز کی راہیں نکالتے ہیں، ڈارون تو غیر مسلم تھا اسے تو یہ نظریہ گوارا ہو گا لیکن حیف ہے ان مسلمانوں پہ جو ایک غیر مسلم کے نظریئے کو سچا سمجھ کر قرآن کے تخلیقی عمل کی نفی کرتے ہیں۔ یا اپنی

Marfat.com

مرضی ہے اس کی تاویل کر کے ایک غیر مسلم کے نظریئے کو فوقیت دینے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ نظریہ پہلے بھی ایک نظریہ تھا اور اب بھی فقط ایک نظریہ ہی ہے۔ نہ کہ حقیقت۔ کتنی ناسمجھی کی بات ہے کہ اس نظریئے کو پیش کرنے والے تو اسے ایک نظریہ ہی کہتے ہیں لیکن آج اس کے قائلین اسے حقیقت سمجھ کر یقین کر بیٹھے ہیں۔

انسانوں میں عوام الناس کے علاوہ انبیاء کی مقدس اور برگزیدہ جماعت بھی شامل ہے اب بتایئے ہم انبیاء علیہم السلام کا جد امجد کس کو ٹھہرائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو۔۔۔؟

یا ڈاروِن کے نظریئے کے مطابق۔۔۔کو؟ معاذ اللہ!

اب آگے سنئے۔۔۔جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کا جواب سنا تو فرمایا۔

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۙ☆ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

(اے بے ادب) نکل جا یہاں سے کہ تو مردود ہے اور بلاشبہ تجھ پر قیامت تک لعنت ہے۔" ظاہر ہے کہ ایسی سوچ رکھنے والوں کی ایسی ہی سزا ہونی چاہئے۔ کہ وہ بارگاہ الٰہی سے دور کر دیئے جائیں۔ جب ابلیس نے اللہ کی بارگاہ سے یہ حکم سنا تو بولا۔

رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ☆ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ☆ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ

اے میرے رب۔ پھر مہلت دے مجھے اس دن تک جب (مرے ہوئے) اٹھائے جائیں گے۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا۔ (ٹھیک ہے) تو ان میں سے ہے جنہیں اس وقت معلوم کے دن تک مہلت دی گئی ہے۔"

Marfat.com

ابلیس کو قیامت تک مہلت دے دی گئی۔ یہی انسان کے لئے آزمائش بن گیا اور جانی دشمن بھی۔ جس بشر کی وجہ سے وہ راندۂ درگاہ ہوا اسی کے در پے ہو گیا۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ☆ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ☆

"(ابلیس) بولا۔ اے رب۔ اس وجہ سے کہ تُو نے مجھے بھٹکا دیا۔
مَیں زمین میں ان کے لئے (برے کاموں کو) ضرور خوش نما بنا
دوں گا اور مَیں ان سب کو (آدم کی سب اولاد کو) ضرور گمراہ
کروں گا۔ مگر ان میں سے جو تیرے مخلص بندے ہوں گے۔
(ان پر میرا داؤ نہیں چلے گا)۔"

ابلیس کو اس بات کا علم تھا کہ یہ بشر اکیلا ہی نہیں رہے گا۔ اس کی اولاد بھی ہو گی کیونکہ یہ زمین پر خلیفہ ہو گا اور اللہ کے قانون کو جاری کرے گا۔ اب جب یہ بشر پیدا ہو گیا تو ابلیس نے اس کے وجودِ حیوانی ہی کو اس کی اصلیت سمجھا۔ اس کے مقابلے میں اپنے تخلیقی مادے کو برتر جانا تو متکبر بن گیا۔ اللہ کے حکم کو سمجھنے کی بجائے اپنی انا کو سامنے رکھا بارگاہِ الٰہی سے نکال دیا گیا۔ انتقاماً بولا۔ جس (آدم) کی وجہ سے مَیں بھٹکا اور گمراہ ہوا ہوں اس کی اولاد کو بھی اسی طرح گمراہ کروں گا۔ لیکن تیرے مخلص بندوں پر میرا داؤ نہیں چلے گا۔ لیکن---

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ☆ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ☆

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا یہ سیدھا راستہ ہے جو میری طرف آتا ہے۔
(میری اطاعت کا راستہ جو خلوص جیسی صفت رکھنے والے بندے
اختیار کرتے ہیں) بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں

Marfat.com

چلتا۔ مگر جو گمراہوں میں سے تیری پیروی کرتے ہیں۔"

اب اللہ کے مخلصین بندے کون ہیں--؟انبیاء ورسل اور اولیاء کرام جن کی نظر اپنے وجودِ روحانی کی طرف ہوتی ہے۔وہ ظاہر سے زیادہ باطن کو دیکھتے ہیں۔انسان کا اصل،اس کا باطن ہے۔جب یہ درست ہو جائے تو ظاہری افعال خود بخود درست ہو جاتے ہیں۔اے انسان! تیرے اندر بھی ایک انسان ہے۔اس کی طرف نظر رکھ یہ تیرا وجودِ حیوانی تو تیرا ساتھ چھوڑ جائے گا،جسے تو بڑا سنوارتا رہتا ہے،کبھی اپنے اندر بھی دیکھا؟اس گہرے کنویں میں بھی جھانکا؟کبھی اسے آواز دی؟کبھی اس کی صدائے بازگشت سنی؟اپنے اندر جھانک تجھے اپنی حقیقت نظر آجائے گی۔انسانوں کی طرح دیکھنا سیکھ۔انسانوں کی طرح سننا سیکھ۔اس حیوانیت سے نکل-- یہ تیرا سانس کیا ہے؟کبھی سوچا؟--یہی نہ سمجھ کر آکسیجن اندر جارہی ہے اور کاربن ڈائی آکسائیڈ باہر نکل رہی ہے۔اس کے علاوہ بھی یہ کچھ ہے،یہ کسی کا پیغام ہے تیرے اس خاکی وجود کے اندر ایک جلوہ ہے--جلوۂ ربانی۔

ہم اشیاء کی عظمت میں تو کھو جاتے ہیں۔لیکن اس کے خالق کی عظمت کو بھول جاتے ہیں۔اشیاء کی ظاہری صورت سے مانوس ہو جاتے ہیں لیکن اس کی حقیقت سے چشم پوشی کر جاتے ہیں۔یہی ہماری بھول ہے۔

پتے کی بات تو یہ ہے کہ ہم یہ نہ سوچیں کہ ہم کیسے پیدا ہوئے؟ارتقائی منازل کیا تھیں؟بلکہ ہمیں تو یہ سوچنا چاہئے کہ ہمیں پیدا کیوں کیا گیا؟

---ہماری تخلیق کا مقصد کیا ہے؟

آیئے---ذرا دیکھیں ہماری تخلیق کا مقصد کیا ہے؟

Marfat.com

اپنی پہچان ہو گئی---؟

تُو موجود ہے نا اپنے روحانی وجود کے ساتھ ...... تیرا خالق بھی موجود ہے۔ جو ازل سے ہے اور ابد تک ہے۔ اور تُو اس کی حسین و جمیل مخلوق ہے۔ بس اپنے روحانی وجود کا خیال رکھ۔ اندر کا انسان درست ہو گیا تو---تُو بھی درست ہو جائے گا۔

تیرا سفر شروع ہونے والا ہے---

تجھے اس سفر پر کیوں روانہ کیا جا رہا ہے؟

اس کا کوئی مقصد تو ہو گا---!

آ---مَیں بتاؤں---رازداری سے۔ پہلے بھی اشارہ کیا تھا۔ دراصل تیرا خالق تجھے آزمانا چاہتا ہے۔ تیری پرکھ کرنا چاہتا ہے۔ کہ آیا تُو اپنے خالق کا بندہ ہے یا اپنے ازلی دشمن کا ساتھی---!

دیکھ گھبرانا نہیں۔ گو یہ سفر بڑا کٹھن ہے۔ اور یہ صراط مستقیم دراصل ایک دشوار گزار گھاٹی ہے جو بلندی کی طرف جاتی ہے جہاں تیری منزل ہے۔ لیکن دائیں بائیں بہت سے ٹیڑھے راستے بھی ہیں جو شیطان کے چور دروازے ہیں جو نیچے کی طرف جاتے ہیں...... اوپر جانا مشقت کا کام ہے، جہاں کامیابی ہے۔ لیکن نیچے اترنا آسان ہے مگر وہاں ذلت و گمراہی اور ناکامی ہے۔ تجھے یہاں جدوجہد کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اس لئے مجاہد بن--تو نیچے گرنے کے لئے نہیں آیا۔

یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ جہاں تُو زندگی کا پرچہ حل کر رہا ہے۔ وقت مقرر ہے ضائع نہ کر---اضافی وقت نہیں ملے گا۔

تیرا خالق بڑا رحیم و کریم ہے۔ وہ اس راہ کی آسانیاں خود پیدا کر دیتا ہے۔ لاتعداد نعمتیں، اس نے تیرے لئے پیدا کر رکھی ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھا۔

آ---مَیں تجھے بتاؤں، تجھے اس سفر پر کیوں روانہ کیا جا رہا ہے---!

Marfat.com

باب 2

تخلیقِ انسان کا مقصد

---تجھے صاحبِ وجود کیوں بنایا گیا؟---

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلاَّ لِيَعْبُدُوْنِ (الذّٰریٰت:۵۶)

"اور میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے"

قُلْ اِنَّ صَلاَتِیْ وَنُسُکِیْ وَ مَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لاَ شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (الانعام:۱۶۳۔۱۶۴)

"اے محمد (ﷺ) آپ ﷺ کہہ دیجئے۔ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور موت سب اللہ کے لئے ہیں۔ جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔"

Marfat.com

انسان کے لئے خالق کی نعمتیں

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق سے پہلے کائنات کی تخلیق فرمائی۔ جس وسیع و عریض زمین پر انسان کو اپنا خلیفہ بنانا تھا اسے جمادات ونباتات اور حیوانات سے رونق بخشی۔ آسمانِ دُنیا کو ستاروں سے مزین فرمایا۔ روشنی اور حرارت کے لئے سورج اور چاند بنائے۔ زندگی کی نشوونما کے لئے ہوا، پانی اور خوردونوش کے لئے طرح طرح کے کھانے بنائے اور ایسے تمام ذرائع پہلے ہی سے موجود کردیے جن کی انسان کو ضرورت تھی۔ تاکہ انسان اپنے خالق سے یہ شکوہ نہ کرسکے کہ اے رب العزت! مجھے تخلیق تو کر دیا میں زندگی کہاں اور کیسے بسر کروں؟ پھر ان تمام ذرائع کو استعمال میں لانے کے لئے عقل جیسی نعمت سے نوازا اور ایسی خوبیاں عطا کیں جن کی وجہ سے انسان دوسرے جان داروں سے ممتاز ہوا۔ اور اشرفِ مخلوق ٹھہرا۔ قوت ادراک، فہم و فراست، بصیرت، نیکی اور بدی میں امتیاز پیدا کرنے کی صلاحیت، بدنی اور روحانی قوت، جرأت۔ حوصلہ، ولولہ اور جذبات واحساسات ایسی بے مثال خوبیوں کے ساتھ بہترین شکل و صورت بھی دی۔

آیئے ذرا اندازہ لگائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے کیا کچھ بنایا اور کس قدر نعمتوں سے نوازا۔

۱۔ وہی ہے (خالق حقیقی) جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا کہ اس سے چین پائے۔ (الاعراف:۱۸۹)

۲۔ بے شک ہم نے انسان کو اچھی صورت پر بنایا۔ (التین:۴)

۳۔ اور وہی ہے (تمہارا خالق) جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔ (المومنون:۷۸)

Marfat.com

۴۔ کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اسے کسی نے نہ دیکھا؟ کیا ہم نے اسے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے۔ (البلد: ۷۔۹)

۵۔ وہی تو ہے (تمہارا معبود) جس نے تمہارے لئے زمین کا فرش بچھایا۔ آسمان کی چھت بنائی اوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لئے رزق بہم پہنچایا۔ (پس جب تم یہ جانتے ہو) تو دوسروں کو اللہ کا مدِ مقابل نہ ٹھہراؤ۔ (البقرہ: ۲۲)

۶۔ (اے نبی ﷺ) ان سے کہو۔ کیا تم اس (خالقِ حقیقی) سے کفر کرتے ہو اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہو۔ جس نے زمین کو دو دِنوں میں بنا دیا۔ وہی تو تمام جہانوں کا رب ہے اور پھر اس نے (زمین پر) پہاڑ جما دیئے اور اس میں برکتیں رکھ دیں۔ (معدنیات اور نباتات وغیرہ) اور اس کے اندر سب مانگنے والوں کے ٹھیک اندازے کے مطابق خوراک کا سامان مہیا کر دیا۔ یہ سب کام چار دن میں ہو گئے۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت محض دھواں تھا۔ اس نے آسمان و زمین سے کہا۔ "وجود میں آجاؤ خواہ چاہو نہ چاہو۔" دونوں نے عرض کیا۔ "ہم آگئے فرمانبرداروں کی طرح۔" تب اس (خالق حقیقی) نے دو دن کے اندر سات آسمان بنا دیئے۔ اور ہر آسمان میں اس کا قانون وحی کر دیا، اور آسمانِ دنیا کو ہم نے چراغوں سے آراستہ کیا۔ اور اسے خوب محفوظ کر دیا یہ سب ایک زبردست علیم ہستی کا منصوبہ ہے۔ (حم السجدہ ۹۔۱۲)

۷۔ اللہ ہی ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے اور آسمان سے پانی اتارا تو اس سے کچھ پھل تمہارے کھانے کو پیدا کیے۔ اور تمہارے لئے کشتی کو مسخر کیا کہ اس کے حکم سے سمندر میں چلے اور تمہارے لئے نہریں مسخر کر دیں اور تمہارے لئے سورج اور چاند مسخر کر دیئے اور تمہیں بہت کچھ منہ مانگا دیا۔ اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو

Marfat.com

گے۔ بے شک انسان بڑا ظالم ناشکرا ہے۔ (ابراہیم:۳۲۔۳۴)

۸۔ (کیا یہ لوگ ہماری خلاقی کو نہیں مانتے؟) اور ہم نے زمین پر پہاڑ جما دیئے۔ تاکہ وہ انہیں لے کر ڈھلک نہ جائے۔ اور اس میں کشادہ راہیں بنادیں تاکہ لوگ اپنا راستہ معلوم کرلیں۔ اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنادیا، اور وہ لوگ (اب بھی) اس کی نشانیوں سے روگردانی کئے ہوئے ہیں اور وہی ہے (خالق حقیقی) جس نے دن اور رات کو پیدا فرمایا۔ اور شمس و قمر کو (بھی) یہ سب (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہے ہیں۔ (الانبیاء:۳۱۔۳۳)

۹۔ اور وہی ہے (تمہارا رب) جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا۔ اور اسی کی طرف سمیٹے جاؤ گے۔ (المومنون:۷۹)

۱۰۔ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ بادل اٹھاتی ہیں۔ پھر وہ ان بادلوں کو آسمان میں پھیلاتا ہے جس طرح چاہتا ہے اور انہیں ٹکڑیوں میں تقسیم کرتا ہے۔ پھر تو دیکھتا ہے کہ بارش کے قطرے بادل میں سے ٹپکے چلے آتے ہیں۔ یہ بارش جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے برساتا ہے تو وہ فوراً خوش و خرم ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اس کے نزول سے پہلے وہ مایوس ہو رہے تھے۔ (الروم:۴۸۔۴۹)

۱۱۔ کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر اس سے زمین میں چشمے بنائے۔ (الزمر:۲۱)

۱۲۔ اور پانی کے دونوں ذخیرے (دریا اور سمندر) یکساں نہیں ہیں۔ ایک میٹھا اور پیاس بجھانے والا پینے میں خوشگوار۔ اور دوسرا سخت کھاری کہ حلق چھیل دے۔ مگر دونوں سے تم تر و تازہ گوشت حاصل کرتے ہو۔ (آبی جانور مچھلی وغیرہ) پہننے کے لئے زینت کا سامان نکالتے ہو۔ (موتی ہیرے اور دریاؤں سے سونا) اور اسی پانی میں تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں اس کا سینہ چیرتی ہوئی چلی جارہی ہیں۔ تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور

Marfat.com

اس کے شکر گزار بنو۔ (فاطر:۱۲)

۱۳۔ (اے انسان ذرا غور کر) دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا اللہ ہے۔ وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے۔ اور وہی مردہ کو زندہ سے خارج کرتا ہے۔ یہ سارے کام کرنے والا تو اللہ ہے۔ پھر تم کدھر بہکے چلے جا رہے ہو؟ (اللہ کے احسانات تو دیکھو) وہی تو ہے جو پردۂ شب کو چاک کر کے صبح کرتا ہے۔ اسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا۔ اسی نے چاند اور سورج کے طلوع و غروب کا حساب مقرر کیا ہے یہ سب اسی زبردست قدرت اور علم رکھنے والے کے ٹھہرائے ہوئے اندازے ہیں۔ اور وہی (تمہارا خالق) ہے جس نے تمہارے لئے تاروں کو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا۔ دیکھو ہم نے (اپنی قدرت کی) نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔ (الانعام:۹۵۔۹۷)

۱۴۔ کیا یہ لوگ (اللہ کی نعمتوں کو) دیکھتے نہیں کہ ہم نے اپنے ہاتھوں کی بنائی چیزوں میں سے ان کے لئے مویشی پیدا کئے اور اب یہ ان کے مالک ہیں۔ ہم نے ان (مویشیوں) کو اس طرح ان (لوگوں) کے بس میں کر دیا ہے کہ ان میں سے کسی پر یہ سوار ہوتے ہیں، کسی کا گوشت کھاتے ہیں اور ان (مویشیوں) کے اندر ان کے لئے طرح طرح کے فائدے اور مشروبات ہیں (دودھ وغیرہ)۔ پھر کیا یہ شکر گزار نہیں بنتے؟ (یٰس:۷۱۔۷۳)

۱۵۔ اور بے شک تمہارے لئے مویشیوں میں عبرت ہے۔ دیکھو ہم تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں، جسے ہم ان کے شکموں میں گوبر اور خون کے درمیان سے نکالتے ہیں۔ یہ (دودھ) پینے والوں کے لئے بہت خوش ذائقہ ہے۔ (النحل:۶۶)

۱۶۔ اور (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں کی شاخوں میں۔ پھر ہر قسم کے پھلوں میں

Marfat.com

سے رس چوس اور اپنے رب کی راہیں چل کہ تیرے لئے آسان ہیں۔ ان کے شکموں سے ایک پینے کی چیز (شہد) مختلف رنگوں میں نکلتی ہے۔ جس میں لوگوں کے لئے شفا ہے بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے ایک نشانی ہے۔ (النحل: ۶۸۔۶۹)

۱۷۔ اور (سنو) اللہ نے تمہیں گھر دیئے بسنے کو اور تمہارے لئے چوپایوں کی کھالوں سے کچھ گھر بنائے ہیں۔ (یعنی خیمے) جو تمہیں ہلکے پڑتے ہیں تمہارے سفر کے دن اور منزلوں پر ٹھہرنے کے دن۔ اور ان کی صوف اور اون اور بالوں سے کچھ گھریلو سامان۔ اور برتنے کی چیزیں (بنائیں) ایک وقت تک۔ اور اللہ نے اپنی بنائی ہوئی چیزوں سے تمہیں سائے دیئے۔ (جہاں تم آرام کرتے ہو) اور تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں اور تمہارے لئے کچھ لباس بنائے کہ تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور کچھ آہنی پہناوے کہ لڑائی میں تمہاری حفاظت کرتے ہیں۔ یونہی (اللہ) تم پر اپنی نعمت پوری کرتا ہے۔ تاکہ تم سر تسلیم خم کردو۔ (النحل: ۸۰۔۸۱)

۱۸۔ اور ہم نے (انسان کے لئے) لوہا اتارا۔ اس میں بڑی قوت ہے۔ اور لوگوں کے لئے فائدے۔ (الحدید: ۲۵)

۱۹۔ اور بے شک ہم نے اولاد آدم کو عزت دی۔ اور ان کو خشکی اور تری میں سوار کیا اور ان کو صاف ستھری چیزوں میں سے رزق دیا اور ان کو بہت سی مخلوق سے افضل کیا۔ (بنی اسرائیل: ۷۰)

۲۰۔ (وہ اللہ) جس نے قلم سے لکھنا سکھایا۔ آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا۔ (العلق: ۴۔۵)

۲۱۔ اور (اے لوگو) تمہارے پاس جو نعمت بھی ہے۔ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی طرف پناہ لیتے ہو۔ (النحل: ۵۳)

۲۲۔ وہ (اللہ ہی تمہارا معبود ہے) جو لاچار و بے قرار (انسان) کی سنتا ہے۔ جب

Marfat.com

اسے پکارے اور دور کر دیتا ہے برائی۔ اور تمہیں (اے انسان) زمین کا وارث بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ تم بہت ہی کم دھیان کرتے ہو۔ (النحل:۶۲)

۲۳۔ اور (یاد کرو اس شرف کو) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم (انسان اول) کو سجدہ کرو۔ تو سب نے سجدہ کیا۔ سوائے ابلیس کے۔ انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔ (البقرہ:۳۴)

۲۴۔ (اے انسان) بیشک ہم نے تمہیں زمین میں سکونت دی اور تمہارے لئے اس میں زندگی کے اسباب بنائے۔ (ذرائع معاش پیدا کر دیئے) لیکن تم بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو۔ (الاعراف:۱۰)

۲۵۔ (اے انسان ذرا اپنے رب کے احسانات تو دیکھ) اس نے اپنے حکم سے زمین اور آسمانوں کی تمام چیزیں تمہارے لئے مسخر کر دیں اس میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔ (الجاثیہ:۱۳)

۲۶۔ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو انہیں (ہرگز) شمار نہ کر سکو گے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (النحل:۱۸)

ان آیات بینات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری کائنات صرف انسان کے لئے پیدا کی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ---

---انسان کو کس لئے پیدا کیا گیا---؟

اس سوال کا جواب ہم نے جب خالق ہی سے پوچھا تو جواب ملا۔ اے انسان سن!

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلاَّ لِيَعْبُدُوْنِ۔ (الذریات:۵۶)

"میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا۔"

مزید فرمایا---!

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلاَّ نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اَنَا

Marfat.com

فَاعْبُدُوْنِ۔ (الانبیاء:۲۵)

''اور ہم نے آپ ﷺ سے پہلے کوئی رسول نہ بھیجا مگر یہ کہ ہم نے اس کی طرف وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، تو میری ہی عبادت کرو۔''

تاکیدِ مزید کے لئے ارشاد ہوا۔

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلاَّ تَعْبُدُوْٓا اِلآَّ اِیَّاہُ۔ (بنی اسرائیل:۲۳)

''اور آپ ﷺ کے رب نے فیصلہ فرمادیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔''

متنبہ فرمایا---

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ۔ (النحل:۳۶)

''یہ کہ بندگی کرو اللہ کی اور دور رہو طاغوت سے۔''

یہ بات تو مصدقہ ہو چکی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف اور صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے لیکن یہاں ایک سوال اور پیدا ہو رہا ہے۔ وہ یہ کہ---

عبادت ہے کیا---؟

اس کا مفہوم کیا ہے---؟ اس کا دائرہ کہاں تک وسیع ہے---؟ آیئے دیکھتے ہیں کہ عبادت کیا ہے۔

عبادت کا مفہوم

ا۔ مراسم عبودیت: قیام، رکوع اور سجود کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی تسبیح بیان کرتے ہوئے جھک جانا۔

ب۔ اطاعت کرنا: اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق بلاچون وچرا اس کے احکامات کو بجالانا۔

ج۔ بندگی اور غلامی کرنا: خالص اللہ تعالیٰ کا اس طریقے سے بندہ بن جانا کہ مالک حقیقی

Marfat.com

کی اطاعت اور فرمانبرداری کے سوا اسے کسی دوسرے کی بندگی کی حاجت نہ رہے۔

اسلام میں عبادت کا مفہوم اتنا وسیع ہے کہ ایسی وسعت اور کسی مذہب میں نہیں ملتی کیونکہ اسلام میں عبادت صرف پوجا پاٹ ہی نہیں کہ دوسرے مذاہب کی طرح ایک تصور کو سامنے رکھ کر رکوع و سجود میں مصروف ہو جانا اور معبود کو انسانی اوصاف کا پیکر سمجھ کر اس کے سامنے اس طرح ہاتھ جوڑ دینا یا خوشامد کرنا کہ وہ خوش ہو کر مشکلات حل کر دے یہ عبادت کا مشرکانہ اور جاہلانہ تصور ہے اور نہ ہی اسلام میں عبادت کے کسی ایسے تصور کی گنجائش ہے کہ انسان دنیا کی زندگی سے الگ تھلگ ہو کر ایک کونے میں بیٹھ کر یا ویرانوں اور جنگلوں میں جا کر اللہ کو یاد کرے۔ دنیاوی ذمہ داریوں سے کنی کترا کر نفس کشی اور ریاضت و مجاہدات سے اپنی روحانی ترقی کے لئے کوشاں رہنا، راہبانہ تصورِ عبادت ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

اسلامی عبادت کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ انسان صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے۔ اور بندہ بھی ایسا کہ جو بلا چون وچرا اسی کے احکامات کو بجالائے اور ایسی فرمانبرداری کرے کہ اسے کسی دوسرے کی بندگی کی ضرورت نہ رہے۔ ہم نے عبادت کے مفہوم کو محدود کر رکھا ہے کہ عبادت صرف نماز روزہ حج اور زکوۃ میں ہے۔ حالانکہ یہ عبادتیں تو انسان کو اس بڑی عبادت کے لئے تیار کرتی ہیں جس کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے مثلاً نماز ہے۔ یہ فرض کی گئی ہے کہ اسے پانچ اوقات میں ادا کرو۔ سمجھنے کی بات تو یہ ہے کہ نماز ہے کیا---؟

"پانچ وقت اس بات کا اعادہ کرنا کہ میرا اللہ ایک ہے۔ وہی میرا رب ہے۔ میں ایک رسول کا امتی ہوں۔ میری راہنمائی کے لئے ایک کتاب ہے۔ جس میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اپنے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں۔ پھر مجھے ایک دن اپنے اللہ

Marfat.com

کے دربار انصاف میں حاضر بھی ہونا ہے اور اپنے اعمال کا جواب بھی دینا ہے۔"

نماز میں بندہ اپنے مالک حقیقی کے روبرو دست بستہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ...... بندہ اپنے مالک کی تعریف کرتا ہے اس کی بڑائی اور بزرگی بیان کرتا ہے۔ اور اس کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے۔ پھر وہ کہتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ...... میرا مالک تو سب جہانوں کا رب ہے۔ رحیم و کریم ہے۔ انصاف کے دن کا بھی مالک ہے، اس کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ دل میں خوف پیدا ہوتا ہے تو بندہ کہتا ہے "اے میرے مالک۔ فقط میں ہی نہیں سب تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہم بڑے گنہگار ہیں۔ اس لئے ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ وہی راستہ جس پر تیرے انبیاء سچے لوگ، تیری راہ میں شہید ہونے والے اور تیرے فرمانبردار لوگ چلتے ہیں۔ اے اللہ وہ راہ نہ دکھا جو ایسے لوگوں کی راہ ہے جن پر تُو ناراض ہوا ہے اور تیرا غضب ہوا ہے۔ پھر بندہ اس کتاب میں سے کچھ آیتیں پڑھتا ہے جو بنی نوع انسان کی راہنمائی کے لئے نازل کی گئی ہے۔ جس میں ہدایت ہی ہدایت ہے۔ مثلاً بندہ پڑھتا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۞ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ---

"بربادی ہے ہر اس شخص کے لئے جو دوسروں کی عیب چینی کرتا ہے، غیبت کرتا ہے۔ جو مال و دولت جمع کرتا ہے، اور (روزانہ) اسے گنتا رہتا ہے۔ (وہ مال و دولت کی حرص میں اندھا ہو گیا ہے) وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کا ساتھ دے گا؟ ہرگز نہیں۔ (ایک دن آنے والا ہے) جب وہ حطمہ میں ڈالا جائے گا اور تجھے کیا خبر حطمہ کیا ہے؟ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جس کے شعلے دلوں تک چڑھ جائیں گے۔ وہ اونچے اونچے ستونوں کی صورت میں انہیں گھیر لے گی۔"

جب بندہ یہ سورت پڑھے گا تو اس کے دل میں یہ احساس پیدا ہو گا کہ مجھے تو عیب

Marfat.com

لگانے غیبت کرنے دوسروں کو برا بھلا کہنے سے بچنا چاہئے۔ اور ہاں مجھے صرف اس لئے تخلیق نہیں کیا گیا کہ بس ہر جائز اور ناجائز طریقے سے مال و دولت جمع کرتا رہوں۔ یہ مال و دولت ایک دن میری ہی ہلاکت کا باعث بنے گا۔ اس طرح اسے دوزخ کی ہولناکی کا احساس ہوگا، اس کے دل میں اللہ کی ناراضی کا خوف پیدا ہوگا۔ اور یہی، خوف ہی تو ہے جو انسان کو ہر گناہ سے بچالیتا ہے۔ یہ تو ایک مثال ہے۔ قرآن کی ۶۶۶۶ آیات میں سے اگر حالت نماز میں باری باری روزانہ تکرار کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان کے اندر تقویٰ پیدا نہ ہو۔ اور انسان برائیوں سے نہ رک جائے۔ کیونکہ قرآن تو اعلان کر رہا ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (العنکبوت:۴۵)

"یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔"

اس کے بعد بندہ رکوع کرتا ہے اور کہتا ہے، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ۔ "پاک ہے میرا رب جو بڑا عظیم ہے۔" اپنے رب کی عظمت بندے کے دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ وہ خود جھک کر اللہ کی عظمت کا اعتراف کرتا ہے۔ اس کے بعد بندہ کھڑا ہو جاتا ہے اس یقین کے ساتھ کہ میرے مالک نے میری التجا سن لی ہے، جس التجا میں مالک کی تعریف کی گئی ہے اور بندہ بڑے اعتماد کے ساتھ کہتا ہے۔ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ۔ اس وقت بندے کے دل میں اپنے مالک حقیقی کی اتنی عظمت ہوتی ہے کہ وہ اپنی عاجزی اور انکسار کا اظہار کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔ "پاک ہے میرا رب جو سب سے اعلیٰ ہے۔" دراصل بندہ اس وقت اس بات کا عملی اظہار کر رہا ہوتا ہے کہ اے اللہ میری پیشانی تو فقط تیرے حضور ہی جھک سکتی ہے۔ تُو ہی عبادت کے لائق ہے-- بس انسانیت کی یہی معراج ہے۔ کہ انسان صرف اللہ تعالیٰ کے حضور ہی جھکے۔ ماسواء سے منہ موڑ لے۔ اس کے بعد بندہ بڑے ادب اور سکون سے دوزانو

Marfat.com

بیٹھ جاتا ہے۔ وہ کتنا مسرور ہے بڑے ادب سے عرض کرتا ہے۔

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّیِّبَاتُ ---اے اللہ میری سب زبانی، بدنی اور مالی عبادتیں تیرے ہی لئے ہیں۔ ہمارا سب کچھ تیرا ہی ہے۔ واقعی بندے کا اپنا کیا ہوتا ہے! وہ تو تن من دھن سب کچھ مالک پر قربان کر دینے کے لئے تیار رہتا ہے۔ جب دل میں یہ احساس پیدا ہو جائے تو مالک کی طرف سے اگر کبھی کوئی آزمائش یا امتحان آ بھی جائے تو بندہ اسے صبر و تحمل اور خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ جو کچھ آتا ہے مالک کی طرف سے آتا ہے۔ یہی تو احساس تھا جس کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نار نمرود میں بے خوف و خطر کود گئے۔ اسماعیل۔ ذبیح اللہ بن گئے۔ صبر ایوب دنیا میں مشہور ہو گیا اور رحمتہ للعلمین ﷺ نے تیرہ سال مکہ میں رہ کر کفار کی سختیاں برداشت کیں۔ معرکہ ہائے بدر و حنین، خندق و خیبر میں مجاہدین اسلام نے اپنے مالک کی رضا کے لئے کیا کچھ نہیں کیا---! اور قیامت تک یہ احساس رکھنے والے عباد الرحمٰن اپنے مالک کی رضا جوئی کے لئے جان و مال قربان کرتے رہیں گے۔

پھر بندہ کہتا ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ --- "سلام ہو آپ ﷺ پر اے نبی ﷺ! اللہ کی رحمتیں اور برکتیں آپ ﷺ پر نازل ہوں۔ سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔"

یہاں بندہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا اعتراف کرتا ہے، کہ اے اللہ! میں نبی کریم ﷺ کے احسانات کو بھولا نہیں مجھے تو وہ اپنے والدین اپنی اولاد اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ میں ان کا امتی ہوں یا اللہ۔ میں ان کی سنت کا

Marfat.com

اتباع کروں گا۔ حضور ﷺ نے ہماری خاطر کتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں! کتنی مصیبتیں جھیلی ہیں۔ ساری عمر امت کی فکر رہی۔ یااللہ مَیں اپنے محسنِ اعظم ﷺ کو کبھی ناراض نہیں ہونے دوں گا، مَیں ان کی اطاعت میں سر تسلیم خم کر چکا ہوں۔ اے اللہ مجھے حضور ﷺ کا احسان مند بنائے رکھنا---ورنہ قیامت کے دن مَیں نبی کریم ﷺ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔

"اے اللہ رحمت فرما محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ پر جس طرح تُو نے رحمت فرمائی ابراہیم اور آل ابراہیم پر۔ تُو قابل تعریف اور صاحب عظمت ہے۔"

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

آخر پر بندہ دعا کرتا ہے۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ --"اے میرے رب۔ مجھے نماز کا پابند بنا دے۔" تاکہ میں اس طرح کا اعادہ کر کے تیری تعلیمات کو یاد رکھوں۔ اور تیرے احکامات کی تعمیل کرتا رہوں اور مجھے یہ بات ہمیشہ یاد رہے کہ مَیں تیرا بندہ ہوں۔ اور تُو ہی میرا مالکِ حقیقی ہے ایسا نہ ہو کہ میں متکبر بن جاؤں یہ نماز تو مجھے عاجز ہی بنائے رکھے گی۔ اور مجھے یہ احساس دلاتی رہے گی کہ خبردار اللہ کی زمین پر خود خدا نہ بن جانا۔ صرف بندہ بن کر رہنا۔ صرف ایک اللہ کا بندہ۔ پھر تمہیں کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ کوئی غم۔ یااللہ ایسا نہ ہو کہ نماز کی ادائیگی کا یہ عمل مجھ سے چھوٹ جائے اور مَیں منکرین میں سے ہو جاؤں۔ اور ایسا کبھی نہ ہو کہ مَیں اذان کی آواز سنوں اور ڈھٹائی سے پڑا رہوں یا سستی کر جاؤں اور نافرمانوں میں شمار ہو جاؤں۔ کیونکہ تیرا ہی فرمان ہے۔ وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلاَّ عَلَی الْخٰشِعِیْنَ (البقرہ:۴۵) "اور بے شک یہ (نماز) تو ایک مشکل کام ہے۔ مگر اللہ کا خوف رکھنے والوں کے لئے مشکل نہیں۔" اس سے تو وہی پہلو تہی کرتے ہیں جو تیری اطاعت و بندگی کے لئے تیار نہیں ہیں۔ وہ تو منافق ہیں۔

Marfat.com

کیونکہ تو نے ہی منافقین کی اس عادت کو آشکارا کیا ہے۔

وَاِذَا قَامُوْآ اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى۔(النساء:۱۴۲)یعنی وہ نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو اس طرح کسمساتے ہیں، بادل نخواستہ اٹھتے ہوئے گویا ان کی جان پر بن رہی ہے --یااللہ اگر میں نماز قائم نہ کروں گا تو قرآن سے ہدایت کس طرح حاصل کروں گا۔ کیونکہ --

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۞ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ(البقرہ:۲،۳)۔

"یہ (قرآن) ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لئے ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

یااللہ صرف مجھے ہی نماز کا پابند نہ بنا "بلکہ میری اولاد کو بھی" تاکہ وہ بھی تیری فرمانبردار رہے۔ پھر بندہ دعا کرتا ہے۔ "اے ہمارے پالنے والے! مجھے، میرے والدین کو اور تمام ایمان والوں کو بخش دے۔ اس روز جب (عملوں کا) حساب ہوگا۔ "اس کے بعد بندہ اپنی نماز ختم کرتا ہے اور یہی عمل وہ دن رات میں پانچ مرتبہ دہراتا ہے---یہ ہے نماز اور اسکی افادیت۔ اگر اس احساس کے ساتھ نماز ادا کی جائے تو یقینی بات ہے کہ ہم ہر قسم کی برائیوں سے بچ سکتے ہیں۔ اسی لئے قرآن یہ بات دعوے سے کہتا ہے کہ ---"یقیناً نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔"۔

سابقہ انبیاء کی شریعتوں میں بھی نماز کو اولیت حاصل رہی ہے۔ سورہ مریم میں اللہ تعالٰی نے مختلف انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا ہے۔ اور ان کی خصوصیت یہ بیان فرمائی ہے کہ جب ان کے سامنے رحمان کی آیات سنائی جاتیں تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے اس سے اگلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا ارشاد ہوتا ہے:

Marfat.com

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا۔ (سورۂ مریم:۵۹)

"پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کی۔ پس عنقریب وہ گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں گے۔"

نماز سے غفلت کرنا، اس سے انکار کرنا اور اسے ترک کر دینا ہر امت کے زوال کا بندائی سبب بنا ہے۔ نماز تو مومن کا اللہ سے عملی رابطہ ہے۔ اگر وہ ہی ٹوٹ گیا تو انسان پنے رب سے دور ہوتا جائے گا۔ اس لئے اس امت کو اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا ہے کہ پچھلے تمام انبیاء کی امتوں کا زوال نماز ضائع کرنے سے شروع ہوا تھا۔ نماز ضائع کرنے سے قلبِ انسانی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ اور جوں جوں غفلت بڑھتی ہے نفسانی خواہشات بڑھتی جاتی ہیں۔ انسان اللہ کا بندہ بننے کی بجائے اپنے نفس کا غلام بن جاتا ہے۔ اور نفس اسے پھر جس طرح ہانکتا ہے وہ پالتو بیل کی طرح چلتا رہتا ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان کی ہر سوچ غیر اسلامی ہوتی چلی جاتی ہے، وہ قرآن کی تاویلیں اپنی خواہشات سے کرنے لگ جاتا ہے۔ اور وہ تارک الصلوٰۃ ہو کر بھی اپنے آپ کو مومن ہی سمجھتا ہے۔ یہی انسان کی کم فہمی اور بدنصیبی ہے نماز ہی تو ہے جو انسان میں ضبطِ نفس کی طاقت پیدا کرتی ہے جب نفس پر قابو نہ رہے تو پھر اعلیٰ سیرت و کردار اور انسانی خودی ایسے اوصاف پیدا نہیں ہو سکتے۔

نماز کی طرح روزہ، حج اور زکوٰۃ بھی ایسی عملی عبادتیں ہیں جو انسان کو اللہ کی یاد سے وابستہ رکھتی ہیں، مَیں یہاں اس سوال کا جواب دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں جو اکثر نماز کے مخالفین کرتے رہتے ہیں، کہ ایک شخص نماز پڑھتا ہے اور برائیاں بھی ساتھ ساتھ کرتا رہتا ہے۔ حالانکہ قرآن میں ہے کہ -- "نماز بے حیائی اور برے کاموں

Marfat.com

سے روکتی ہے۔" اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب بڑا آسان ہے، اس ضمن میں پہلی بات یہ ہے کہ ایسا شخص اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ ہے وہ اسلامی تعلیمات کی روح کو سمجھ نہیں سکا۔ اسے پتہ ہی نہیں کہ اسلام کیا ہے؟ ہمارے معاشرے کی سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ ہم اسلام کی مقصدیت سے ناآشنا ہیں، لیکن مسلمان ضرور کہلاتے ہیں۔ ایمان کی روح کو نہیں سمجھتے لیکن مومن ضرور کہلاتے ہیں۔ عبادت کے مفہوم کو نہیں سمجھتے لیکن عبادت کیے جاتے ہیں، اسی طرح نماز کی حقیقت سے بے خبر ہیں لیکن نماز پڑھے جاتے ہیں۔ جس عمل کی حقیقت ہی سے ایک شخص ناواقف ہے تو اس عمل کے کرنے سے اس کے اخلاق و کردار میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ اس کی ایک مثال حضور نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد میں موجود ہے: کم من صائم لیس له من صیامه الا الظماؤ کم من قائم لیس له من قیامه الا السحر۔ (سنن دارمی)

"کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں کہ روزے سے بھوک پیاس کے سوا ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ اور کتنے ہی راتوں کو قیام کرنے والے ایسے ہیں جنہیں اس قیام سے رت جگے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

حالانکہ قرآن میں ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (البقرہ:۱۸۳)

"تم پر روزے فرض کر دیئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے۔ تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔"

اب روزہ تو اس لیے رکھا جاتا ہے کہ انسان پرہیزگار بن جائے لیکن حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ 'کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں کہ انہیں سوائے بھوک پیاس کے کچھ

Marfat.com

حاصل نہیں ہوتا۔ یہی چیز نماز میں ہے اور دوسری عبادات میں بھی۔ نماز میں اتنی قوت ہے کہ وہ انسان کو بے حیائی اور برے کاموں سے روکے۔ یہ خصوصیت اللہ تعالیٰ نے اس عمل میں رکھی ہے۔ روزے میں یہ خصوصیت ہے کہ وہ روزہ دار کو متقی بنا دے۔ لیکن ان اعمال سے یہ فیض حاصل کرنا انسان کی اپنی استعداد پر ہے۔ کہ وہ اس خصوصیت کو کہاں تک اپناتا ہے۔ یہ استعداد تو اس وقت حاصل ہوگی جب انسان نماز اور روزے کے مقصد اور حقیقت کو سمجھے گا۔ اور بے حیائی اور برے کاموں سے روکنے کی جو قوت نماز اسے دیتی ہے اسے لینے میں وہ مخلص ہوگا۔ جن لوگوں نے نماز کو محض ایک جسمانی ورزش یا رکوع و سجود کی صورت میں جسمانی حرکت سمجھ رکھا ہے وہ بھلا بے حیائی اور برے کاموں سے کیونکر بچ سکتے ہیں! اور جو لوگ روزہ نہ توڑنے ہی کو روزہ رکھنا سمجھتے ہیں وہ بھلا متقی کیسے بن سکتے ہیں! یہ عبادت تو نہ ہوئی بلکہ یہ عمل تو سراسر اپنے آپ کو دھوکا دینے کے مترادف ہوا۔ ایسا انسان اگر جانتے بوجھتے ایسا کرتا ہے وہ اپنے آپ کو، اپنے دین، اللہ اور رسول کو دھوکا دیتا ہے اور جو شخص جہالت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے وہ گنہگار ہے۔ یہ عبادت اس کے مفاد میں نہیں بلکہ اس کی مخالفت میں جائے گی۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ تم نے علم حاصل کیوں نہیں کیا۔ دین میں سوجھ بوجھ کیوں نہ حاصل کی، حالانکہ میرے نبی کریم ﷺ نے بار بار تمہیں ہدایت کی تھی کہ تفقه فی الدین۔ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ "علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔" (ابن ماجہ)

عبادت کی روح یہ ہے کہ عبادت سے اللہ کی محبت اور اس کی ناراضی کا خوف پیدا ہو۔ اور جس عبادت میں یہ بات پیدا نہ ہو تو وہ عبادت بے روح ہے۔ جس طرح بغیر روح کے جسم بے فائدہ ہوتا ہے اسی طرح وہ عبادت بھی بے فائدہ ہو جاتی ہے۔ جب ایسی کیفیت ہو کہ عبادت بے اثر اور بے فائدہ ہو کر رہ جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ

Marfat.com

عبادت کی ادائیگی میں کوئی کمی یا نقص پیدا ہو چکا ہے یا عبادت کے لوازمات پورے نہیں ہو رہے ہے۔ جو شخص نماز پڑھ کر بھی برے کام ترک نہ کرے تو اس میں نماز کا قصور نہیں بلکہ خود اس شخص کے نفس کی خرابی ہے، اس نے کوشش ہی نہیں کہ نماز میں جو کچھ وہ پڑھتا ہے اسے سمجھے۔ طوطے کی طرح الفاظ کو رٹ لینا اور بغیر سوچے سمجھے پڑھتے رہنا اور پھر یہ شکایت کرنا کہ ان کا اثر نہیں ہوتا کتنی بڑی جہالت ہے۔ نماز پڑھنے کی وہ کیفیت جو پچھلے صفحات میں بیان کی گئی ہے اسے ذہن میں رکھئے عبادت کے مفہوم کو سمجھئے پھر عبادت کیجئے۔ انشاء اللہ کوئی شکایت پیدا نہیں ہوگی، یاد رکھئے اللہ کا کلام سچا ہے، نبی کریم ﷺ کی بات صحیح ہے۔ اپنے آپ میں خرابی ہو تو درست کیجئے میرے دوست! --- نماز تو بے حیائی اور برے کاموں سے ضرور روکتی ہے۔ اس بات میں شک کریں گے تو ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اپنے من میں ڈوب کر دیکھیں تو ہمیں سب کچھ نظر آجائے گا۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم کہتے ہوئے جب ہم رکوع میں جاتے ہیں تو جسم کے ساتھ اگر دل نہیں جھکتا تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ نماز -- نماز نہیں بلکہ فقط جسم کا جھکاؤ ہے۔

عبادت کی وسعت

عبادت کے وسیع تر معانی کی تشریح ان الفاظ میں بڑی جامعیت سے بیان کی جا سکتی ہے کہ --"اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق بلا چون وچرا اس کے احکامات کو بجالانا اور خالص اللہ تعالیٰ کا اس طرح بندہ بن جانا کہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کے سوا کسی اور کی بندگی کی حاجت باقی نہ رہے۔"

اس طرح بندہ اپنے معبودِ حقیقی کی اطاعت اور رضا و خوشنودی کے لئے جو کچھ بھی کرے گا عبادت میں شمار ہوگا۔ خواہ وہ دنیا کے معاملات ہوں یا دین کے۔ مثلاً ہم خرید و

Marfat.com

فروخت کرتے ہیں بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں عزیز واقارب سے ملتے جلتے ہیں۔ ملازمت کرتے ہیں گھر بار کا کام کاج کرتے ہیں۔ سفر پر نکلتے ہیں۔ اگر یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور قوانین کے مطابق کرتے ہیں اور اسی کی رضا و خوشنودی کے لئے کرتے ہیں تو یہ سب معاملات، عبادت میں شمار کئے جائیں گے۔ کیونکہ عبادت کی روح ہے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم وہی مانتا ہے جس کے دل میں خوف الٰہی ہوگا۔ اور خوف الٰہی اسی کے دل میں ہوتا ہے جو اپنے آپ کو اللہ کا بندہ سمجھتا ہے اور اسے خوف رہتا ہے کہ کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھے جس سے اس کا آقا ناراض ہو جائے۔ مالک راضی رہے تو پھر ہی بندگی ہے۔ اس کی ایک مثال اور پیش کرتا ہوں، مثلاً ہم گفتگو کر رہے ہیں دوران گفتگو ہم جھوٹ، غیبت، گالی گلوچ اور بیہودہ گوئی سے محض اس لئے بچتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان برائیوں سے بچنے کا حکم دیا ہے تو ہماری یہ گفتگو عین عبادت ہوگی۔ دوکاندار ملاوٹ سے بچتا ہے، پورا تولتا ہے۔ مال فروخت کرتے وقت جھوٹی قسمیں نہیں کھاتا، گاہک کو دھوکا نہیں دیتا صرف اس لئے کہ اللہ نے ان باتوں کا حکم دیا ہے تو اس کی دکانداری عین عبادت ہے۔ اسی طرح حلال کی روزی کمانا، اپنے والدین اور بیوی بچوں کے حقوق پورے کرنا۔ معاشرے کے ہر فرد کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا، یتیم مسکین کی مدد کرنا، بھوکے کو کھانا کھلانا، بیمار کی عیادت کرنا اگر ان سب کاموں میں ذاتی مفاد، ریا اور نمود و نمائش کی بجائے اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر رکھا ہے تو یہ سب کام بھی عبادت میں شمار ہوں گے۔ حالانکہ یہ سب کام نہ نماز میں شامل ہیں نہ روزے نہ حج اور نہ زکوٰۃ میں یہ سب آپس کے معاملات ہیں۔ لیکن ان سب کاموں میں اگر اللہ کی رضا شامل ہے تو یہ تمام کام عبادت میں شمار ہوں گے۔ یہ ہے عبادت کی وسعت۔ بندے کی تو ساری زندگی ہی اللہ کی عبادت میں گزرتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا کھانا پینا سونا جاگنا چلنا پھرنا ہر عمل عبادت میں داخل ہو

Marfat.com

جاتا ہے --- عبادت صرف نماز، روزہ حج اور زکوٰۃ ہی کا نام نہیں۔ بلکہ عبادت کے یہ چار دروازے ہمیں بندگی کے اس وسیع و عریض شہر میں لے جاتے ہیں جہاں پورا معاشرہ رہائش پذیر ہے۔

عبادت میں خلوص

عبادت کے مفہوم اور اس کی وسعت کو سمجھنے کے بعد اس بات کو ذہن نشین کرنے کی اشد ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی قسم کے شرک کی ملاوٹ نہ ہونے پائے۔ تاکہ انسان خالصتاً اللہ کا ہو کر رہ جائے۔ وہ ماسواء کو دل سے نکال دے۔ کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے اور ایسا بڑا گناہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں کرے گا اس سے کم تر جس گناہ کو چاہے گا کسی نیکی کے بدلے مٹادے گا۔ شرک کے بارے میں ہر مسلمان کو علم ہونا چاہئے تاکہ اس سے بچا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی خالصتاً عبادت کی جائے۔

شرک کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کسی دوسرے کو بعینہٖ اس جیسا سمجھ لینا شرک کہلاتا ہے۔ یہ اس کی جامع تعریف ہے لیکن اس کی اقسام اور ان کی وضاحت اس طرح سے ہے۔

۱۔ شرک فی الذات: یہ شرک کی بدترین صورت ہے۔

(ا) یہود و نصاریٰ کے اعتقادات کہ عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

(ب) فلسفیانہ مذاہب کا طرز عمل جیسے ہندوؤں میں بت پرستی اور عقیدہ حلول وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کا وجود ذاتی ہے اور لامحدود ہے۔ اس کے برعکس مخلوق کا وجود عطائی ہے اور

Marfat.com

محدود ہے ایک محدود کو لا محدود کے مدِ مقابل ٹھہرا لینا کتنی بڑی جہالت و گمراہی ہے۔

۲۔ شرک فی الصفات: اللہ تعالیٰ کی صفات کو بعینہٖ کسی دوسرے میں سمجھ لینا شرک ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ، خالق ہے۔ اس کے مدِ مقابل کسی دوسرے کو بھی اس جیسا خالق تصور کر لینا یا اللہ تعالیٰ مستعان (مدد کرنے والا) ہے۔ اس کے مقابلے میں اس جیسا کسی دوسرے کو مدد سمجھ لینا شرک ہو گا۔ مثال کے طور پر ہم استعانت کے لئے جس طرح اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں اسی طرح کسی اور کو پکاریں یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ بھی اللہ کی طرح ہماری مدد کرتا ہے تو یہ اللہ کی صفت میں شرکت ہو گی۔ جب ہم کہتے ہیں "زید عالم ہے۔" تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ زید کے علاوہ بھی علماء ہو سکتے ہیں اور جب ہم کہتے ہیں۔ "زید ہی عالم ہے۔" تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ زید کے علاوہ اور کوئی عالم نہیں ہے، یعنی باقی سب کی نفی ہو گئی---سورہ فاتحہ میں یہ جو فرمایا۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ اس کا بھی یہی مطلب ہے۔ "اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔" یہاں بھی ماسواء کی نفی ہو گئی ہے۔ اس آیت کے دو حصے ہیں۔ جن کی مختصر سی تشریح کی جاتی ہے۔ تاکہ بات مزید واضح ہو جائے۔

ا۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں: اس میں حقیقت ہے اسباب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ کسی اور کی عبادت نہیں کی جا سکتی اور عبادت کے لئے کسی اور ہستی یا شے کو سبب نہیں بنایا جا سکتا۔

(ب) ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں: اس حصے میں حقیقت کے ساتھ مجازی اسباب بھی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اگر آپ کسی کی مالی، جسمانی یا اخلاقی مدد کرتے ہیں تو آپ اس شخص کے لئے اللہ کی طرف سے ایک سبب اور وجہ استعانت بنے ہیں۔ حقیقت اس کی یہ ہے کہ یہ مدد اللہ ہی کی طرف سے ہے نہ کہ آپ کی طرف سے۔ آپ تو اللہ تعالیٰ کی مدد کا ایک سبب اور وجہ بنے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کی مدد آپ کے ذریعے کی۔ ایسا عمل

Marfat.com

شرک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہمیں ایک دوسرے کی جائز مدد اور تعاون کا حکم دیا ہے۔ یہ شرک اس وقت ہوگا جب ہم مدد کے "سبب" کو "حقیقت" سمجھ لیں گے۔ مثلاً ڈاکٹر کی تجویز کردہ دوا کھائی تو صحت ہو گئی۔ اب اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ صرف دوائی نے صحت دی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نہیں۔ تو یہ شرک ہوگا۔ لیکن اگر عقیدہ یہ ہو کہ صحت تو اللہ کی طرف سے ملی ہے اور دوا صحت کے لئے ایک ذریعہ یا سبب بنی ہے تو یہ شرک نہیں ہوگا۔ اسی طرح ہم روزی کماتے ہیں۔ روزی کمانے کے تمام ذرائع مجازی اسباب ہیں رازق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

۳۔ شرک فی الحقوق: اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا حق یہی ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے، اور اس کے اس حق میں کسی دوسرے کو شریک نہ کیا جائے۔ مثلاً

ا۔ اطاعت -- تمام اطاعتیں اللہ کی اطاعت کے تابع ہیں۔ اس کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا اسی کی اطاعت ہے۔ اگر اللہ کا حکم ہو کہ میرے رسول کی اطاعت کرو کہ رسول ﷺ کی اطاعت میری ہی اطاعت ہے تو یہ شرک نہ ہوگا۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝

"جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اور جو نافرمانی کرے تو (اے رسول ﷺ) آپ کو ہم نے ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔" (النساء: ۸۰)

اسی طرح اولی الامر کی اطاعت بھی (اگر قرآن و سنت کے مطابق ہو) تو یہ اطاعت اولی الامر کی اطاعت نہیں ہو گی بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو گی۔ کیونکہ اولی الامر (حاکم وقت) اپنی طرف سے حکم نہیں دے گا بلکہ حکم تو اللہ ہی کا ہوگا جو ایک شخص کی وساطت سے مخلوق تک پہنچایا جاتا ہے۔ اس طرح رعایا اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرے گی نہ کہ

Marfat.com

اولی الامر کے حکم کی۔ اس طرح یہ اطاعت بھی شرک نہ ہو گی۔

(ب) محبت --- تمام محبتیں اللہ تعالیٰ کی محبت کے تابع ہیں۔ اصل محبت اللہ تعالیٰ ہی سے ہو سکتی ہے۔ اور مومن کی نشانی یہ ہے کہ اس کی اللہ سے محبت بڑی شدید ہوتی ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ (البقرہ:۱۶۵) پھر وہ محبت جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (الاحزاب:۶)

"یہ نبی ﷺ۔ مومنوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے۔" نبی کریم ﷺ کا حق اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے اولیٰ ہے۔ اور مومنین حضور ﷺ کو اپنی جانوں سے بھی عزیز رکھتے ہیں، کیوں نہ ہوں کہ نبی رحمت ﷺ کے امت پر بے شمار احسانات ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔ "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُسے اُس کے والد اولاد اور سب لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔" (بخاری و مسلم)

اسی طرح اہل بیت، صحابہ کرام اور اولیائے امت سے محبت اور پھر والدین، بیوی بچوں اور عزیز و اقارب کے ساتھ ساتھ تمام مسلمان بھائیوں سے محبت و الفت اور ہمدردی کا اظہار کرنا۔ لیکن شرک اس وقت ہو گا جب ہم اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا و خوشنودی کے مقابلے میں اس جیسی محبت کسی اور سے کریں اور رضا حاصل کرنے کی کوشش کریں اور ہمیں ایسی محبت کے اختیار کرنے کا قرآن و سنت میں حکم بھی نہ ملے۔ بعض اوقات کسی شخص کی رضا اور محبت حاصل کرنے کے لئے کوئی ایسا کام کیا جائے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہو تو یہ شرک ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اس شخص کی رضا حاصل کر کے شرک کیا گیا۔ شرک کی یہ قسم عام دیکھنے میں آ رہی ہے اپنی خواہشات کے پیچھے چلنا بھی ایسا ہی شرک ہے۔ یہ محض اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کی وجہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ط (الفرقان:

Marfat.com

(۴۳) "کیا تم نے اسے دیکھا جس نے اپنے جی کی خواہش کو اپنا الٰہ (معبود) بنا لیا۔" ذرا سوچئے آج ہم کس قدر اپنی خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ایسے معبود چھوڑ دیں دل کی بستیوں سے ایسے تمام بت توڑ دیں جو ہمیں ایک الٰہ کی طرف جانے سے روکتے ہیں۔ اس لئے کسی سے محبت ہو تو صرف اللہ کی خاطر اور اگر دشمنی ہو تو صرف اللہ کی خاطر۔ مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے پوچھا ایمان کی کونسی کڑی زیادہ مضبوط ہے۔ عرض کیا۔ "اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔" فرمایا۔ "اللہ کے لئے باہم ایک دوسرے کی بدد کرنا۔ اللہ ہی کی خاطر دوستی کرنا اور اللہ ہی کی خاطر دشمنی کرنا۔"

(ج) دعا۔۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے دعا مانگنا شرک ہوگا۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ فلاں ہستی بھی میری پکار کو اسی طرح سن رہی ہے اور قبول کر رہی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے۔ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۔ (الاعراف: ۵۵) "اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے۔ یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" ہادیٔ برحق ﷺ کا ارشاد ہے۔ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ۔ "دعا عبادت کا مغز ہے۔" اور جب ہم عبادت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی کریں لیکن دعا کسی اور سے مانگیں تو یہ کہاں کا انصاف ہوگا؟ اور کتنی غلط بات ہوگی! کیونکہ دعا بھی عبادت ہی کا حصہ ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کی شرکت ظلم عظیم ہے اسی طرح دعا میں بھی کسی کی شرکت جائز اور روا نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

(البقرہ: ۱۸۶)

"اور (اے نبی ﷺ) اگر میرے بندے آپ ﷺ سے میرے بارے میں پوچھیں (تو انہیں بتا دو) میں ان کے قریب ہی ہوں۔

Marfat.com

پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارے۔"

سورۃ النمل میں دعا کی حقیقت کو کتنے جامع انداز میں سمجھایا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ۔ (آیت ۶۲)

"بھلا کون قبول کرتا ہے ایک بیقرار کی فریاد کو جب وہ اسے پکارتا ہے! اور (کون) دور کرتا ہے تکلیف کو اور (کس نے) بنایا ہے تمہیں زمین میں (اگلوں کا) خلیفہ۔ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ کے ساتھ؟ تم تو بہت کم غور و فکر کرتے ہو۔"

کسی سے دعا کرانا شرک نہیں۔ مثلاً والدین، بزرگان دین، علماء کرام اور عام مسلمان بھائیوں سے دعا کرانا ہر لحاظ سے جائز ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرام حضور نبی کریم ﷺ سے دعا کی درخواست کیا کرتے تھے۔ دعا کے ساتھ ساتھ مخلصانہ کوشش بھی جاری رکھنی چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو جائے۔ کیونکہ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى۔ "انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔" اللہ تعالیٰ کاہل اور سست آدمی کو پسند نہیں فرماتا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ الكاسب حبيب الله۔ "محنت کش اللہ کا دوست ہے۔"

(د) اخلاص ---- اللہ تعالیٰ کی بندگی اخلاص سے کی جائے۔ ذرہ برابر بھی کسی کی شرکت اخلاص کو ختم کر دیتی ہے۔ جب ہم اللہ کی رضا کی بجائے کسی اور کی رضا حاصل کریں گے تو یہ شرک ہوگا۔ مثلاً ریا یعنی دکھاوا کرنا، یہ شرک خفی ہے۔ جس میں انسان بہت جلد مبتلا ہو سکتا ہے۔ وہ نیکی جس میں ریا پائی جائے اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتی۔ اَلَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ۔ "(بربادی ہے) ان لوگوں کے لئے جو دکھاوا کرتے ہیں۔" (الماعون:۶) کیونکہ اس میں شرکت کی کثافت شامل ہو جاتی ہے۔ اور اخلاص ختم ہو جاتا

Marfat.com

ب۔ ریا میں مقصد یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والے میری اس نیکی کو سراہیں۔ تعریف کریں اور مجھے نیک سمجھیں۔ چونکہ مومن کا ہر وہ عمل جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہوتا ہے، عبادت ہے اس لئے اس عبادت میں جب کسی اور کی ذرہ برابر بھی رضا و خوشنودی مقصود ہو تو عبادت کا اخلاص ختم ہو جاتا ہے۔ عبادت میں جب خلوص نہ رہے تو وہ عبادت قبول نہیں ہوتی۔

(ر) مراسم عبودیت --- مثلاً سجدہ سوائے اللہ کے اور کسی کو نہ ہوگا کسی کے سامنے اتنا جھک جانا کہ رکوع اور سجود کی حالت ہو جائے خواہ رکوع اور سجدے کی نیت نہ ہو، جائز نہیں۔ عبادت کی ہر شکل صرف اللہ تعالیٰ کے لئے روا اور جائز ہو سکتی ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کی بندگی ہر لحاظ سے ہر قسم کے شرک سے پاک صاف ہونی چاہئے اور اس بندگی کا اطلاق زندگی کے ہر شعبے میں مکمل طور پر ہو۔ جیسا کہ پہلے وضاحت کر دی گئی ہے کہ عبادت صرف نماز روزہ حج اور زکوٰۃ ہی پر مشتمل نہیں ہے بلکہ ہر کام جو بھی ہم دن رات میں کرتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا جائے تو وہ عبادت میں شمار کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی یہی چاہتا ہے کہ اس کا بندہ پورے کا پورا اسلام میں ڈھل جائے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً۔ (البقرہ:۲۰۸)

"اے ایمان والو۔ تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔" یعنی پوری زندگی اسلام کے تحت لے آؤ۔ تمہارے نظریات، خیالات، طور طریقے معاملات، طرز زندگی سب کچھ اسلام کے تابع ہونا چاہئے۔ نہ شیطان کی پیروی کرو اور نہ نفسانی خواہشات کی۔ بلکہ پیروی صرف اور صرف سنت نبوی کی کرو۔ اس شریعت کی جو رسول کریم ﷺ لے کر مبعوث ہوئے۔

۱

Marfat.com

اللہ کے ہو جاؤ

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾

لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔(الانعام:۱۶۲۔۱۶۳)

"(اے نبی علیہ ﷺ) فرما دیجئے۔ میری نماز اور میری قربانی (تمام مراسمِ عبودیت) اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العلمین کے لئے ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سر تسلیم خم کرنے والا میں ہوں۔"

ان آیات کا دو لفظوں میں مطلب یہ ہے کہ صرف "اللہ کے ہو جاؤ۔" جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ (الزمر:۳۶)

"کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟" اور عبد کے معنی ایسا غلام ہے جو عابد ہو۔

عربی زبان میں "الٰہ" کے معنی "مستحق عبادت" کے ہیں۔ یعنی ایسی ہستی جو ہر لحاظ سے اس قابل ہو کہ اس کی بندگی کی جائے۔ اور "الٰہ" کے معانی میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ وہ لامحدود قوتوں کا مالک ہے۔ جس کی وسعتوں کا ادراک انسانی عقل سے باہر ہے۔ نیز "الٰہ" کا یہ مفہوم بھی ہے کہ وہ خود کسی کا محتاج نہ ہو بلکہ سب اس کے محتاج ہوں۔ پس واضح ہوا کہ ایسی ہستی ہی بندگی کے لائق ہو سکتی ہے۔ جب انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ میرا صرف ایک ہی الٰہ ہے ایک ہی مالک اور پالنے والا ہے۔ صرف وہی رازق اور مشکلات کو حل کرنے والا ہے وہی زندہ رکھتا ہے اور مارتا ہے اسی کے قبضہ قدرت میں ساری کائنات کا نظام ہے وہ سمیع و بصیر اور حیٌّ قیّوم ہے اور وہ سینے کے رازوں سے بھی مکمل واقف ہے-- تو انسان کو یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے۔ اسے مرکزیت مل

Marfat.com

جاتی ہے وہ اپنی تمام تر توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف کر لیتا ہے۔ ہر طرف سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ پھر کیا ہوتا ہے--؟ انسان میں انتہا درجے کی خودداری اور عزتِ نفس پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان دلیر ہو جاتا ہے وہ ہر قسم کی طاغوتی طاقتوں اور چھوٹے موٹے مصنوعی خداؤں سے بالکل نہیں ڈرتا۔ اسے توکل حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ توہمات کا شکار نہیں ہوتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ سب قوتیں میرے اللہ کی قوت کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ پر اس کا یقین کامل ہو جاتا ہے۔ شرف انسانی، عزتِ نفس، استقامت و بہادری، اطمینان قلب، وسعتِ نظری اور زہد و تقویٰ کے ساتھ ساتھ انسان کے اندر عجز و انکسار بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ عقیدہ توحید پر یقین رکھنے والا شخص متکبر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ متکبر انسان میں خوفِ الٰہی نہیں ہوتا۔ متکبر تو خود اپنے آپ کو خدا سمجھنے لگتا ہے۔ اس میں انکسار کہاں سے آئے گا۔ جب انسان یہ جان لیتا ہے کہ میرا ایک ہی اللہ ہے تو پھر وہ مایوس اور شکستہ دل نہیں رہتا۔ کیونکہ وہ ایک ایسے اللہ پر مکمل یقین اور ایمان رکھتا ہے جو زمین و آسمان کے سارے خزانوں کا مالک ہے۔ جس کا فضل و کرم بے حساب ہے۔ ایسا ایمان انسان کے دل کو غیر معمولی تسکین بخشتا ہے۔ مایوسی کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ کیونکہ مایوس انسان ہر قسم کی صلاحیتوں سے عاری ہوتا ہے۔ اس سے انسان میں جو سب سے زیادہ اچھی صفت پیدا ہو جاتی ہے وہ اللہ کے قانون کی پابندی کی عادت ہے۔ انسان مکمل طور پر رضائے الٰہی کے تابع ہو جاتا ہے۔ بندہ اپنے رب کا ہو جاتا ہے اور رب اپنے بندے کا۔

اللہ تعالیٰ نے نیکی کے ساتھ بدی کو بھی رکھا ہے تاکہ انسان کا امتحان لے کہ کون اللہ کا بندہ بنتا ہے اور کون شیطان کا!

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ۔ (الانبیاء:۳۵)

Marfat.com

"ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم خوب آزماتے ہیں
تمہیں برے اور اچھے حالات سے دوچار کر کے۔ آخر کار تمہیں
ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔"

دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ آزمائش کی جگہ ہے۔ یہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کیا جا رہا ہے۔ ہماری ایک ایک بات لکھی جا رہی ہے۔

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۞ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۞ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۞
يَعْلَمُوْنَ مَاتَفْعَلُوْنَ. (الانفطار ۹:۱۲)

"ہرگز نہیں (بلکہ حقیقت یہ ہے کہ) تم لوگ جزا اور سزا کو
جھٹلاتے ہو۔ اور حالانکہ تم پر نگران مقرر ہیں۔ معزز لکھنے
والے۔ جو کچھ تم کرتے ہو اسے جانتے ہیں۔"

ہم میں سے ہر ایک پر نہایت معزز راست باز نگران مقرر ہیں۔ جو ہمارے ہر فعل کو مِنْ و عَنْ لکھتے جا رہے ہیں، ذرہ بھر بھی فرق نہیں کرتے۔ ہم خواہ کسی کونے کھدرے میں ہوں یہ کراما کاتبین فرشتے ہمارے ساتھ ہوتے ہیں، اور ہمارا کوئی فعل بھی ان سے چھپا ہوا نہیں ہوتا۔ اس طرح ہر روز کا پورا ریکارڈ ہمارے نامہ اعمال میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ جو قیامت کے دن جب انصاف ہوگا ہو بہو ہمارے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ سورۃ کہف میں فرمایا۔ "اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تم زمین کو صاف کھلی ہوئی دیکھو گے۔ اور ہم انہیں (تمام انس و جن کو) اس طرح گھیر کر جمع کریں گے کہ (اگلوں اور پچھلوں میں سے) ایک بھی نہ چھوڑیں گے۔ اور سب تمہارے رب کے حضور صف در صف پیش کئے جائیں گے۔ (لو دیکھ لو) بیشک تم ہمارے پاس ویسے ہی آئے جیسا ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ تم لوگوں نے تو یہ

Marfat.com

سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہارے لئے کوئی وعدے کا وقت مقرر ہی نہیں کیا۔ (اور پھر کیا ہوگا) نامہ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اس وقت تم دیکھو گے کہ مجرم لوگ اپنی کتاب زندگی میں لکھی گئی تحریر سے ڈر رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہونگے --- ہائے ہماری خرابی! یہ کیسی کتاب ہے کہ ہماری کوئی چھوٹی بڑی حرکت ایسی نہیں رہی جو اس میں درج نہ کی گئی ہو۔ جو کچھ بھی انہوں نے کیا وہ سب کا سب اپنے سامنے حاضر پائیں گے۔ اور (اے رسول ﷺ) آپ ﷺ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔" (آیت: ۴۷۔۴۹)

Marfat.com

اے انسان---!

اب تو واضح ہو گیا ناکہ تجھے کیوں تخلیق کیا گیا--

عبادت کے لئے۔

ہاں ہاں---عبادت کے لئے۔

اور عبادت کیا ہے؟

یہ بھی تُو سمجھ گیا ہے۔ اور یہ عبادت صرف اور صرف خالق کی کی جائے گی۔

لیکن کیسے کی جائے گی؟

جیسے بتایا ہے تجھے تیرے ہادی برحق ﷺ نے۔ تیرے شارع علیہ السلام نے۔

تیرے رسولِ کریم ﷺ نے---

سنت کے مطابق---

محبت اور عشقِ رسول ﷺ کے ساتھ---

اور دیکھ---اس سفر میں یہی تیرا "زادِراہ" ہے۔

اسے سنبھال کر رکھنا۔

اگر یہ کھو دیا تو پھر سفر ادھورا رہ جائے گا---منزل نہیں ملے گی۔

کامیاب مسافر وہی ہوتا ہے جو "زادِراہ" کی حفاظت خود کرتا ہے۔

ورنہ سفر جاری نہیں رکھ سکتا۔ بڑے پتے کی بات ہے! اسے پلے باندھنا۔

آ--مئیں تجھے تیرا "زادِراہ" دکھادوں---!

Marfat.com

باب3

اسلام کیا ہے؟

---سلامتی کا راستہ---

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ. (آل عمران:۱۹)

''بے شک اللہ کے ہاں دین صرف اسلام ہی ہے۔''

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ☆ (آل عمران:۸۵)

''اور جو اسلام کے علاوہ کوئی (اور) دین تلاش کرے گا۔ تو وہ اس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ قیامت کو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔''

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ، وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ☆(آل عمران:۳۱)

''اے محمد (ﷺ) آپ ﷺ کہہ دیجئے۔ اگر تم اللہ سے (واقعی) محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ تب اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اور تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ غفور (اور) رحیم ہے۔''

Marfat.com

سلامتی کا راستہ

ایک ایسا راستہ جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور سلامتی کی طرف لے جانے کے لئے منتخب کیا ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَام۔ "بے شک اللہ کے نزدیک (پسندیدہ) دین صرف اسلام ہے۔" یہ وہ راستہ ہے جس پر عباد الرحمٰن چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور تمام انبیاء نے بنی نوع انسان کو اسی راستے پر چلنے کی تعلیم دی۔

وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ☆

(یونس:۲۵)

"اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے، اور جسے چاہے سیدھے راستے (اسلام) کی طرف راہنمائی فرماتا ہے۔"

باقی جتنے بھی راستے ہیں سب شیطانی ہیں اور بدی کی طرف لے جانے والے ہیں۔ اگر ہم غور کریں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ دنیا میں جتنے بھی ادیان موجود ہیں یا پہلے موجود رہے ہیں۔ ان کی نسبت یا تو کسی خاص شخص کے ساتھ ہوتی ہے یا کسی ایسی قوم کے ساتھ جس میں وہ مذہب پایا جاتا ہے۔ مثلاً بدھ مت کو لیجئے۔ اس کا بانی مہاتما بدھ تھا۔ زرتشتی مذہب جو اپنے بانی زرتشت کے نام پر ہے۔ کنفوسش جو چین میں کنفوسش نامی ایک آدمی نے شروع کیا۔ اسی طرح یہودیت اور عیسائیت وغیرہ اور یہی حال دوسرے مذاہب کا ہے، مثلاً جین مت۔ ہندو مت وغیرہ۔ یہودیت اور عیسائیت کی تعلیم تو اسلامی ہی تھی لیکن بعد میں ان کی نسبت بھی شخصیات سے ہوگئی۔ آپ کو صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ملے گا جس کو یہ انفرادیت حاصل ہے کہ اس کی نسبت کسی شخصیت کے نام یا قوم کی طرف نہیں ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ دین کسی انسان کا ایجاد کردہ نہیں ہے بلکہ سلامتی کا ایک ایسا راستہ ہے جو انسان کو کامرانی اور فلاح کی طرف لے جاتا ہے۔

Marfat.com

عربی زبان میں اسلام کے معنی اطاعت اور فرمانبرداری کے بھی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کا نام ''اسلام'' اس لئے رکھا ہے کہ یہ طریق اللہ کی اطاعت کا طریق ہے۔ اور جو انسان اس راستے پر چلتا ہے وہ ''مسلم'' کہلاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بلاچون وچرا تسلیم کرنے والا۔ اپنی مرضی کو ختم کر کے اپنے تمام ارادوں، جذبوں اور احساسات کو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے ماتحت کرنے والا۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (آل عمران:۸۵)

''اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں ہوگا۔''

اب ہم کائنات پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قانون اور ضابطے کے تحت کام کر رہی ہے۔ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران: ۸۳) ''اور کائنات میں ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حضور سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے۔'' اجرام فلکی، نباتات و جمادات، حیوانات، شجر و حجر، بحر و بر بلکہ شب و روز اور ہوا پانی بادل سب ایک قاعدے اور ضابطے کے پابند ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ جب ہم انسان کی اندرونی کائنات پر غور کرتے ہیں تو یہاں بھی ہر چیز قانونِ الٰہی کے تابع مصروفِ کار نظر آتی ہے۔ انسانی دماغ، دل، پھیپھڑے، معدہ، جگر، اعصاب و عضلات، ہاتھ پاؤں، کان، ناک آنکھیں اور زبان یہ تمام ایک ایسے طریقے پر عمل پیرا ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقرر کیا ہے۔ یعنی سب سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں اور یہ سب ''مُسلم'' ہیں۔ بلکہ انسان خود دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے۔ کل مولود یولد علی الفطرۃ بنیادی طور پر ہر شخص مسلمان ہے، لیکن جب وہ عقل اور فہم و بصیرت والا بن جاتا ہے تو مختار ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو تسلیم

Marfat.com

کرے یانہ کرے۔اسے پورا اختیار ہوتا ہے،اب جو اپنے مالک حقیقی کو پہچانتا ہے اسے اپنا الٰہ تسلیم کر کے اس کے قوانین کی اطاعت کرتا ہے وہ کامل مسلمان ہو جاتا ہے۔اس کے برعکس جو پیدا تو مسلمان ہوتا ہے لیکن جب اسے عقل اور بصیرت عطا کی جاتی ہے وہ سوچنے سمجھنے کا شعور رکھتا ہے۔ تو اپنے رب کو نہیں پہچانتا اور اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے اپنے الٰہ کی اطاعت کا منکر ہو جاتا ہے۔ایسا شخص کافر کہلاتا ہے دراصل کافر وہ ہوتا ہے جو اپنی فطرت کو چھپاتا ہے،کفر کے معنی چھپانے اور پردہ ڈالنے کے ہیں،کافر اپنی مسلمان فطرت پر اپنی نادانی کا پردہ ڈال لیتا ہے۔حالانکہ اس کا جسم اور جسم کا ہر حصہ اسلامی فطرت پر عمل پیرا ہوتا ہے۔

دین

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے بھی انبیاء کرام انسانیت کی ہدایت کے لئے تشریف لائے سب نے دین اسلام ہی کی تبلیغ فرمائی۔ سب نے لاالٰہ الا اللہ پر اپنی اپنی امت کو متحد کرنے کی مساعی جمیلہ فرمائی۔اور اس کلمے کے لئے بے شمار مشکلات برداشت کیں اور جن لوگوں نے انبیاء کی پیروی کی ان کا ساتھ دیا۔انہیں بھی دین اسلام کی خاطر زبردست طاغوتی طاقتوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو فرمایا تھا کہ تمہارا رب ایک ہے۔لیکن ان کی اولاد جب روئے زمین پر پھیلی تو رفتہ رفتہ ان میں ہر قسم کی برائیاں پیدا ہو گئیں،کچھ لوگ اپنے باپ حضرت آدم کے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر چلتے رہے۔اور جو برائیوں میں مبتلا ہو گئے وہ یہ سیدھا راستہ چھوڑ گئے اور معبود حقیقی کی عبادت کی بجائے سورج۔چاند،ستاروں،درختوں،دریاؤں پہاڑوں اور بتوں کی پوجا شروع کر دی،جس سے شرک اور بت پرستی کی بہت سی صورتیں پیدا ہو گئیں۔اولاد آدم پھیلی تو ہر قوم اور ہر قبیلے نے اپنا ایک نیا مذہب بنالیا۔رسومات کی پیروی ہونے لگی اور نیکی اور بدی کی

Marfat.com

باقاعدہ جنگ شروع ہوگئی۔

ہر نبی نے ایک ہی دین یعنی دین اسلام کی تبلیغ فرمائی کہ اللہ کو ایک مانو، اس کے رسولوں کو برحق جانو، آخرت کی جزا اور سزا پر ایمان لاؤ۔ نیز اللہ تعالیٰ کی کتابوں کو مان کر ان کے احکامات پر عمل کرو۔ اس ایمان اور عبادت کا نام دین ہے اور یہ دین تمام انبیاء کرام کی تعلیمات میں مشترک ہے --- لیکن --- شریعت بدلتی رہی۔

شریعت

شریعت میں عبادات کے طریقے۔ اصولِ معاشرت، باہمی معاملات، حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی حدود ہوتی ہیں اور یہ باتیں مختلف زمانوں اور مختلف قوموں میں وہاں کے حالات کے مطابق بدلتی رہیں، لیکن دین اسلام وہی رہا۔ آخرکار وہ وقت بھی آپہنچا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام پرانی شریعتوں کو منسوخ کر کے ایک ایسی شریعت قائم کر دی جس میں ساری دنیا کے انسانوں کے لئے عبادت کے طریقے معاشرت کے اصول، باہمی معاملات اور حلال و حرام کی حدود یکساں کر دیں اور اپنے نبی آخرالزمان محمد مصطفےٰ ﷺ کو ایک ایسا جامع قانون دے کر ساری دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا۔ جس کی دفعات قیامت تک تمام بنی نوع انسان کے لئے ہیں۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (الجاثیہ۔۱۸)۔

"اے نبی ﷺ! پھر ہم نے آپ کو دین کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ پر قائم کیا۔ لہٰذا تم اسی پر چلو اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔"

اور فرمایا۔

Marfat.com

الْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط (مائدہ:۳)

"آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔"

دین کی تکمیل سے یہاں مراد یہ ہے کہ زندگی کے تمام مسائل کا حل اس میں موجود ہے اور انسان کو کسی حال میں بھی اس دین سے باہر نکلنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی تمہاری مکمل فلاح اسی میں ہے۔

احسانِ عظیم

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام کی تکمیل کے لئے محسنِ انسانیت، نبیِ رحمت سرکارِ دو عالم ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ وہی پیغامِ حق جس کی تبلیغ و ترویج کے لئے انبیاء کا سلسلہ جاری رہا پیغام وہی رہا۔ کہ سب خداؤں کی نفی کر کے صرف ایک الٰہ کی عبادت کرو اور ایک معبود حقیقی کے سامنے اس طرح جھک جاؤ کہ جسم و روح دونوں مسلمان ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں یوں سرِ تسلیم خم کر دو اور یہ تسلیم زندگی کے ہر شعبہ میں ایسی موثر ہو کہ دین صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خالص ہو جائے۔ الا اللہ دین الخالص۔ کیونکہ دین حکومت الٰہیہ اور اسلامی نظام زندگی کا نام ہے۔ انسانی زندگی کے جس دائرے میں انسان کو اختیار حاصل ہو اس میں وہ برضاء و رغبت اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تشریعی حکومت تسلیم کرے جس طرح کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کے ایک متعینہ نظام کے تحت اس کی تکوینی حکومت کو تسلیم کر رہا ہے۔

لا الٰہ الا اللہ -- کا مطلب انتہائی وسیع ہے۔ جیسا کہ عبادت کے مفہوم میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو واحد تسلیم کرنے کا صرف یہ مطلب

Marfat.com

نہیں کہ بس زبان سے کہہ دیا کہ "اللہ ایک ہے۔" بلکہ تسلیم یہ ہے کہ انسان اپنی ساری زندگی اپنے معبود حقیقی کی رضا و خوشنودی کے لئے وقف کر دے اپنی مرضی ختم کر کے اللہ تعالیٰ کی مرضی کو اپنائے۔ یعنی انسان لاالٰہ کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی ایسی ہستی باقی نہیں رہی جس کا حکم مانا جاسکے۔ بلکہ اپنی ہستی بھی مٹادی جائے۔ یعنی اپنی ایسی تمام خواہشات ختم کر دی جائیں جو الا اللہ کے مقابلے میں آئیں صوفیا کے نزدیک اسی بات کو فنافی اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہی مومن کا اصل مقصدِ حیات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مومن کے اسی مقصدِ حیات کے حصول کی خاطر اپنے ایک ایسے اعلیٰ وارفع اور برگزیدہ بندے کو سید المرسلین کا تاج اور رحمت للعٰلمین کی خلعت پہنا کر بھیجا۔ جس کی شریعت کو تمام جہانوں کے لئے قیامت تک نافذ العمل کر کے جن وانس کی ہدایت اور راہنمائی کا سامان فراہم کیا اور بنی نوع انسان کے لئے عموماً اور مومنین کے لئے خصوصاً احسان عظیم فرمایا۔

غور کیجئے ---اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ انسان سے قبل جب انسان کے لئے اس بزمِ دنیا کو آراستہ کیا اور انسانی ضروریات کے لئے بے حساب نعمتیں تخلیق کیں جن میں ارضی اور سماوی نعمتیں خاص طور پر شامل ہیں۔ جن کا ذکر پچھلے باب کی ابتداء میں مختصراً کیا گیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تمام نعمتوں کے لئے یہ نہیں فرمایا کہ اے انسان! میں نے تمہارے لئے زمین بنائی احسان کیا۔ آسمان بنایا احسان کیا، سورج چاند ستارے بنائے احسان کیا۔ ہوا، پانی، آگ اور نباتات کو تخلیق کیا۔ احسان کیا تمہیں بہترین صورت بخشی احسان کیا۔ تمہارے اختیار میں ساری کائنات کر دی تو کوئی احسان کیا--- ہرگز نہیں، بے شمار نعمتیں دے کر بھی اللہ تعالیٰ نے کسی مقام پر اپنا احسان نہیں جتایا۔ لیکن ایک نعمتِ عظمیٰ دے کر ارشاد فرمایا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا

Marfat.com

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ☆ (آل عمران:۱۶۴)

"درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان فرمایا کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ جو اُن پر اس کی آیات پڑھتا ہے۔ انہیں سنوارتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔"

مَنَّ اللّٰہ میں مَنَّ کا لفظ اس نعمتِ عظمیٰ کا احسان جتانے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں پہلی بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت جو ساری کائنات کے لئے بھیجی گئی۔ وہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے "احسان" کا لفظ استعمال کیا ہے -- دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ انسان پر جہاں اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ وہاں سب سے بڑھ کر اس نعمتِ عظمیٰ (نبی کریم ﷺ) کا شکر ادا کرنا اولین فرض ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت میں وحدہ لاشریک ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ اپنی نبوت ورسالت میں واحد اور لاشریک ہیں۔ اس کی وضاحت یوں سمجھیں کہ جیسے عبادات میں اللہ کے مقابلے میں کسی اور کو لانا شرک ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے مقابلے میں کسی اور کی اتباع کرنا شرک فی الرسالت ہوگا۔ جیسا کہ خود رسالت مآب ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

"اگر آج موسیٰ علیہ السلام موجود ہوتے تو وہ بھی میری ہی اتباع کرتے۔"

(مسند احمد)

اللہ تعالیٰ کے بعد ہماری محبت کے مستحق رسول کریم ﷺ ہیں۔ کیونکہ آپ کی محنتوں کے طفیل ہمیں دین اسلام کی گراں قدر دولت ملی۔ ہم مشرف بہ اسلام ہوئے،

Marfat.com

آپ ﷺ نے فرمایا۔۔ جس قدر تکلیفیں مجھے دی گئیں کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں۔"

وہ سب تکلیفیں آپ نے صرف اس لئے برداشت کیں کہ امت آخرت کی تکالیف سے بچ جائے۔ آپ ﷺ نے ہمارے لئے طائف میں پتھر کھائے کفار کی سختیاں جھیلیں۔ شعب ابی طالب میں تین سال تک اپنے خاندان کے ساتھ بھوکے پیاسے محصور رہے۔ آپ کے جسد اطہر پر اونٹ کی اوجھریاں رکھی گئیں کوڑا کرکٹ ڈالا گیا راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ شاعر مجنوں، ساحر اور بے راہ کہا گیا۔ کفار نے آوازے کسے، قتل کر دینے کے لئے گھر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ مسلسل تیرہ سال کفار کی طرف سے ہر سختی کو برداشت کیا۔ کس لئے--؟

اپنے لئے--؟ نہیں--بلکہ ہمارے لئے۔ امت کے لئے۔ ہر وقت امت کا غم سینے میں رکھنے والا امت کا غمخوار اور شفیق رسول۔ سراپائے شفقت و رحمت!! بدقسمت ہے وہ امتی جو نبی رحمت ﷺ کے احسانات کو فراموش کر بیٹھا ہے امت پر آپ ﷺ کے احسانات اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا بدلہ کبھی نہیں دیا جا سکتا۔ خوش قسمت ہے وہ امتی جس کا قلب حبِ رسول ﷺ سے سرشار ہے۔ اگر رسول ﷺ کی محبت نہیں تو ایمان نہیں۔ ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

کاش ہم غور کریں اس فرمانِ رسول ﷺ پر---!

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے والد، اولاد اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔" (بخاری و مسلم)

لیکن محبت کی شرط کیا ہے؟ محبت کی شرط ہے--اتباع رسول ﷺ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (آل عمران:۳۱)

"(اے میرے پیارے رسول ﷺ! لوگوں سے) کہہ دیجئے۔ اگر

Marfat.com

تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ غفور و رحیم ہے۔"

ایسا شروع ہی سے ہوتا چلا آیا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (النساء: ٦٤)

"اور ہم نے ہر رسول کو صرف اس لئے بھیجا تاکہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔"

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا۔ اور عبادت کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا خوشنودی کا حصول ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کس طرح حاصل کرے؟ اور کہاں سے حاصل کرے؟ وہ اپنے مقصدِ حیات کو کہاں سے پائے--؟ بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ نجات کہاں سے ملے؟ تو ان سوالوں کا جواب قرآن کے صرف ایک لفظ فَاتَّبِعُوْنِیْ میں ہی مل جاتا ہے۔ اللہ سے محبت کا دعویٰ کرنے والے اسی وقت اپنے دعوئی میں سچے ہو سکتے ہیں۔ جب ان کا ہر عمل نبی رحمت ﷺ کی مکمل اتباع میں ہو۔ انسان اپنے مقصد حیات کو صرف اسی وقت پائے گا جب وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرے گا۔

تاریخِ عالم میں ہزاروں ایسے انسان آپ کو نظر آئیں گے جنہوں نے آنے والی نسلوں کے لئے اپنی زندگیاں بطور نمونہ پیش کیں۔ ان میں عظیم بادشاہ اور حکمران بھی ہیں۔ مفکر، دانشور، قانون دان اور فلسفی بھی، فاتحین عالم، سپہ سالار بھی اور شہرت یافتہ شعراء بھی۔ بڑے بڑے دولت مند اور خزانوں کے مالک بھی ہیں لیکن مشاہدہ کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان میں سے کسی کی زندگی بھی بنی نوع انسان کی فلاح و ہدایت کی ضامن اور قابل نمونہ نہیں ہے۔ بادشاہوں اور حکمرانوں نے دنیا کے وسیع ممالک پر حکمرانی کی۔ سکندر نے ایک فاتح کی حیثیت سے بڑا نام پایا۔

Marfat.com

انسانوں کی بستیوں میں امن وامان قائم کیا۔ لیکن دلوں کی بستی میں کوئی بھی امن وامان قائم نہ کر سکا۔ روحیں پریشان ہی رہیں۔ دانشوروں اور فلسفیوں نے اپنی محدود عقل سے نظامِ عالم کے نقشے تو بدل دیئے لیکن انسانی نظامِ ہدایت کا وہ بھی کوئی عملی نمونہ پیش نہ کر سکے۔ قانون سازوں نے قانون بنائے۔ مقننہ قائم کیں۔ آئین بنے، سینکڑوں صفحات دفعات سے بھر دیئے۔ آج قانون رائج ہوا۔ کل کسی مصلحت کی بنا پر منسوخ ہوا، شعراء نے خیالی پلاؤ پکائے۔ تصوراتی نظام حیات قائم کیا۔ ستاروں سے بھی آگے چلے گئے۔ مگر عملی دنیا میں بالکل بے کار ثابت ہوئے -- فاتحین نے تلوار کے زور سے دنیا کو تہ وبالا کر دیا۔ طبقات الٹ دیئے انسان کو محکوم بنالیا۔ لیکن فلاحی معاشرے کی گتھی نہ سلجھا سکے۔ اور انسانی توہمات اور بدعات کی زنجیریں نہ کاٹ سکے۔

اس کے برعکس دیکھا جائے تو انسانیت کی فلاح و بہبود، اعلیٰ اخلاق و کردار کی تعمیر، قلوب کی صفائی، امن وسکون کی فضا اور فطری نظام حیات کی ترویج کے لئے جدوجہد اگر کسی طبقے نے کی ہے تو وہ صرف خالق حقیقی کے فرستادہ انبیائے کرام کا طبقہ ہے۔ اور ان انبیاء میں سے نبی آخرالزمان ﷺ کی ذات گرامی ستاروں میں چاند کی حیثیت رکھتی ہے۔

آج دنیا الحاد وانکار کے سیلاب میں بہہ رہی ہے۔ مادہ پرستی کے اندھیروں نے ہر سو تاریکیوں کے حصار کھینچ دیئے ہیں، شرفِ انسانیت اور اخلاقی اقدار فسانہ ماضی بن گئے ہیں۔ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے، آج کا زمانہ ماضی کے دور جاہلیت کی شبیہہ بنا ہوا ہے۔ فرق ہے تو صرف اتنا کہ اس وقت جہالت کے ہاتھوں انسانیت کو مٹایا جا رہا تھا اور آج "علم و تمدن" کے ہتھیاروں سے انسانیت کو تباہ کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ انسانیت بہرحال ہر دور میں بوجہلان اغراض اور بولہبان ہوس کی ستم رانیوں سے پامال اور مجروح ہوتی رہی ہے۔ روح انسانی ایک طویل عرصہ سے پیاسی تڑپ رہی ہے۔ پیاسا مسافر مادیت کے لق ودق صحرا میں چشمہ حیواں کی تلاش میں سرگرداں ہے،

Marfat.com

چمکتی ہوئی ریت میں اسے پانی کی اٹھتی ہوئی لہریں نظر آتی ہیں، مسافر کا ہر قدم اسے فریبِ نظر کی مخلوق سے قریب لیکن حقیقت کی منزل سے دور لئے جا رہا ہے۔ پیاس کی شدت نے اس کے ہر زاویہ نگاہ پر ہیولوں کا طلسم قائم کر دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا۔ (النور:۳۹)

"وہ لوگ جو اللہ سے دور ہو گئے ہیں، ان کے اعمال کی مثال ایک سراب کی طرح ہے۔ جس کو پیاسا پانی سمجھ کر دوڑتا ہے۔ لیکن جب اس کے قریب آتا ہے تو وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا۔"

انسان اپنی منزل کا متلاشی ہے۔ وہ بحر و بر میں مارا مارا پھر رہا ہے۔ ہر غبار کے دامن کو منزل سمجھ کر اور ہر موج کے آنچل کو ساحل سمجھ کر پکڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر وہ اس کی منزل نہیں ہوتی۔ انسان بھٹک گیا ہے وہ فرار چاہتا ہے۔ آج کے انسان نے کائنات کو مسخر کر لیا، چاند تک پہنچ گیا۔ زہرہ اور مریخ کی خبریں حاصل کر لیں۔ بلند پروازی میں کوندے کی طرح لپک کر فاصلے ختم کر دیئے۔ زمین سمٹ گئی۔ سمندر میں شارک سے بھی تیز تیرنے لگا۔ مگر افسوس! "اے انسان!" تجھے زمین پر انسان کی طرح چلنا بھی نہ آیا، تم نے اس دور میں بجلی کے قمقموں سے دنیا تو روشن کر دی شہر بیاباں سب جگمگ جگمگ کر اٹھے مگر ذرا بتا تیرے دل کی دنیا بھی روشن ہوئی؟ کیا حیوانیت کی تاریکی بھی دور ہوئی؟ جسمانی امراض سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہزاروں مجرب دوائیں ایجاد کر لیں۔ لیکن روحانی امراض کے لئے بھی کوئی نسخہ تجویز کیا؟ یہ بھی تسلیم..... کہ تُو نے ملکوں کے فاصلے سپر سانک ہوائی جہازوں اور راکٹوں سے کم کر دیئے۔ مگر یہ تو بتا--- دلوں کو قریب لانے کا طریقہ بھی آیا؟

سب کچھ ہوتے ہوئے بھی آج کا انسان کھویا کھویا سا ہے۔ وہ اپنے آپ کو تہی

Marfat.com

دامن سمجھتا ہے۔ روح بیقرار ہے۔ انسانیت چیخ رہی ہے۔

آج سے چودہ سو برس پہلے بھی انسانیت اسی طرح ہاتھ بڑھائے۔ دامن پھیلائے اپنے درد کا درماں اور روح کا قرار مانگ رہی تھی۔ اسے کسی ایسے انسان کی تلاش تھی جو اس کے دکھوں کا مداوا بنتا -- آخر خالقِ حقیقی کو انسانیت کی یہ عاجزی پسند آگئی۔ اللہ نے اپنا محبوب دنیا میں انسانِ کامل کی صورت میں بھیج کر انسانیت پر احسانِ عظیم فرمایا۔ تاکہ انسانیت ہر لحاظ سے پاک صاف ہو جائے الحاد، شرک، مادہ پرستی، ہوا و ہوس، ظلم و بربریت اور ہر قسم کی ظلمتیں چھٹ جائیں دنیا عدل و انصاف، شرافت و صداقت، امن و سکون اور انسانی فلاح و بہبود کے اجالوں سے روشن ہو جائے --

وہ رحمت للعلمین کی خلعت پہنے۔ طٰہٰ کا تاج سجائے، یاایھاالمدثر کا دوشالہ اوڑھے ہدایت کا عصا اٹھائے۔ شریعت کا چراغ جلائے علم و حکمت کا خزانہ لے کر فاران کی وادیوں میں اترا۔ وہ ایک سراجِ منیر تھا۔ جس کے طلوع ہوتے ہی جہالت کی ظلمتیں کافور ہو گئیں۔ وہ جلال و جمال کا پیکر ایک نسخہ کیمیا ہاتھ میں لئے مسکرا رہا تھا رحمت کی گھٹائیں اٹھیں، نسیم سحری چلی، شگوفے پھوٹ نکلے۔ گلشن کھل اٹھا انسانیت پکار اٹھی۔ وہ یتیموں کا والی آیا، بیواؤں کا سہارا آیا، بیکسوں کا مونس آیا، مظلوموں کا شفیق آیا، رحمت کی بارش برسی، روح کی پیاس بجھی، تھکے ہوئے مسافر کو سکون ملا، حکیم کے پہنچتے ہی سارے امراض دور ہو گئے۔

آج بھی انسانیت کو روح کا قرار، دل کا سکون، انسانِ کامل، رہبرِ اکمل، فخرِ رسل حضور رسالت مآب ﷺ کی سنت مطہرہ اور اسوۂ حسنہ پر کاربند ہونے سے حاصل ہو گا۔

سید سلیمان ندوی اپنی کتاب "خطبات مدراس" میں لکھتے ہیں۔

"ہم اوائل فروری ۱۹۲۴ء میں حجاز و مصر سے واپس آرہے تھے اتفاقاً مشہور شاعر ڈاکٹر ٹیگور بھی ہمارے ہمسفر تھے۔ ایک رفیقِ سفر نے ان سے پوچھا کہ برہمو سماج کی

Marfat.com

ناکامی کا کیا سبب ہے؟ حالانکہ اس کے اصول بہت منصفانہ اور صلح کُل کے تھے عقل اور منطق کے خلاف کوئی چیز نہ تھی۔ وہ موجودہ تمدن، فلسفے اور حالات کو دیکھ کر بنایا گیا تھا فلسفی شاعر نے جواب دیا۔۔"یہ اس لئے ناکام ہوا کہ اس کے پیچھے کوئی شخصی زندگی اور عملی سیرت نہ تھی، جو ہماری توجہ کا مرکز اور ہماری نیکوکاری کا نمونہ بنتی۔"

ان کا جواب بالکل درست تھا۔ کیونکہ زندگی کا عملی نمونہ پیش کئے بغیر کوئی دعوت کوئی فلسفہ، کوئی نظریہ اور قانون کامیاب نہیں ہو سکتا۔ دین اسلام اگر کامیاب ہوا تو اس لئے کہ انبیائے کرام کی زندگیاں اپنے ماننے والوں کے لئے نمونہ تھیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی حیات طیبہ کے تمام اجزاء پیدائش سے لےکر وفات تک ہمارے سامنے ہیں۔ آنحضور ﷺ کی کونسی حالت ہے جس سے اہل تاریخ واقف نہیں ہیں؟ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں حضور ﷺ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ نمایاں ہے ہر پہلو صاف اور روشن ہے۔ کوئی بات پردے میں نہیں ہے۔ کیا دنیا کا کوئی مصلح اپنی زندگی یا اپنی شخصیت کو بطور نمونہ پیش کر سکتا ہے؟ ہر ایک میں کوئی نہ کوئی سقم، کمی یا تشنگی محسوس ہوتی ہے۔ مگر انسانِ کامل جو خاتم النبیین بھی ہیں جامع صفات، مکمل اسوۂ حسنہ اور قابل تقلید زندگی لے کر اس دنیا میں تشریف لائے آپ کی تریسٹھ سالہ زندگی پر نظر دوڑائیں کوئی سقم، کوئی کمی اور کوئی تشنگی نظر نہیں آتی۔ اتنی جامع شخصیت کہ حق تعالیٰ نے مُہرِ تصدیق ثبت فرما دی۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۱)

"بیشک رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تمہارے لئے مکمل نمونہ موجود ہے۔"

خود رسالت مآب ﷺ کا ہر شخص کو حکم تھا کہ میری زندگی کے ہر پہلو، ہر کیفیت اور ہر حالت کو منظر عام پر لایا جائے۔ خواہ خلوت ہو یا جلوت، مسجد ہو یا میدانِ

Marfat.com

جہاد نماز شبانہ ہو یا تجارت، ازواج مطہرات حضور ﷺ کے خلوت خانوں کے حالات سنانے میں مصروف رہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً اصحاب صفہ جن کی تعداد ستر سے چار سو کے لگ بھگ تھی ہمہ وقت آپ ﷺ کے ملفوظات سنتے آپ ﷺ کے حالات دیکھتے اور حضور ﷺ کی معیت میں مصروف رہتے۔ مکہ میں تیرہ سال بعثت کے بعد اور مدینہ طیبہ میں دس سال تمام آبادی حضور ﷺ کے ایک ایک عمل کو دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ نبی رحمت ﷺ کے اشارے تک محفوظ کر لئے گئے۔ غزوات میں ہزاروں مجاہدین کو حضور ﷺ کے حالات اور معمولات دیکھنے کا موقع ملا۔

فتح مکہ میں دس ہزار، تبوک میں تیس ہزار حجۃ الوداع کے موقعہ پر تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کو آپ ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ جس جس نے جس حال میں بھی رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اس کی عام اشاعت کی۔ اس طرح حضور ﷺ کی زندگی کا کونسا پہلو باقی رہ گیا ہوگا؟

کمال تو یہ ہے کہ کسی اپنے یا پرائے کو بھی کوئی کجی نظر نہ آئی۔

اتنی جامع الصفات شخصیت ہی انسانیت کے لئے نجات دہندہ حقیقی مرشد کامل اور ہادی برحق ہو سکتی ہے۔ یہی شخصیت مادیت کے لق و دق صحرا میں چشمہ حیواں ہے۔ یہی وہ نخلستان ہے جہاں آج کا پریشان حال انسان اور منزل کا متلاشی پیاسا مسافر سکون کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ یہی وہ چراغ ہے جو موجودہ دور بلکہ ہر دور کی ظلمتیں دُور کر کے ہدایت اور راستی کی شمعیں روشن کر سکتا ہے۔ یہی وہ ساحل ہے جو تاریک موجوں کے بھنور میں پھنسے ہوئے انسان کو نئی زندگی بخش سکتا ہے۔

اندرونی، بیرونی، ملکی اور بین الاقوامی حالات کا جائزہ لیں تو یوں نظر آتا ہے جیسے پوری دنیا افراتفری، بے چینی، بدحالی اور بے راہ روی کا شکار ہے۔ ترقی پذیر ممالک کا حساب تو بعد میں کیجئے ذرا ترقی یافتہ ممالک کا تجزیہ کریں یورپ اور امریکہ کے باشندوں کو

Marfat.com

کر یدیں۔امریکہ کی ریاست کولمبیا میں مقیم میرے ایک دوست مسٹر ایون نے مجھے لکھا۔
''آپ یہاں کی تہذیب و تمدن کی بات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا معاشرہ بہت خوشحال اور ترقی یافتہ ہے، لیکن در حقیقت اگر آپ ہمارے دلوں کو ٹٹولیں تو ہمارے دلوں میں سکون نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ آپ سے بے تکلفی ہے بات کئے دیتا ہوں۔ ہماری زیادہ آبادی منشیات کی عادی ہو چکی ہے۔ ہپی ازم کے لبادے میں ہر کوئی زندگی سے فرار چاہتا ہے۔ میرے کئی دوست شہروں کو چھوڑ کر شمالی جنگلوں میں دوڑ گئے ہیں جب وہ مجھے ملتے ہیں تو میرے استفسار پر بتاتے ہیں۔

"For Peace, Calmness and Lonliness."

سب کچھ ہوتے ہوئے بھی تشنگی ہے مسٹر فاروقی۔ آپ کے کہنے پر میں نے آپ کے نبی ﷺ کی ایک سوانح عمری خریدی ہے......''

یہ اس خط کا اردو ترجمہ ہے جو امریکہ سے میرے دوست نے مجھے لکھا ہے امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک کے باشندوں کی حالت اس تشنہ مسافر سے کسی طور بھی کم نہیں جو منزل کی تلاش میں مادیت کے لق ودق صحرا میں سرگرداں ہے۔

اب یورپ کا حال سنئے۔

میرے روحانی پیشوا حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب رحمتہ اللہ علیہ جب یورپ کے تبلیغی دورے سے واپس تشریف لائے تو انہوں نے انگلینڈ، فرانس، جرمنی، ناروے، سویڈن اور ڈنمارک وغیرہ کے حالات بتاتے ہوئے فرمایا۔

''میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کفرستان میں تبلیغ اسلام کی خاطر گیا عیسائی علماء سے سوال و جواب ہوئے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے طلباء سے خطاب کیا لندن گورنمنٹ نے مجھے تبلیغ کی عام اجازت دی۔ لندن کے سب سے بڑے چرچ میں ذکر الٰہی ہوا۔ اسلامک سٹیڈیز پر ریسرچ کرنے والے طلباء سائے کی طرح میرے

Marfat.com

ساتھ رہے۔ باتیں کیں، سوالات پوچھے، تبادلہ خیال ہوا، طلباء کی اکثریت نے اسلام قبول کیا۔ سارے یورپ سے جو لوگ بھی مسلمان ہوئے ان کے تاثرات میں ایک بات مشترک تھی۔

"ہم ذہنی طور پر منتشر تھے۔ ہماری روحیں بے قرار تھیں۔ ہم بحر ظلمات میں غوطہ زن تھے۔ اسلام ایک نور ہے۔ ایک حقیقت ہے ہر مسئلے کا حل اس میں موجود ہے۔ اب ہم مطمئن ہیں اور سب سے بڑھ کر ہم یہ بات شدت سے محسوس کر رہے ہیں کہ ہماری روحیں پاکیزہ ہو گئی ہیں۔"

اگر تمام مذاہب کا بھی تجزیہ کیا جائے تو جو جامعیت اسلام میں نظر آتی ہے کسی اور مذہب میں نظر نہیں آتی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اسلام کے شارع علیہ السلام کی سیرت انسانیت کی فلاح کے لئے ایک مکمل نمونہ ہے۔ آپ نے اتنے بگڑے ہوئے معاشرے کو مختصر ترین عرصہ میں دنیا کا ایک مثالی معاشرہ بنا دیا۔ اور اس اصلاح یافتہ اسلامی معاشرے کے انقلابی اثرات دور دور تک پہنچے۔ آج اگر وہ انقلابی اثرات زائل ہو رہے ہیں تو ہماری اپنی کمزوری ہے آج بھی ہماری منزل ہمیں پکار رہی ہے، کہ اے پراگندہ ذہن انسان! ادھر آ-- میں تمہیں اپنی رحمت کی آغوش میں لے لوں۔ آیئے--! ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں فکر و تدبر کریں کہ آج ہم اپنی منزل سے کس قدر دور نکل گئے ہیں۔ ہم تہذیب مدینہ کو چھوڑ کر تہذیب مغرب کی طرف جھک رہے ہیں۔ حالانکہ

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیال بلند و ذوقِ لطیف

آج حالت یہ ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان تہذیب مغرب کی نقالی میں فخر محسوس

Marfat.com

کرتے ہیں۔ ہر طرف اس کی مدح وستائش میں قصائد کہے جارہے ہیں تحسین و تبریک کے غلغلے بلند ہو رہے ہیں، لیکن جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اس تہذیب میں رنگے ہوئے لوگ روحانی اور ذہنی طور پر اس قدر منتشر ہیں کہ وہ زندگی ہی سے فرار چاہتے ہیں۔ اس تہذیب کی حقیقت کو حکیم الامت اور مفکر اسلام نے کھول کر بیان کیا ہے۔ علامہ محمد اقبال اس وقت صرف تیس سال کے نوجوان تھے۔ جب وہ اس حیرت کدہ رنگ و بود میں جا نکلے۔ اور وہاں کے ہر گوشہ پر غائرانہ نظر ڈالی۔ ہر چیز کو گہری نظروں سے پرکھا۔ وہ نوجوان گیا تو محض حصول تعلیم کی خاطر تھا۔ لیکن جب واپس لوٹتا ہے تو اس طلسم ہوشربا کے پورے تماشے کو اپنے دامن نگاہ میں سمیٹ کر ساتھ لے آتا ہے اور وہاں سے رخصت ہوتے وقت دانشوران افرنگ کو پکار کر کہتا ہے۔

دیارِ مغرب کے رہنے والو۔ خدا کی بستی دکان نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیا رہو گا

اور یادرکھو۔۔۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا نا پائیدار ہو گا

اس تہذیب کے ضرر رساں اثرات مشرقی اقوام پر عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً اس قدر زیادہ ہیں کہ ہم اس کے غلام بن کر رہ گئے ہیں۔ ہم صرف یہ دیکھ کر متاثر ہو جاتے ہیں کہ مغربی تہذیب کی حامل اقوام بڑی ترقی یافتہ ہیں وہ چاند تک پہنچ گئی ہیں، انہوں نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں زبردست ترقی کر کے ہمیں اپنا دست نگر بنا لیا ہے۔ لیکن ہم یہ نہیں سوچتے کہ ہم میں کس چیز کی کمی ہے جو اس ترقی کو نہیں پا سکے۔ اور انہوں نے اتنی حیرت انگیز تحقیق و ترقی کیسے حاصل کی ہے؟ اگر ذرا غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ قرآن حکیم نے انسان کی رہنمائی کے لئے جو اصول اور قواعد و ضوابط بتائے

Marfat.com

ہیں اور ہدایات دی ہیں اس پر ہم تو نہ چل سکے۔ لیکن مغربی مفکرین نے انہیں ہم سے چرا کر تحقیق شروع کی۔ اور جُہدِ مسلسل سے وہ سب کچھ حاصل کر لیا جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے بھیجا تھا۔ اور ہم صرف قرآن کی تلاوت کر کے بیٹھ رہے آئندہ صفحات میں تلاوت قرآن پر بحث کی جائے گی۔ یہاں صرف اتنا کہوں گا کہ تلاوت کا مقصد قرآن فہمی ہے نہ کہ لفظی تکرار۔

قرآن میں ارشاد ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (الجاثیہ:۱۳)

''اور اس (اللہ) نے زمین اور آسمانوں کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔''

اب ہم نے تو صرف اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو قرآن میں پڑھ لیا۔ بس پڑھ کر قرآن بند کر دیا۔ اس پر کوئی غور و فکر نہ کیا اور نہ ہی زمین و آسمان کی اشیاء کو مسخر کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے برعکس مغربی مفکرین سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ تحقیق شروع ہو گئی۔ اور بحیثیت انسان یہ ثابت کر دکھایا کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو انسان کے لئے مسخر کر دیا ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی حقانیت کو ہم ثابت نہ کر سکے غیر مسلموں نے ثابت کر دیا۔

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى۔

''انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔''

اس سے پتہ چلا کہ بغیر کوشش کے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور کوشش سے سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ جو قومیں جُہدِ مسلسل کو اپنا شعار بنا لیتی ہیں وہ ہمیشہ کامیاب ہو جاتی ہیں اور ایسی قوموں کی کامیابیاں ہمارے سامنے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے۔

Marfat.com

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ۔(الحج:٦٥)

"کیا تُو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے تمہارے بس میں کر دیا جو کچھ زمین میں ہے۔"

اب ہم زمین کھود کر نہ دیکھیں۔ تو اندرونی خزانے کیسے ہمارے ہاتھ آ سکتے ہیں؟ کیا وہ خزانے خود بخود باہر نکل آئیں گے؟ جس قوم نے بھی زمین کو کریدا سب کچھ پا لیا۔ اور جس قوم نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو محض پڑھ لیا اسے تو کچھ نہ ملا۔ نہ اس نے کوشش کی اور نہ کچھ حاصل کیا، تو ایسی قوم دوسروں کی دستِ نگر نہ بنے گی تو اور کیا کرے گی۔

ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ(الرعد:١١)

"بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی اندرونی حالت نہ بدلے۔"

اب حکم ہوتا ہے کہ میری کائنات میں غور و فکر کرو (آل عمران:١٩١) غور و فکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پتہ چلے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی جو حکمتیں پوشیدہ ہیں انہیں ظاہر کر کے بنی نوع انسان کی بہتری کے لئے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو ظاہر کر کے اس کی بڑائی کا اعتراف کیا جائے جن قوموں نے غور و فکر کیا وہ آج ترقی یافتہ ہیں۔ دوسری قومیں ان سے لرزاں و ترساں ہیں اور ان کی تہذیب کو اپنانے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔

اب دیکھئے اللہ تعالیٰ کے جو ارشادات پیش کئے گئے ہیں ان میں انسان کو خطاب کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلم اور غیر مسلم کی تمیز کے بغیر تمام بنی نوع انسان سے مخاطب ہے۔ اب جو بھی قوم خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم جُہدِ مسلسل کرے گی کائنات میں غور و

Marfat.com

فکر کر کے اپنی خفیہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر انہیں عملی جامہ پہنائے گی۔ وہ لازمی طور کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔ اور جو ان ارشادات کو صرف پڑھ کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہے گی وہ دنیا میں پسماندہ، جاہل اور کمزور کہلائے گی اب سوچئے قصور کس کا ہے؟ یاد رکھئے یہی ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے، ہم نے قرآن کو چھوڑ دیا۔ نبی کریم ﷺ کی سنت سے دور ہوگئے۔ ہم میں سوچ و بچار کا مادہ ختم ہو گیا۔ ہم اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت کو گھٹیا سمجھنے لگے۔ قرآن و حدیث کے مقابلے میں سقراط۔ بقراط، ارسطو، کارلائل، روسو، آئنسٹائن، شیکسپیئر اور برناڈ شا کے اقوال کو ترجیح دینے لگے۔ ہم تہذیب مغرب کے اتنے غلام بن چکے ہیں کہ انگریزی کو عربی پر ترجیح دیتے ہیں۔ عربی پڑھنے اور سیکھنے والے کو پسماندہ (Savage) اور انگریزی پڑھنے سیکھنے اور بولنے والے کو ماڈرن (Modren) کہتے ہیں۔ ہمارا انداز فکر کیوں بدل گیا ہے--؟ ہمارے زاویہ نگاہ میں تبدیلی کیوں اور کیسے آ گئی ہے۔؟

صرف اس لئے کہ ہمارے سامنے مغربی اقوام کی ترقی اور مسلمانوں کی پسماندگی بے چارگی اور بدمعاملگی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم بس ترقی اور تنزل کو دیکھ کر فیصلہ کرلیں بلکہ اس تفاوت کی وجہ تلاش کر کے ہمیں بھی مغربی اقوام جیسی ترقی حاصل کرنا چاہئے۔ بلکہ ان سے بڑھ کر۔ اس تفاوت اور فرق کی وجہ صرف ایک ہی ہے۔ کہ ہم میں قرآن و سنت میں غور فکر۔ جہدِ مسلسل اور اسلامی اصولوں کی پابندی کا فقدان ہے۔

آج ہماری جواں نسل پڑھی لکھی ہے۔ وسیع علم رکھتی ہے۔ فہم و ادراک اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں رکھتی ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ اپنے اندر سے مغربی نظریات کو نکال کر اسلامی نظریات کو جگہ دے اور اپنی کھوئی ہوئی منزل حاصل کرے۔ ہماری تہذیب مدینہ میں ہے۔ نہ کہ لندن، پیرس اور امریکہ میں۔

Marfat.com

وہاں کی تہذیب تو......

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

نظامِ کائنات پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اس کی ہر شئے ایک متعین قانون کے مطابق سرگرمِ عمل ہے، یہ قوانین غیر متبدل ہیں۔ سائنس کا دارومدار بھی اس بات پر ہے کہ قوانینِ فطرت تغیر نا آشنا ہیں۔ قرآن حکیم کی رو سے جس طرح فطرت کی ہر شئے اپنی نشو و نما کے لئے متعین قوانین کی پابند ہے بعینہٖ انسان کو اپنی تہذیب اور معاشرتی زندگی کے لئے بھی چند غیر متبدل آئین و ضوابط کی ضرورت ہے ان آئین و ضوابط کو مستقل اقدارِ حیات یا حدود اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر انسانی صلاحیتیں ان حدود کے ساحلوں کے اندر مصروفِ عمل رہیں تو وہ ایک پر سکون دریا کی طرح رواں دواں ہیں۔ جس سے ہر کشتِ حیات کی سیرابی ہوتی ہے۔ لیکن اگر وہ ساحل شکن ہو جائیں تو وہی دریا سیلاب بن جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ تو بس تباہی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

مغرب کا نظریہ حیات کائناتی قوانین کو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن انسانی زندگی کے لئے اس قسم کے غیر متبدل ساحلوں کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ فطری قوتوں کو جتنا مسخر کرتا ہے اتنی ہی زیادہ اس کے سیلاب کی تندی و تیزی بڑھتی ہے، جس سے تباہی و بربادی ہوتی ہے۔

مغرب کی ترقی ضرر رساں ہے۔ اس کی جگہ اگر فطرت کی قوتوں کو مسلمان مسخر کرتے جو انسانی زندگی کے لئے غیر متبدل ساحلوں کو تسلیم کرتے ہیں تو یہ ترقی مثبت ہوتی اور بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کی پیغام بر بنتی، نہ کہ انسان کی تباہی و بربادی کا موجب۔ ایٹمی تحقیق امن و آشتی کا مژدۂ جانفزا بنتی نہ کہ ساری دنیا کو ایک منٹ میں نیست و نابود کر دینے کا خوفناک اور روح فرسا اعلان۔ یہی وجہ ہے کہ آج ساری دنیا

Marfat.com

امریکہ اور یورپ سے ترساں و لرزاں ہے اور وسیع و عریض عرب ممالک ننھے سے اسرائیل سے خائف اور سمٹے ہوئے ہیں ان کی تباہ کاریوں سے نہ کوئی قوم محفوظ ہے اور نہ کوئی ملت مامون۔

وہ فکر گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اس کی بیتاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

اطاعت رسول: اللہ تعالیٰ نے ہمیں تخلیق کیا، ہمارے لئے زندگی کا ہر سامان اور طرح طرح کی نعمتیں پیدا کیں اور ہمیں صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا۔ عبادت صرف نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہی نہیں بلکہ مسلمان کی مکمل زندگی کا ہر لمحہ عبادت ہی عبادت ہے۔ بشرطیکہ ہر معاملے میں رضائے الٰہی مقصود ہو۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہماری زندگی کا ہر لمحہ عبادت کس طرح بن سکتا ہے؟ اور رضائے الٰہی کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟

اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہماری راہنمائی فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ نے زندگی کے ہر شعبے میں ہماری راہنمائی کے لئے اپنے رسولِ برحق ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ہی ایک مکمل ضابطہ حیات قرآن حکیم کی شکل میں عطا فرما کر اس نعمت عظمیٰ کو مکمل کر دیا ہے۔ طریق کار اس کا یہ رکھا کہ خالق حقیقی نے اپنا پیغام حق اپنے سب سے افضل بندے اور افضل البشر محسن انسانیت ﷺ کے ذریعے ہی تمام مخلوق کو پہنچایا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ☆ (سبا:۲۸)

"اور (اے رسول ﷺ) ہم نے آپ ﷺ کو تمام بنی نوع انسان کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔ مگر لوگوں کی اکثریت (اس حقیقت سے) ناواقف ہے۔"

مبلغ کا فرض ہے کہ وہ جس بات کی تبلیغ کرے پہلے خود اس پر عمل کرے حضور

Marfat.com

نبی کریم ﷺ کو ارشاد ہوا۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (الانعام:١٠٦)

"اے نبی ﷺ) اس وحی کی پیروی کیے جاؤ جو آپ ﷺ پر آپ ﷺ کے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔"

اس کے بعد حضور ﷺ کی طرف سے بھی قرآن میں ارشاد ہے۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ج اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ☆ (یونس:١٥)

"میں (محمد ﷺ) تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو اپنی عبادت کا طریقہ سکھانے کے لئے فرمایا۔ اے لوگو! زندگی کے ہر شعبے میں راہنمائی حاصل کرنے کے لئے میرے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو۔

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ج وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر:٧)

"(اے لوگو) جو کچھ رسول تمہیں دیں وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں روکیں رک جاؤ۔"

کیونکہ وہ اپنی طرف سے تو حکم صادر نہیں فرماتے۔ وہ جو کچھ فرماتے ہیں۔ وحی الٰہی ہی ہوتا ہے۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (النجم:٣،٤)

"اور وہ (نبی ﷺ) اپنی خواہش سے تو نہیں بولتے یہ تو وحی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے۔"

Marfat.com

اسی لئے تو یہ بات درست ہے۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:۸۰)

"جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔"

قرآن جو مکمل کلام الٰہی ہے۔ اور رسول جو صاحب کتاب ہیں۔ وہی اس کلام الٰہی کے اسرار و رموز کو بہتر سمجھتے ہیں اور وہ جس طرح اس کی تفسیر و تشریح فرمائیں اسی طرح وہ درست ہو گی۔ کیونکہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (النحل:۴۴)

"اور اب یہ ذکر (قرآن) آپ ﷺ پر نازل کیا ہے۔ تاکہ آپ ﷺ لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جائیں جو ان کے لئے اتاری ہے اور تاکہ لوگ خود بھی غور و فکر کریں۔"

ساتھ ہی فرمایا۔

هُوَالَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (الجمعہ:۲)

"وہی (اللہ) ہے جس نے ان پڑھوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔"

Marfat.com

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (ال عمران:۱۳۲)

"اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔"

توجہ طلب بات ہے اور غور کا مقام ہے کہ اگر ہم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں سرِ تسلیم خم نہیں کریں گے تو ہم پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ یہ شرط عائد کر دی گئی ہے کہ رحم تو صرف اطاعت کی صورت میں ہو گا۔ ورنہ یہ اعلان بھی سن لیں۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ☆ (النساء:۱۴)

"اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور اس کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں سے باہر نکل گیا تو اسے آگ کے عذاب میں ڈالا جائے گا وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔"

اب ہم نے خود اندازہ لگانا ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کس حد تک کرتے ہیں اور رحم تو صرف اطاعت کرنے پر ہی ہو گا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت نہیں ڈالے گا۔ کیا آج ہم --- افراتفری، بدحالی اور انتشار کا شکار نہیں ہیں؟ کیا ہمیں سکونِ قلب و روح میسر ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہم پر نازل ہو رہی ہے؟ ان سوالوں کے جواب تو ہم نے خود سوچنے ہیں۔ مثبت یا منفی۔

ارشاد ہوتا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ☆ (النساء:۶۵)

تو (اے محبوب ﷺ) آپ ﷺ کے رب کی قسم وہ مومن نہ

Marfat.com

ہوں گے جب تک اپنے جھگڑے میں آپ ﷺ کو حاکم نہ بنالیں
پھر جو آپ ﷺ فیصلہ کریں اس کے خلاف اپنے دل میں کسی قسم
کی تنگی نہ پائیں۔ اور اسے پوری طرح تسلیم کرلیں۔"

مومن کے لئے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اسی طرح فرض ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت فرض ہے۔ کیونکہ جو شخص رسول اللہ کی اطاعت کرتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کرتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ جس بات کا حکم دیتے ہیں اور جس چیز سے منع فرماتے ہیں وہ احکامات تو اللہ تعالیٰ کے ہیں، لہٰذا جو حضور ﷺ کی اطاعت کرتا ہے وہ بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگا ہوتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہی میں نجات دائمی ہے، کیونکہ عبادت الٰہی کے متعلق جو انسان کی ساری زندگی کو محیط ہے رسول اللہ ﷺ ہی سے آگہی حاصل کرنا ہوگی اور ہمارے لئے رسول اللہ ﷺ ہی واحد وسیلہ ہیں جن سے ہمیں عبادت اور اطاعت الٰہیہ کا علم ہو سکتا ہے باقی سب وسیلے اور راستے فضول اور گمراہ کن ہیں۔

ہدایت تو حضور ﷺ کی اطاعت ہی سے وابستہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا

"اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو ہدایت پر آجاؤ گے۔"

اللہ تعالیٰ جب انسان کو رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دیتا ہے تو روگردانی تو صرف گمراہ اور منافق لوگ ہی کرتے ہیں قلبِ سلیم رکھنے والا انسان تو فوراً اپنی زندگی کو اسوہ حسنہ کے مطابق ڈھال کر سنوار لیتا ہے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا (النساء:۶۱)

"اور (اے پیغمبر اسلام) جب ان لوگوں کو اللہ کے حکم کی طرف

Marfat.com

جو اس نے نازل کیا ہے اور رسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تو تم منافقوں کو دیکھتے ہو کہ تم سے روگردانی کرتے ہیں۔"

سر تسلیم خم کرنے والا شخص تو روگرانی نہیں کر سکتا۔ آیئے یہاں بھی تھوڑا سا غور و فکر کر لیں کہ: آیا ہم قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتے ہیں؟ اگر کرتے ہیں تو کس قدر؟ کیا ہم روگردانی تو نہیں کر رہے؟ سوچنے کا مقام ہے۔ ہمیں اپنا محاسبہ کر لینا چاہئے۔

اور یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ ہی ہمارے لئے وسیلہ نجات ہیں۔ وہی ہمارے ہادی و راہنما ہیں وہی صاحب شریعت ہیں انہی سے ہمیں پتہ چلا کہ ہمارا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے وہی محسن انسانیت ہیں اور وہی واجب الاطاعت ہیں۔ وہی ایک ایسی ہستی ہیں جن کا اسوۂ حسنہ دنیا کے ہر شخص کے لئے قابلِ تقلید ہے خواہ وہ شخص کسی بھی تہذیب، کسی بھی ملک و قوم سے تعلق رکھتا ہو۔

آپ ﷺ ہی نے ہمیں بتایا-- حلال کیا ہے؟ حرام کیا ہے؟ معروف کیا ہے! منکر کیا ہے؟ حق و باطل میں فرق کیا ہے؟ دین اور سنت کیا ہیں؟ بدعت کیا ہے! شرک و کفر کس چیز کے نام ہیں۔ مومن اور منافق میں کیا فرق ہے؟ زندگی کیسے بسر کرنی چاہئے؟ عبادت، سیاست، تجارت، معیشت، سخاوت، شجاعت، معاشرت اور جہاد، یہاں تک کہ تمام شعبہ ہائے زندگی کے مفہوم کو ہمارے لئے کھول کھول کر پیش کیا۔ ہمارے ہادی کی زندگی صاف و شفاف ہے۔ پیدائش سے لے کر بچپن تک، بچپن سے لے کر جوانی تک، جوانی سے لے کر بڑھاپے تک، اور بڑھاپے سے لے کر وصال تک رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کا گوشہ گوشہ ہمارے سامنے ہے۔

آیئے آج عہد کریں-- کہ زندگی گزارنے کا ڈھنگ اپنے ہادی سے سیکھیں گے ادھر ادھر نہ پھریں گے ورنہ ہم اندھیروں میں بھٹکتے رہ جائیں گے۔

Marfat.com

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا☆ (الاحزاب:۲۱)

"بیشک تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے۔ اس کے لئے جو اللہ اور آخرت کے دن کا امیدوار ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔"

اطاعتِ رسول اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی واحد عملی صورت ہے۔ رسول ﷺ کی اطاعت اس لئے ضروری ہے کہ وہی ایک مستند ذریعہ ہے جس سے ہم تک اللہ تعالیٰ کے احکامات پہنچتے ہیں۔ ہم اللہ کی اطاعت صرف اس طرح کرسکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی اطاعت رسول اللہ ﷺ کی سند کے بغیر درست نہیں اور اطاعت رسول ﷺ سے روگردانی اللہ تعالیٰ کے خلاف بغاوت کے مترادف ہے حضور ﷺ نے فرمایا، من اطاعنی فقد اطاع الله ومن عصانی فقد عصی الله۔ "جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔"

خویش را بمصطفےٰ رساں کہ دین ہمہ اوست
گر بہ او نہ رسی تمام بولہبیست

حبِ رسول ﷺ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلنَّبِىُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (الاحزاب:۶)

"یہ نبی (ﷺ) مومنوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ کا حق اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے اولیٰ ہے اور آپ کا مسلمانوں سے جو تعلق ہے وہ دوسرے تمام انسانی تعلقات سے بالاتر ہے۔

Marfat.com

حضور اور اہل ایمان کے درمیان جو رشتہ اور تعلق ہے اس سے کسی دوسرے رشتے اور تعلق کی ذرہ برابر بھی کوئی نسبت نہیں۔ والدین اپنی اولاد کے لئے سب سے بڑھ کر شفیق اور رحم دل ہوتے ہیں لیکن نبی رحمت ﷺ کی شفقت اور رحمت والدین سے بھی بڑھ کر ہے۔ دنیا کے سب رشتے ٹوٹ جانے والے ہیں، ماں باپ بیوی بچے بہن بھائی عزیز واقارب بسااوقات نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔ گمراہ کر سکتے ہیں۔ بری راہ پر لگا سکتے ہیں۔ آج ہم دیکھتے ہیں باپ بیٹے کے خلاف ہے بیٹا باپ سے روٹھا ہوا ہے۔ بیوی بچے بہن بھائی سب خود غرض ہو جاتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے سے دریغ نہیں کرتے۔۔ لیکن نبی کریم ﷺ سے مومنین کا جو رشتہ ہے وہ اس قدر پختہ ہے کہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (النساء:۶۴)

"اور جب یہ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں (اور میرے رسول ﷺ)
یہ آپ ﷺ کے پاس آجائیں اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی
چاہیں اور رسول ﷺ بھی ان کے لئے شفاعت فرمائے تو وہ اللہ
کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔"

رسول ﷺ تو مومنین کے لئے رؤف اور رحیم ہیں وہ امت کو تکلیف میں نہیں دیکھنا چاہتے آپ ﷺ کی شان تو یہ ہے کہ کافر بھی آپ ﷺ کی رحمت سے بہرہ ور ہوتے رہے ہیں۔ ان کے لئے بھی آپ ﷺ کا دامن رحمت کھلا رہتا تھا۔ کافر پناہ لیتا ہے تو خود اس کی مہمان نوازی فرماتے ہیں۔ کافر قتل کے ارادے سے آتا ہے تو جواب میں مغفرت پاتا ہے۔ کافر پتھر مارتے ہیں، لہولہان کر دیتے ہیں تو دعائیں ملتی ہیں۔ آپ ﷺ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر **لاتثریب علیکم الیوم** کے

Marfat.com

بے مثال الفاظ زبان مبارک سے مژدہ جانفزا سناتے ہیں--کافروں کے لئے یہ حال ہے تو امت کے لئے آپ کی شفقت اور رحمت کا کیا حساب ہو گا۔ اس کا اندازہ اس آیت سے لگائیے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ:۱۲۸)

"بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول ﷺ جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں گزرتا ہے وہ تمہاری بھلائی کے بہت چاہنے والے ہیں۔ ایمان والوں کے لئے رؤف ورحیم ہیں۔"

اتنی شفقت اور کمال مہربانی امت کے ایمان والوں پر فرمانے والے مشفق رسول تو پھر اہل ایمان کو بھی چاہئے کہ نبی کریم ﷺ کو اپنی جانوں، اپنے والدین، اولاد اور مال و دولت سے بھی بڑھ کر عزیز رکھیں۔ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ آپ ﷺ سے محبت رکھیں۔ محبت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ انسان جس سے محبت کرے اس کے ہر قول و فعل سے اسے محبت ہو اور وہ اس کے ایک اشارے پر اپنی جان بھی قربان کرنے سے دریغ نہ کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اپنے دعویٰ محبت میں جھوٹا ہے۔ زبانی زبانی خواہ ہم کتنی بار بھی کہتے رہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کریم ﷺ سے بے حد محبت رکھتے ہیں اس کی کوئی وقعت نہیں ہو گی۔ جب تک عملی طور پر اس کا اظہار نہیں کرتے۔ ہمارا ایسا دعویٰ فضول اور کھوکھلا ہو گا بلکہ ایسا دعویٰ کرنا ہی گناہ ہے۔

نبی کریم ﷺ کی محبت کے بغیر تو انسان مومن ہو ہی نہیں سکتا۔

سورۃ توبہ میں ارشاد ہے:۔

"اے نبی! کہہ دیجئے، اگر تمہارے باپ اولاد بھائی بیویاں، کنبہ، تمہارا کمایا ہوا مال، تمہاری تجارت جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ

Marfat.com

ہے۔ تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں بہت پسند ہیں۔ یہ سب
چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیاری
ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ جو اللہ کو کرنا ہے تمہارے سامنے
آجائے۔ اللہ فاسقوں پر ہدایت کی راہ نہیں کھولتا۔"

اسلام میں والدین۔ عزیز و اقارب کے بڑے حقوق ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حق سب سے مقدم ہے۔ انہی آیات کے تحت نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی بھی قابل توجہ ہے اور اپنے مومن ہونے یا نہ ہونے کی کسوٹی ہے۔

لا یؤمن احدکم حتیٰ اکونَ احبَّ الیه من والده وولدهٖ والناس اجمعین۔ (بخاری و مسلم)۔

"تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک میں اس
کو اس کے باپ اور اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ
ہو جاؤں۔"

قارئین کرام۔۔۔ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو پڑھ کر ہم یونہی آگے نہ بڑھ جائیں ذرا رکئے، سوچئے، اس ترازو میں اپنے ایمان کو تولئے اس کسوٹی پر اپنے آپ کو پرکھئے اور ان سوالوں کا جواب اپنے دل سے پوچھئے۔

کیا رسول اللہ ﷺ سے ہماری محبت سب سے زیادہ ہے؟

ماں باپ سے بڑھ کر..............؟

بیوی بچوں سے بھی بڑھ کر..............؟

مال و دولت سے بھی زیادہ..............؟

کہیں ایسا تو نہیں کہ رسول اللہ ہمیں کسی بات کی طرف بلائیں اور ہم کان نہ دھریں۔ اور جب بیوی بچے ہمیں کسی بات کی طرف بلائیں تو ہم ہمہ تن گوش ہو

Marfat.com

جائیں--؟اور اپنے آپ کو مومن بھی خیال کرتے رہیں۔

ذرا پھر رک جائیے۔ان سوالوں کو ایک بار پھر پڑھیئے اور دل سے صحیح جواب طلب کیجئے اور اپنے ایمان کا حساب لگا لیجئے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔کہ

بعض نے کہا ہے کہ ایمان کی تکمیل حُبِ رسول ﷺ کے بغیر ممکن ہی نہیں-- لیکن میرا تو ایمان یہ ہے-- کہ ایمان کی ابتداء بھی حُبِ رسول ﷺ کے بغیر ممکن نہیں اگر کسی کے دل میں رسول کی محبت ہو گی تو وہ رسول کی اطاعت کرے گا۔اگر کوئی اطاعت نہیں کرتا تو جان لے کہ اس کے دل میں رسول کی محبت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ محبت کے تقاضے کو پورا نہیں کر رہا۔اس لئے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے اور جب اطاعت نہیں ہو گی تو ایمان کہاں سے آئے گا۔ اس لئے ایمان کی ابتداء محبتِ رسول ﷺ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

اس بات کی وضاحت خود نبی کریم ﷺ نے فرمادی ہے ارشاد ہوتا ہے۔

کل امتی یدخلون الجنة الا من ابیٰ قیل و من ابیٰ قال من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابیٰ

"میرا ہر امتی جنت میں جائے گا سوائے اس کے جو انکار کر دے عرض کیا گیا کہ انکار کرنے والا شخص کون ہو گا؟ارشاد فرمایا۔ جو شخص میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو میری نافرمانی کرے گا وہ انکار کرنے والا ہو گا۔"

عشق رسول ﷺ

عشق کے لغوی معانی ہیں۔"دل کا کسی شے کے ساتھ وابستہ ہو جانا۔" محبت--- ابتدائی انس، توجہ اور وابستگی کا نام ہے۔ لیکن محبت جب شدت اختیار کرتی ہے تو عشق

Marfat.com

کا روپ دھار لیتی ہے اور یہ لفظ کامل وابستگی، شدید کشش اور پر خلوص رغبت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ابن منظور نے "لسان العرب" میں اس کے یہی معانی لکھے ہیں۔

العشق: فرط الحب۔ کہ عشق محبت کی زیادتی کا نام ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں "کہ عاشق کو عاشق اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ شدت آرزو اور محبت سے دبلا ہوتا چلا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک جھاڑی "العشقۃ" جب اسے کاٹ دیا جائے تو دبلی پتلی ہو جاتی ہے۔ اور عشقۃ وہ پودا ہے جو سر سبز و شاداب رہتا ہے لیکن پھر وہ پژمردہ اور زرد پڑ جاتا ہے۔"

عشق --- مجازی اور حقیقی دونوں صورتوں میں رونما ہوتا ہے۔ مجاز اس کا منفی پہلو ہے۔ اور حقیقت اس کا مثبت پہلو۔ بعض نے کہا کہ محبت جب اعتدال سے تجاوز کر جاتی ہے تو عشق بن جاتی ہے۔ لیکن عشقِ حقیقی میں یہ بات نہیں ہے۔ یہاں اعتدال سے تجاوز قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو عشقِ حقیقی ہی مطلوب ہے۔ سطحی محبت کی کوئی وقعت نہیں۔ یہاں شدید محبت کی ضرورت ہے۔ جو باقی سب محبتوں سے فائق تر ہو۔ اور یہی وہ عشق ہے جس کا تقاضا ہمارا دینِ اسلام کرتا ہے۔ بعض واقعات سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ حدِ اعتدال سے تجاوز ہے لیکن حقیقت میں یہ تجاوز نہیں ہوتا یہ عین ایمان کا حصہ ہوتا ہے اور ایسا کرنا ہی عشق کا تقاضا ہے۔

قرآن حکیم میں جو آیت کریمہ عشق کی حقیقت کو واضح کرتی ہے، وہ سورہ بقرہ کی آیت ۱۶۵ ہے جس میں محبت کی اسی شدت کا اظہار ہے جسے عشق کہا جاتا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ۔

"یعنی مومنین کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شدید محبت ہوتی ہے۔" اسی کو عشق کہتے ہیں عام اور سطحی محبت میں ہو سکتا ہے کہ کثافت، منافقت، ریا یا حرص و طمع کا کوئی ذرہ داخل ہو جائے۔ لیکن محبت میں جب پختگی اور شدت آجاتی ہے تو پھر اس میں سوائے خلوص کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ کیونکہ شدت آتی ہی اس وقت ہے جب تمام کثافتیں، ملاوٹیں

Marfat.com

اور ذاتی مفادات یکسر مٹ جاتے ہیں اور خالصتاً وہ کشش وابستگی اور رغبت باقی رہ جاتی ہے جس میں اپنی نفی ہو جاتی ہے اور محبوب کی رضا شامل ہو جاتی ہے۔ پھر عاشق اپنے محبوب پر تن من دھن سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ یہی مقام قرب اور تقوے کا عروج ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سے ایسی ہی شدید محبت مانگتا ہے۔ جسے عرف عام میں عشق کہتے ہیں۔

ایمان کی روح عشق ہے اور عشق کی روح یقین ہے۔ یقین کے تین درجے ہیں۔

ا۔ علم الیقین ۲۔ عین الیقین۔ ۳۔ حق الیقین۔

ا۔ علم الیقین---اپنے علم سے اشیا کے بارے میں واقفیت حاصل کرنا اور اس پر یقین کر لینا۔ مثلاً کتابوں سے پڑھا، کسی معلم یا مرشد نے بتا دیا۔ یہ یقین کا پہلا درجہ ہے۔ ایسے یقین سے وہ عقل پیدا ہوتی ہے جو ہر مسئلے کی ظاہری حالت دیکھتی ہے۔ اور ظاہری نفع و نقصان کے لئے جمع تفریق کرتی ہے۔ مثلاً ایسا کروں یا نہ کروں۔ اتنا مال اللہ کی راہ میں دے دیا تو باقی کم رہ جائے گا۔ یہ عقل حیلہ سازی میں بڑی تیز ہوتی ہے۔ تاویل کر کے جواز کی راہ نکالنے کی کوشش کرتی ہے، چونکہ اس کے سامنے ہر بات کا ظاہری پہلو ہوتا ہے اس لئے اس کے نتیجے میں جو یقین پیدا ہوتا ہے وہ زیادہ پختہ نہیں ہوتا۔ یہی وہ عقل ہے جو عشق کے مقابلے میں پیچھے رہ جاتی ہے۔ یہ سوچتی رہتی ہے اور عشق لبیک کہہ کر جو کرنا ہوتا ہے کر گزرتا ہے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمتہ نے اسی عقل اور عشق کا موازنہ کرتے ہوئے فرمایا تھا---

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

عشق خلیلؑ تو بے خوف و خطر آگ میں کود گیا۔ مگر عقل ابھی تک چھت کے کنارے پر کھڑی سوچ رہی تھی کہ کیا کروں! مومن جب علم الیقین کے مقام پر ہوتا ہے تو اس کے

Marfat.com

قلب کی حالت قلبِ شہید کی ہوتی ہے۔ سورہ قٓ آیت ۳۷ میں اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ

"بیشک اس میں اس کے لئے نصیحت ہے جو دلِ (بینا) رکھتا ہو یا جو توجہ سے (اللہ کی) بات کو سنے۔"

اللہ کی قدرت کی جن نشانیوں کو مومن اپنے ذرائع علوم کے ساتھ جانتا پہچانتا ہے اس سے نصیحت اور عبرت حاصل کر کے غور و فکر کرتا ہے اور اللہ کی باتوں کو غور سے سنتا ہے۔ تو اس نے وہ عقل جو غیاب و جستجو میں کھوئی رہتی تھی اور ظاہری نفع و نقصان کے چکر میں الجھی رہتی تھی پختہ ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس سے یقین کا اگلا درجہ شروع ہونے لگتا ہے۔ جسے عین الیقین کہتے ہیں۔

۲۔ عین الیقین ---- جب علم میں گہرائی اور وسعت پیدا ہوتی ہے اور وہ مشاہداتی ہو جاتا ہے یعنی جو جانتا ہے اسے دیکھ لیتا ہے تو اس کے یقین میں پختگی آ جاتی ہے۔ کہ واقعی جو پڑھا تھا یا سنا تھا وہ سچ ہے۔ کیونکہ آنکھوں نے دیکھ لیا۔ مثلاً جب مومن کو علم الیقین تھا تو اس کا ایمان بالغیب یہ تھا کہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اس کے رسول ہیں۔ اور جب اطاعت کے ساتھ محبت بھی پیدا ہو گئی۔ حجابات اٹھنے لگے اور خواب میں اسے حضور ﷺ کی زیارت ہو گئی تو اس نے دیکھ لیا کہ واقعی حضور ﷺ میرے رسول ہیں۔ میں ان کا امتی ہوں تو اب اس کا یقین۔ عین الیقین میں بدل گیا۔ کہ جو سنا تھا آنکھوں سے دیکھ لیا مومن کو جب یقین کا یہ مقام ملتا ہے تو اس کے اندر بصیرت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا قلبِ شہید، قلبِ منیب میں بدل جاتا ہے۔ سورۃ قٓ آیت ۳۳ میں اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔

مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ

"جو بن دیکھے رحمٰن سے ڈرتا تھا اور جو دلِ گرویدہ لئے ہوئے آیا ہے۔"

Marfat.com

یعنی یادِ الٰہی کی طرف بار بار پلٹنے والا دل۔ جس نے اپنی بصیرت سے رحمٰن کی نشانیوں کو دل کی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ یہی عین الیقین ہے جو قلبِ منیب میں پیدا ہوتا ہے۔ اس وقت محبت میں شدت آنے لگتی ہے۔ مومن قدم قدم پر اپنی نفی کرنے لگتا ہے اور مقامِ رضا کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے آخر وہ یقین کی حدوں کو چھو لیتا ہے۔ تو اس کا یقین، حق الیقین میں بدل جاتا ہے۔

۳۔ حق الیقین --- یہی وہ یقین ہے جو عشق کی روح ہے۔ یہاں ہر شے کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ شکوک و شبہات جو عین الیقین کے مقام پر دور ہونا شروع ہو گئے تھے اب ان کی جگہ یقین ہی یقین نظر آنے لگتا ہے۔ مومن صاحبِ بصیرت بن جاتا ہے۔ اس کا ادراک پختہ ہو جاتا ہے۔ شعور میں ٹھہراؤ آ جاتا ہے اور مومن کا دل گواہی دینے لگتا ہے کہ یہ حق ہے اس پر ڈٹ جا۔ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔ والی کیفیت طاری ہو جاتی ہے قلبِ منیب۔ قلبِ سلیم میں ڈھل جاتا ہے اور اعتراض کرنے والی عقل نکھر نکھر کر عقلِ سلیم بن جاتی ہے۔ اس وقت قلبی یا باطنی ذریعہ علم جسے وجدان کہا جاتا ہے وحی الٰہی کے ساتھ مواصلت پیدا کر لیتا ہے۔ تو یقین محکم حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ مقامِ عشق ہے جہاں قلبِ سلیم برضا و رغبت اظہارِ عشق کرتا ہے۔ اس کی نشاندہی سورۃ الشعراء آیت ۸۹ میں کی گئی ہے۔

اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ

"مگر وہ شخص جو لے آیا اللہ تعالیٰ کے حضور قلبِ سلیم۔"

اسی سے وہ درویشی جنم لیتی ہے جس کے سامنے فغفوری بھی جھک جاتی ہے اور بقول اقبال اسی سے انگارۂ خاکی میں بال و پرِ روح الامین پیدا ہوتے ہیں۔ مومن کے باطن میں ایک قوت پیدا ہوتی ہے جو ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہے اس کے سامنے صرف محبوب

Marfat.com

کی ذات ہوتی ہے اور اس کی رضا اور پھر اس ذات پر یقین اس حد تک ہو جاتا ہے کہ نتائج سے بے پرواہ ہو کر عشق وہ کام کر گزرتا ہے جو سوچنے پرکھنے والی ظاہر بین عقل کو محال نظر آتا ہے۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ عشق اندھا ہوتا ہے یہ بالکل غلط تصور ہے عشق کی نگاہ اتنی تیز ہوتی ہے کہ وہ فوراً حقائق اور محبوب کے مطلوب کو سمجھ لیتا ہے۔ لیکن ظاہر بین عقل نتائج کی اچھائی یا برائی کی جمع تفریق میں ہی وقت ضائع کر دیتی ہے اور مواقع گنوا بیٹھتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے دھکتی ہوئی آگ کے شعلوں میں جل جانے کا خوف نہیں تھا۔ فقط اللہ تعالیٰ کی رضا اور چاہت تھی ان کے عشق نے جل جانے کی پرواہ نہ کی بلکہ فوری فیصلہ دے دیا کہ ابراہیم! اگر جلا دینا ہی رضائے الٰہی ہے تو پھر جل جا۔ کہ اسی میں تیری کامیابی ہے۔ اس موقع پر جبریل علیہ السلام آتے ہیں عرض کرتے ہیں۔ "اے خلیل۔ میں حاضر ہوں۔ میری مدد کی کوئی ضرورت؟" خلیل فرماتے ہیں۔ "جبرئیل مجھے تیری مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔" جبرئیل نے پھر عرض کیا۔ "اللہ کے خلیل! اگر میری مدد اور تعاون کی ضرورت نہیں تو اپنے رب ہی سے دعا کیجئے۔" یہ سن کر پیکر تسلیم و رضا اور عاشق صادق نے فرمایا۔ "حسبی من سوالی علمه بحالی۔" کہ جب وہ میرے حال سے واقف ہے تو مجھے کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے!

آزمائش تھی نا! اس لئے دعا نہیں کی -- پھر کیا تھا، عشق، آتش نمرود میں بے خطر کود پڑا جب عشق نے اپنے یقین کی پختگی کا ثبوت دے دیا، تو حسن ازل کی دلربائیاں بھی بے نقاب ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل پر آگ کو گلزار بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ محسنین کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتا ہے حقیقت یہ ہے کہ جب عشق آتا ہے تو خوف ختم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے فرمایا۔ کہ اولیاء کرام کو نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ غم ہو گا۔ کیونکہ وہ قلبِ سلیم رکھتے ہیں جہاں بڑی سے بڑی آزمائش بھی انہیں نفع و نقصان سے بے پرواہ کر دیتی

Marfat.com

ہے۔ آزمائشیں تو ضرور آتی ہیں لیکن وہ ان میں کامیاب ہو جاتے ہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ مکتوبات شریف میں ایک حدیث لکھتے ہیں۔ کہ حضور علیہ ﷺ نے فرمایا۔ "جب کوئی شخص اللہ سے محبت کرتا ہے تو غم اس کی طرف اس طرح آتے ہیں جیسے پانی ڈھلان کی طرف بہتا ہے۔" آزمائشیں شروع ہو جاتی ہیں کیونکہ یہ اللہ کا اپنے بندوں کے ساتھ وعدہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔ (البقرہ:۱۵۵۔۱۵۶)

"اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے۔ کسی ایک چیز کے ساتھ یعنی خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصانات سے اور خوش خبری سنایئے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں بیشک ہم صرف اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔"

اب یہاں ایک مغالطہ بھی نکل جانا چاہئے کہ اگر عشق فائق ہے تو۔ ۔ کیا عقل جو شعور کا نام ہے اور سوچنے سمجھنے والی قوت ہے، فضول ہے؟ حالانکہ قرآن حکیم میں عقل والوں کے لئے ہی بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی نشانیوں میں غور و فکر کرتے ہیں۔ مثلاً سورۃ النحل میں فرمایا۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔ (آیت:۱۲)

"بیشک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔"

Marfat.com

توپھر جب عشق کے ساتھ عقل کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو عشق کو عقل کی نسبت کامیاب اور برتر کیوں مانا جاتا ہے؟--- گو اس سوال کا جواب کافی حد تک پہلے دیا جا چکا ہے لیکن مزید ابہام اور مغالطے کو یہاں دور کیا جاتا ہے۔ حقیقت میں عشق کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جو متبادل لفظ استعمال کیا ہے وہ "قلب سلیم" ہے۔ یعنی سلامتی والی سوچ رکھنے والا دل۔ اور جو لوگ ایسا دل رکھتے ہیں قرآن نے انہیں اولوالالباب کہہ کر پکارا ہے۔ یعنی عقل سلیم رکھنے والے اور ایسی ہی عقل سلیم رکھنے والے ہیں وہ لوگ جن کا ذکر درج بالا آیت میں کیا گیا ہے۔ ہم جس عقل کو عشق کے مقابلے میں کم تر حیثیت میں لاتے ہیں وہ ایسی عقل ہے جو محض سطحی سوچ رکھتی ہے اور اس کی سوچ کا دائرہ صرف دنیاوی نفع و نقصان تک محدود رہتا ہے۔ اس میں نہ تو آخرت کی بھلائی سامنے ہوتی ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔ وہ عقل تو حاضر، موجود اور زمانہ حال کے بارے میں سوچتی ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے اگر اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی مقصود نہ ہوتی اور صرف حاضر اور موجود نفع اور نقصان مطلوب ہوتا تو پھر آپ کبھی بھی آگ میں گرنا پسند نہ فرماتے۔ بلکہ نمرود کی بات مان لیتے اور اپنی جان بچا لیتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ظاہری نفع و نقصان کے بارے میں سوچنے والی عقل تو عقل سلیم میں ڈھل چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جہاں بھی عقل والوں کا ذکر کیا ہے وہاں وہ سطحی سی عقل رکھنے والے مراد نہیں ہیں۔ بلکہ عقل سلیم رکھنے والے مراد ہیں۔ جن کی سوچ عشق کی بھٹی میں تپ کر کندن بن چکی ہوتی ہے۔

یہ تو تھا عشق کا مفہوم اور اس کی تشریح۔ اب بات کی جاتی ہے عشق کے اس تعلق کی جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے۔ یعنی عشقِ رسول ﷺ۔

Marfat.com

بقول علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ---

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر

وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیٓ وہی طٰہٰ

واقعی نگاہِ عشق میں وہی اول ہیں اور وہی آخر۔ کیونکہ حضور سرور کائنات ﷺ کی ذات بابرکات پوری کائنات اور اس میں موجود تمام مخلوقات سے افضل بہترین اور بے مثل تخلیق ہیں کہ حضور ﷺ کی مثل اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی تخلیق نہیں کیا۔ نہ عرش نہ فرش نہ لوح نہ قلم نہ کرسی اور نہ کوئی مقرب فرشتہ نہ جن وانس میں سے کوئی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے سب سے اول حضور ﷺ ہی کے نور کو تخلیق کیا اور دنیا میں رشد و ہدایت کی تکمیل کے لئے سب انبیاء ورسل کے آخر میں اپنی بہترین تخلیق کو بہترین کتاب اور بہترین شریعت دے کر بہترین امت کے لئے بہترین زمانے میں مبعوث فرمایا۔ لہٰذا ہر ذی روح پر یہ واجب ہو چکا ہے کہ وہ خالق کی بہترین تخلیق کو پسند کرتے ہوئے خلوصِ قلب سے محبت کرے اور یہ محبت تمام محبتوں سے بڑھ کر ہو۔ یہی عشقِ رسول ﷺ ہے کہ تمام محبتیں حضور ﷺ کی محبت پر قربان کر دی جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسالت مآب ﷺ کا مسلمانوں کے ساتھ اور مسلمانوں کا حضور ﷺ کے ساتھ جو گہرا تعلق ہے وہ دوسرے تمام تعلقات سے بالاتر ہے۔ والدین، بیوی بچے۔ عزیز و اقارب اور دوست احباب کتنے ہی خیر خواہ کیوں نہ ہوں لیکن وہ کسی وقت بھی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ان کی خیر خواہی اور تعلق کوئی اتھارٹی نہیں۔ یہ کسی وقت بھی دشمنی میں بدل سکتی ہے۔ یہ گمراہ کر سکتے ہیں۔ غلطیاں کروا سکتے ہیں دھوکا دے سکتے ہیں۔ دین و دنیا برباد کر سکتے ہیں یہاں تک کہ ایمان بھی ضائع کر سکتے ہیں۔ مگر جانِ رحمت حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس سے ایسی کسی بات کا گمان تک نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ تو---

بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ--- ہیں۔

Marfat.com

ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر سے پوچھا۔ "عمر! تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے؟" کتنا محبت بھرا انداز ہے حضور ﷺ کا!! اور آپ ﷺ کس قدر اپنائیت سے پوچھ رہے ہیں -- کہ اے عمر! تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے؟"

حضرت عمر نے عرض کیا۔ "یارسول اللہ! آپ ﷺ مجھے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔" حضور ﷺ نے مزید دریافت فرمایا۔ "کیا اپنی جان سے بھی زیادہ؟" اس پر حضرت عمر نے قدرے توقف کیا۔ دل سے پوچھا، سچی بات بتائی۔ عرض کیا۔ "ہاں! یارسول اللہ۔ آپ ﷺ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔" یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا۔ "اب تم مقام مطلوب تک پہنچے ہو۔"

ایسا عشق جب محبوبِ کبریا سے ہوتا ہے تو پھر حضرت ابوبکر کو مقامِ صدیق تک عروج ملتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو الفاروق کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ پھر حضرت عثمانِ غنی سے فرشتے بھی حیا کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حیدر کرار سے المرتضٰی بن جاتے ہیں۔ یہی وہ عشق رسول تھا جس کی بدولت حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک حبشی غلام سے مؤذن رسول ﷺ بن گئے۔

اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی
نماز اس نظارے کا اِک بہانہ بنی (اقبال)

یہ عشق کا جذبہ ہی تھا کہ جب دہکتے انگارے پشتِ بلال کو جلاتے تو ان کی زبان سے احد احد کی آواز نکلتی، عاشقوں نے عشق کی بڑی بڑی داستانیں رقم کیں۔ سیدنا صدیق اکبر کا حضور ﷺ کے ساتھ اس وقت غار ثور میں تین راتیں گزارنا جب کہ پورا مکہ جانی دشمن تھا۔ پھر ہجرت کے پر خطر سفر میں اپنے محبوبِ کریم کا ساتھ دینا جان جوکھوں کا کام تھا۔ مدینہ منورہ میں غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول کریم ﷺ کے ارشاد پر گھر کا سارا سامان یہاں تک کہ سوئی دھاگہ اور تن کے کپڑے تک حضور ﷺ کے قدموں

Marfat.com

میں ڈھیر کر دیئے خود ٹاٹ کا لباس جسم پر لپیٹ کر حاضر خدمت ہوتے ہیں۔ ادھر حضور ﷺ بھی منتظر تھے کہ صدیق کس شان سے آتا ہے۔ ہجرت کی رات جان مانگی تو جان پیش کر دی۔ تبوک کے موقع پر مال مانگا تو سارا مال پیش کر دیا۔ جب حضور ﷺ نے پوچھا۔۔"صدیق۔ اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑا ہے؟" عرض کیا۔ "اللہ اور اس کا رسول ﷺ کافی ہے۔" یہ سب کیا ہے؟ یہ عشق ہی ہے۔ یہ وہ شدید محبت ہے جو مومن کے دل میں ہوتی ہے۔ جس کی بدولت وہ اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول ﷺ بس

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام قبول کرتے ہیں تو سیدھے خانہ کعبہ جاتے ہیں۔ کفار و مشرکین کی بھری مجلس میں اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتے ہیں اور حضور ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ پرواکئے بغیر کہ مشرکین کے یہ خونخوار درندے میرے دشمن بن کر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ آپ مکے میں بڑی جرأت کے ساتھ مشرکین کا مقابلہ کرتے رہے۔ اور ان کی تکلیفیں برداشت کرتے رہے۔ مدینہ منورہ میں جب ایک مرتبہ حضور ﷺ نے مسلمان اور یہودی کے درمیان ایک تنازعے پر یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ حضور ﷺ کے اس فیصلے پر مسلمان مطمئن نہ ہوا وہ یہودی کو لے کر حضرت عمر کے پاس گیا کہ دوبارہ فیصلہ کرایا جائے۔ حضرت عمر نے جب سنا کہ یہ "مسلمان" رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر راضی نہیں ہوا تو اندر سے تلوار لے آئے اور فرمایا۔ "تو منافق ہے کہ میرے محبوب ﷺ کے فیصلے کو جھٹلاتا ہے تو سن! حضور ﷺ کے فیصلے کے بعد عمرؓ کا فیصلہ یہ ہے۔" تلوار ماری اور اس منافق کی گردن اڑا دی۔ عشق نے دل میں یہ یقین پیدا کر دیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ حق

Marfat.com

ہے۔ اور اس فیصلے کو تسلیم نہ کرنے والا منافق ہے۔ پس اس کی سزا یہی ہے کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی فوراً حضرت عمر کے فیصلے کی تصدیق کرتے ہوئے وحی نازل کر دی کہ ۔۔۔

"(اے محبوب ﷺ) پس نہیں، تیرے رب کی قسم یہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہیں جب تک اپنے تنازعات میں آپ ﷺ کو حاکم تسلیم نہ کریں اور جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس کئے بغیر سر تسلیم خم نہ کر دیں۔" (سورۂ نساء)

اتنا فوری اور بڑا فیصلہ کرنا اور بھرپور یقین کے ساتھ یہ سب عشق ہی تو ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اولین اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ حضور ﷺ کا عاشق بننے کے بعد بے پناہ سختیاں برداشت کیں۔ مدینہ منورہ میں محبوب کریم ﷺ کے ایک اشارے پر میٹھے پانی کا کنواں خرید کر مسلمانوں اور اہل مدینہ کے لئے وقف کر دیا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر ایک ہزار اونٹ مع سامان ستر گھوڑے اور دس ہزار دینار نقد حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کئے۔ اس وقت یہ خیال نہ آیا کہ مَیں دیوالیہ ہو جاؤں گا۔ اتنی دولت تجارت سے نکال دی تو کاروبار ٹھپ ہو جائے گا۔ نہیں نہیں۔ یہ عشق تھا۔ جو یقین کی حدوں کو چھو گیا تھا۔ دل سے آواز اٹھ رہی تھی۔ "عثمان۔ یہ تو دنیا کا مال ہے۔ محبوب ﷺ کے اشارے پر تو جان بھی قربان کی جا سکتی ہے۔" اور پھر جان کی قربانی دے کر دنیا کو دکھا دیا کہ عاشق ایسے ہی ہوتے ہیں۔ صرف اس بات پر جان دے دی کہ حرم مدینہ میں خون خرابہ نہ ہو اور میری ایک جان کی خاطر ہزاروں جانیں ضائع نہ ہوں، دیارِ رسول ﷺ کا ادب اس حد تک ملحوظ خاطر رکھا کہ جہاں اونچی آواز میں بولنا بھی گناہ اور بے ادبی ہے وہاں اپنی جان بچانے کے لئے جنگ و جدل کا حکم نہیں دیا۔ واہ عاشقِ رسول ﷺ تیری ادا پر قربان!

Marfat.com

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ساری زندگی حضور ﷺ کی خدمت کے لئے وقف کردی تھی۔ صرف تیرہ سال کی عمر ہی میں عشقِ رسول ﷺ اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ جب خاندان کے لوگوں کو رسالت مآب ﷺ نے گھر بلا کر دعوتِ اسلام دی اور فرمایا۔ "میں وہ چیز لایا ہوں جو دنیا و دین کی فلاح و بہبود کی ضامن ہے اس بار گراں کو اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا۔"

اس وقت خاندان کے بڑے بڑے بزرگ افراد کے سامنے ایک تیرہ سالہ لڑکے کی قوتِ ایمانی، یقین محکم اور جرأتِ اظہار پر لوگ حیران رہ گئے۔ سب خاموش رہے اگر کوئی آواز آئی تو تیرہ سالہ لڑکے کی آواز تھی-- "گو میری آنکھیں دکھتی ہیں۔ میری ٹانگیں کمزور ہیں لیکن میں آپ ﷺ کا ساتھ دوں گا۔"

اتنی چھوٹی عمر میں سارے خاندان کی مخالفت مول لینا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ لیکن عشقِ رسول ﷺ کی وجہ سے یقین اس حد تک تھا کہ حضور ﷺ جو پیغام لے کر آئے ہیں وہ جھوٹ نہیں ہے۔ جہاں خاندان کے بڑوں کی عمر۔ تجربہ اور عقل کام نہ کر سکی وہاں تیرہ سالہ لڑکے کی بصیرت حضور ﷺ سے شدید محبت اور عشق نے اپنا کام کر دکھایا۔ کہ یہی حق ہے اس کا ساتھ دو۔ خاندان کی مخالفت کی آگ میں بے خطر کود جاؤ کہ یہی دائمی حیات اور سعادتِ دارین ہے۔

ہجرت کی رات جب زہر میں بجھی ہوئی بارہ تلواریں کاشانہ نبوت کو گھیرے ہوئے تھیں۔ حضرت علی حضور ﷺ کے بستر پر آپ ﷺ کی چادر مبارک اوڑھے لیٹے ہوئے ہیں اس خطرے سے بے پرواہو کر کہ اگر ان دشمنوں نے اندر آکر حملہ کر دیا تو جان نہ بچ سکے گی۔ عشق رسول ﷺ نے یقین اس حد تک پختہ کر دیا تھا کہ مجھے کوئی خطرہ نہیں کہ محبوب کریم ﷺ جاتی دفعہ فرما گئے تھے۔ "فکر نہ کر نا دشمن تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔" عقل کا تقاضا یہ تھا کہ گھر میں اکیلے سونا خطرے سے خالی

Marfat.com

نہیں۔ جان جا سکتی ہے۔ مگر عشق نے کہا۔ "تجھے یقین نہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا کہ تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا تو بس نہیں پہنچے گا۔ بے فکر لیٹ جا۔" رسالت پر جب ایمان لے آئے تو وہ ایمان عشق میں ڈھل گیا اور عشق نے یقین کو پختہ کر دیا۔ یہاں نتائج کی ظاہری صورت نہیں دیکھی جاتی محبوب کی رضا سامنے رکھی جاتی ہے۔

عاشق رسول حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو ان کا آقا تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر سخت اذیتیں دیتا۔ جب حضور ﷺ کا وہاں سے گزر ہوتا تو وہ اپنے محبوب ﷺ کے رخِ انور کو دیکھ کر روتے روتے مسکرا دیتے دکھ بھول جاتے۔ عاشق کا یہی حال ہوتا ہے۔ کہ جب وہ اپنے محبوب کو دیکھتا ہے تو سارے دکھ بھول جاتا ہے۔ حضرت عمارؓ کی حالت دیکھ کر حضور ﷺ فرماتے۔ "اے آلِ یاسر! صبر کرو تمہارے واسطے جنت ہے۔"

طائف سے واپسی پر حضور نبی رحمت ﷺ پر طائف والوں نے پتھر برسائے۔ آپ کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنے محبوب پر ڈھال بن گئے۔ وہ اپنی پشت پر پتھروں کو روکتے۔ سر پر چوٹیں آئیں جسم لہولہان ہوا۔

غزوۂ احد میں حضرت طلحہ اور حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہما نے اپنے ساتھیوں سمیت حضور ﷺ کے گرد حلقہ باندھ لیا۔ اور اپنی پشت اور ہاتھوں پر دشمن کے تیروں کو روکا۔ جسم چھلنی ہو گئے۔ حضرت طلحہ کا ہاتھ ناکارہ ہو گیا۔ مگر اپنے محبوب ﷺ کو کوئی نقصان نہ پہنچنے دیا۔ اسی غزوۂ میں ایک عورت کا باپ، بھائی اور شوہر تینوں شہید ہو گئے۔ جب مدینہ منورہ میں اسے اطلاع ملی تو اس نے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ بخیریت ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ہاں خیریت سے ہیں۔" وہ بولی مجھے دکھاؤ۔ تاکہ میں خود رخِ انور کی زیارت کرلوں۔ جب اس نے آپ ﷺ کو دیکھا تو مطمئن لہجے میں بولی۔ کل مصیبۃ بعدک جلل۔ یعنی "آپ ﷺ سلامت ہیں تو اس کے بعد ہر

Marfat.com

مصیبت آسان ہے۔" یہ ہے عشق کا تقاضا اور اس کا حق۔ حضور ﷺ کو سلامت دیکھ کر اپنے باپ بھائی اور یہاں تک کہ اپنے شوہر کا غم بھی بھول گئی۔ اس نے یہ نہ سوچا کہ بیوگی کی زندگی کیسے گزرے گی؟ میرا سہارا کون ہو گا؟ مجھے کما کر کون کھلائے گا؟ اسے فکر ہوتی تو -- صرف رسول اللہ ﷺ کی -- ہم بھی ذرا سوچیں اپنا حساب لگائیں کیا ہماری بھی ایسی ہی حالت ہے؟

غزوۂ احد کے بعد قبیلہ ہذیل کے لوگ حضرت خُبیب بن عدی اور حضرت زید بن دشنہ کو اغوا کر کے مکہ لے گئے۔ حضرت زید کو شہید کرنے کے لئے لایا گیا تو ابو سفیان نے ان سے پوچھا۔ "اے زید! تجھے اللہ کی قسم سچ سچ بتانا کہ کیا تم یہ پسند نہ کرو گے کہ تمہارے بجائے محمد (ﷺ) کی گردن ماردی جائے اور تم اپنے اہل و عیال کے پاس خوش و خرم زندگی بسر کرو۔"

عاشق رسول ﷺ حضرت زید نے فرمایا۔۔ تُو یہ بات کرتا ہے معاذ اللہ میں تو یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ محمد ﷺ کے پائے اقدس میں کانٹا بھی چبھ جائے۔

ابو سفیان نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "جیسا میں نے محمد (ﷺ) کے ساتھیوں کو محمد (ﷺ) کا گرویدہ دیکھا ہے کسی کو ایسا نہیں دیکھا۔" اس کے بعد ایک ظالم نے حضرت زید کے دل پر نیزہ مارا جو دل کے آر پار ہو گیا۔ آپ نے اللہ اکبر کی صدا بلند کی اور شہید ہو گئے۔

اسی طرح ان کے ساتھی عاشق رسول حضرت خبیب کی شہادت بھی عشقِ رسول کی داستانوں میں شمار ہوتی ہے۔ شہید کرنے سے پہلے حضرت خبیب کو دو اڑھائی ماہ قید رکھا گیا۔ یہ ماویہ کا گھر تھا جو بعد میں مسلمان ہو گئی تھیں۔ وہ بیان کرتی ہیں۔ "کہ میں نے خبیب سے بہتر کوئی قیدی نہیں دیکھا، وہ رات کے پچھلے پہر ایسی رقت آمیز آواز میں قرآن کی تلاوت کرتے کہ قریش کی عورتیں سن کر بے اختیار رویا کرتی تھیں ایک

Marfat.com

دن میں نے دروازے سے جھانک کر دیکھا تو حیران رہ گئی کہ خبیب جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے ان کے ہاتھوں میں انگوروں کا ایک بڑا گچھا ہے اور وہ اس میں سے انگور کھا رہے ہیں۔ حالانکہ یہ انگور کا موسم نہیں تھا۔ اس کے بعد اکثر میں نے انہیں انگور کھاتے دیکھا۔"

اگر اللہ تعالیٰ نے بے موسم پھل حضرت مریم علیہا السلام کو عطا فرمائے تھے تو حضور علیہ کے جاں نثار صحابی جن کی محبت نے عشق کا روپ دھار لیا تھا ان کے لئے بھی جنت سے انگور آ سکتے تھے۔ یہ اللہ کا رزق تھا جو وہ اپنے بندوں کو عطا فرمایا کرتا ہے۔

شہادت کے روز جب مشرکین حضرت خبیب کو تنعیم کے مقام پر لائے تا کہ انہیں قتل کر دیں تو آپ نے دو رکعت نفل پڑھنے کی اجازت مانگی۔ نفل پڑھنے کے بعد آپ کو سولی کے تختے پر کھڑا کر دیا گیا لوگوں کا ایک جم غفیر تھا۔ جو تنعیم کے میدان میں امڈ آیا تھا۔ تا کہ اس عاشق رسول کی شہادت کا تماشا دیکھیں۔ ڈھول بج رہے تھے، تالیاں بجائی جا رہی تھیں۔ ظالم اپنے ظلم پر خوش ہو رہے تھے۔ حضرت خبیب نے سولی کے تختے پر کھڑے ہو کر درد بھرے اشعار پڑھے۔ پھر دعا مانگی کہ "اے اللہ میرے اس حال کی خبر میرے محبوب علیہ کو بھی کر دے۔" حضرت خبیب نے اپنے محبوب کریم علیہ کی بارگاہ میں سلام پیش کیا۔ عین اسی وقت جب کہ حضور سرور کائنات علیہ مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کے پاس رونق افروز تھے۔ کہ جبرئیل امین بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے ہیں نزول وحی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور حضور علیہ فرماتے ہیں۔ "علیك السلام یا خبیب" علیک السلام یاخبیب۔ یعنی "اے خبیب تجھ پر سلام ہو۔" صحابہ حیران ہو گئے۔ کہ حضور علیہ کیا ارشاد فرما رہے ہیں پھر آپ علیہ نے فرمایا۔ "خبیب کو دشمنوں نے قتل کر دیا یہ جبرئیل علیہ السلام مجھے اس کا سلام پہنچا رہے ہیں۔" پھانسی کا پھندا جب گلے میں ڈال دیا گیا۔ کافروں نے آپ سے بھی وہی سوال پوچھا جو

Marfat.com

ابو سفیان نے حضرت زیدؓ سے پوچھا تھا۔ "کیا تمہیں پسند ہے کہ محمد (ﷺ) کو تمہاری جگہ سولی دے دی جائے اور تم اپنے گھر آرام کرو۔" (نعوذ باللہ)

حضرت خبیبؓ نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت زیدؓ نے دیا تھا۔ کہ "اللہ کی قسم مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد ﷺ کے پائے مبارک میں کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے گھر آرام کروں؟" بس پھر کیا تھا۔ ظالموں نے نیزے مار مار کر جسم چھلنی کر دیا۔ ایک مشرک نے سینے میں نیزہ مارا جو آر پار ہو گیا۔ اس طرح حضور رسالت مآب ﷺ سے والہانہ عشق رکھنے والے خبیبؓ نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اگر یہاں حضور ﷺ کی ایک صحابیہ حضرت ام عمارہؓ کا ذکر نہ کیا جائے تو تشنگی رہ جائے گی۔ ام عمارہ بھی غزوۂ احد میں شریک تھیں، انہوں نے اس وقت جب مجاہدین انتشار کا شکار ہوئے اور حضور ﷺ کے پاس گنتی کے چند جاں نثار رہ گئے۔ ایسی شجاعت، جرات اور جانبازی کا مظاہرہ کیا کہ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ "احد کے دن میں دائیں بائیں جدھر نظر ڈالتا ام عمارہ ہی لڑتی نظر آتی تھیں۔" آپ زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں دیکھا کہ دشمن پلٹ کر حملہ آور ہو رہا ہے۔ فوراً مشکیزہ پھینک دیا، تلوار اور ڈھال لے کر آگے بڑھیں۔ حملہ آوروں میں دو کافر جب حضور ﷺ کی طرف بڑھے تو ام عمارہؓ اور ان کے بیٹے عبداللہؓ نے سخت مقابلہ کر کے دونوں کو جہنم رسید کر دیا۔ بیٹا زخمی ہوا تو فوراً زخم باندھ دیا اور فرمایا۔ "بیٹا جاؤ آگے بڑھو جب تک دم میں دم ہے خوب لڑو۔" کافر حضور ﷺ کے گرد دائرہ تنگ کر رہے تھے۔ اتنے میں ابن قمیہ کی تلوار حضور ﷺ کے خود پر پڑی تو خود کی دو کڑیاں رخسار مبارک میں پیوست ہو گئیں۔ ام عمارہؓ نے دیکھا تو غضبناک ہو کر ابن قمیہ پر حملہ آور ہوئیں۔ وہ قریش کا

Marfat.com

نامی گرامی شہسوار تھا مگر حضور علیہ السلام پر جان قربان کر دینے والی صحابیہ بالکل خوفزدہ نہ ہوئیں تلوار کا وار کیا جو اس کافر کی دوہری زرہ پر لگا۔ ابن قمیہ لڑکھڑایا اور جوابی حملہ کیا۔ تلوار کندھے پر لگی۔ شدید زخم آیا لیکن ام عمارہ نے زخمی حالت میں ایسی تلوار چلائی کہ وہ گھبرا کر مڑا اور گھوڑا دوڑا کر بھاگ گیا۔ خون فوارے کی طرح نکل رہا تھا۔ حضور علیہ السلام نے خود پٹی بندھوائی۔ ایک مجاہدہ کا اس قدر دلیری دکھانا اور حضور علیہ السلام پر اپنی جان نچھاور کرنا عشق ہی کا ایک انداز تھا، آپ خاتونِ احد کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ جب حضور علیہ السلام نے کمال شفقت فرماتے ہوئے ان کے حق میں جنت میں اپنی معیت کی دعا کی تو ام عمارہؓ نے خوش ہو کر عرض کیا۔ "یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ علیہ السلام پر قربان! اب مجھے دنیا میں کسی مصیبت کی کوئی پروا نہیں۔"

نواسہ رسول سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے ساتھیوں سمیت میدان کربلا میں جانوں کا نذرانہ پیش کرنا عشق ہی تو تھا۔ ورنہ عقل جس کے سامنے ظاہری نفع و نقصان ہوتا ہے کہتی کہ ٹھیک ہے یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے جانیں بھی بچ جائیں گی اور دنیا میں آرام و سکون بھی مل جائے گا لیکن عشق کے دستور نرالے ہیں۔

دور حاضر کی بھی ایک داستانِ عشق سن لیجئے۔ ابھی کل ہی کی تو بات ہے۔ ایک عاشقِ رسول ناموسِ رسالت پر قربان ہو گیا۔ وہ غازی علم الدین شہید تھا۔۔۔ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ۔ اکیس سال کی قلیل عمر ہی میں عشق نے یقین کی حدوں کو چھو لیا۔ جب اس نے سنا کہ لاہور میں راجپال نامی ایک ہندو نے میرے رسول کریم علیہ السلام کی شان میں ایک گستاخانہ کتاب لکھی ہے۔ تو غیرت ایمانی نے اس گستاخی کو برداشت نہ کیا۔ اس نے سوچا "علم الدین اس گستاخ کو جہنم رسید کر دو اور اپنی اس جوانی کو حضور علیہ السلام پر قربان کر دو۔" نوعمر مجاہد نے خنجر سے وار کر کے کافر کو قتل کر دیا مقدمہ چلا۔ عاشق رسول حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمتہ کے کہنے پر قائداعظم محمد علی جناح نے

Marfat.com

علم الدین کے مقدمے کی وکالت کی۔ مگر انگریز حکومت نے پھانسی کی سزا سنادی۔ آپ کو سنٹرل جیل لاہور سے میانوالی جیل میں منتقل کر دیا گیا، جہاں ۳۱۔اکتوبر ۱۹۲۹ء جمعرات کی صبح پروانہ شمع رسالت جان کا نذرانہ پیش کرنے کا منتظر تھا۔ شہادت سے پہلے آخری خواہش کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے سنت خبیبؓ پر عمل کرتے ہوئے فرمایا۔ "مجھے دو رکعت نفل پڑھ لینے دو۔" تختہ دار پر مسکراتے ہوئے گئے۔

نشانِ مردِ مومن باتو گویم

چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

مرد مومن کی یہی نشانی ہوتی ہے کہ بوقت وصال اس کے لبوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے۔ آپ نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ میت میانوالی سے لاہور لائی گئی۔ جنازے میں ساڑھے چار لاکھ سے زیادہ لوگ شریک ہوئے۔ علامہ اقبال بھی موجود تھے۔ جنازے کی شان دیکھ کر پنجابی زبان میں بڑی حسرت سے فرمایا۔

"اسیں تے گلاں ای کردے رہے تے ترکھان دا منڈا بازی لے گیا۔"

حبیب کبریا سے عشق کرنے والوں کی انوکھی داستانیں ہیں ان کی اپنی دنیا ہے۔ وہ زندگی کے سمندر میں گہرا غوطہ لگا کر گوہر مقصود حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ جذبہ عشق کیا ہے؟ یہ کہاں سے آتا ہے؟ یاد رکھئے یہ کہیں دور سے نہیں آتا۔ ہمارا قلب ہی اس کا منبع و مرکز ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا۔ "یا اللہ تیری طرف آنے کا راستہ کیا ہے؟" آواز آئی دع نفسک و تعالیٰ "اپنے نفس کو چھوڑ اور آجا۔" نفس کی انا کو مار دے۔ ہارنا سیکھ۔ جسے تو جیت سمجھتا ہے یہ جیت نہیں ہے۔ اپنی نفی ہی جیت ہے۔ حضور ﷺ نے ہمیں عشق کی راہ دکھائی ہے ایک مرتبہ فرمایا۔

"ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملا ہے کہ جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کر دو۔ جو تم سے قطع تعلق کرتے تو تم اس سے تعلق کو برقرار رکھو

Marfat.com

اور جو تم کو محروم کر دے تو تم اس کو عطا کرو۔"

یہی جیت ہے۔ دیکھئے حضور ﷺ نے دونوں جہانوں کی جملہ اشیاء دے کر اللہ تعالیٰ کو لے لیا۔ عشق کا یہی دستور ہے۔ عشق کی رمز پہچاننے والے ایک شاعر نے کیا خوب کہا۔

جِتّن جِتّن ہر کوئی کھیڈے تے تُوں ہارن کھیڈ فقیرا
جِتّن دا مُل کوڈی پے سی ہارن دل مُل ہیرا

میاں محمد بخش رحمتہ اللہ علیہ نے عشق کے پورے مفہوم کو ان دو مصرعوں میں بند کر دیا ہے۔ یہی عشق کا راز ہے۔ ہار جا اسی میں تیری جیت ہے۔ لیکن یہ دل عجیب معاملے ہیں جس کی گہرائی کو کوئی ناپ نہیں سکتا۔ حضرت سلطان باہو علیہ الرحمتہ نے اس گہرائی کو بیان کیا ہے۔

دل دریا سمندروں ڈونگے کون دلاں دیاں جانے ہُو

یہ گہرائی عشق کی گہرائی ہے اس کے اندر کون کون سے موتی چھپے ہیں۔ وہ عشق والے ہی جانتے ہیں جمع تفریق کرنے والی عقل کیا جانے!

لیکن عشق رسول کا حاصل کیا ہے؟ یہ ساری داستانیں کن لوگوں کی ہیں؟ ان لوگوں کی جن کی زندگیاں اتباع رسول سے گندھی ہوئی تھیں۔ جن کے شب و روز حضور ﷺ کی یاد میں اور اتباع میں گزرتے تھے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں تاکہ بات آسان ہو جائے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہؓ کرام کی حضور ﷺ کے ساتھ جو والہانہ محبت تھی اس کا عجیب و غریب مظاہرہ ہوا۔ حضور ﷺ وضو کر رہے ہیں تو صحابہ وضو کا پانی زمین پر گرنے نہیں دیتے۔ کوئی منہ پر مل رہا ہے کوئی تبرک کے طور پر کپڑا بھگو رہا ہے کوئی ہاتھوں میں لے رہا ہے۔ ایک بوند بھی زمین پر نہیں گرتی۔ حضور ﷺ نے پوچھا۔"تم

Marfat.com

ایسا کیوں کرتے ہو؟" صحابہ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ۔ ہمیں آپ ﷺ سے محبت ہے۔" حضور ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا۔

"اس محبت کے ساتھ تین کام اور کرو -- بولو تو سچ بولو۔ امانت دار بنایا جائے تو خیانت نہ کرو اور اچھے اخلاق اپناؤ خاص طور پر ہمسائے سے اچھا سلوک کرو۔"

آیئے ذرا صحابہؓ کرام کے عمل اور حضور ﷺ کی نصیحت پر غور کریں۔ صحابہؓ کرام کے عمل سے تو والہانہ محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور حضور ﷺ کی نصیحت سے اطاعت کا پتہ چلتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دونوں باتیں موجود ہوں تو تب بات بنتی ہے یاد رکھئے۔ اگر اطاعت بغیر محبت کے ہے تو یہ منافقت ہے اور اگر محبت بغیر اطاعت کے ہے تو یہ جرم ہے منافقین بھی بظاہر حضور ﷺ کی اطاعت کرتے تھے نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے تھے مگر دل میں حضور ﷺ کی محبت نہیں تھی۔ اور اگر کوئی خالی محبت کے دعوے کرتا ہے لیکن اطاعت رسول نہیں ہے تو وہ مجرم ہے اور جھوٹا ہے اللہ کے ہاں دونوں کی کوئی قیمت نہیں۔ لہٰذا محبت اور اطاعت دونوں عمل ساتھ ساتھ ہونے چاہئیں۔ ترمذی میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ۔ "جس نے میری سنت سے محبت کی حقیقتاً اس نے مجھ سے محبت کی۔" پس حبِ رسول ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سنت پر عمل کیا جائے پھر بات بنے گی۔ پھر عشق رسول پیدا ہوگا۔ اور ہم طبیعت اور دل کی پوری آمادگی کے ساتھ حضور ﷺ کی اتباع کریں گے۔ اس کے لئے میں ایک کلیہ بتائے دیتا ہوں۔ بس یہی کلیہ درِ منزل کھول دیتا ہے۔

اطاعت + محبت = اتباع

اطاعت رسول اور حُبِ رسول ﷺ کی بات پہلے ہو چکی ہے۔ باقی رہی اتباع رسول ﷺ تو یہی عشق رسول ہے اور جب حضور کا عشق مومن کے رگ و پے میں رچ بس جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس بندے کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمالیتا ہے۔ اپنا قرب

Marfat.com

محبت اور رضا و خوشنودی عطا فرماتا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (سورہ آل عمران:۳۱)

"(اے محبوب ﷺ) فرما دیجئے۔ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا تمہاری خطاؤں کو معاف کر دے گا۔ اور اللہ بہت معاف کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔"

پس یہ بات ثابت ہو گئی کہ اللہ کی محبت حضور ﷺ کی اتباع کے ساتھ مشروط ہے اگر ہم حضور کی اتباع کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ ہم سے محبت کرے گا اور ہماری خطاؤں کو معاف کر دے گا۔

اطاعت میں جب حضور ﷺ کی محبت مل جاتی ہے تو وہی محبت عشق میں ڈھل جاتی ہے اور یہ اطاعت سے بھی آگے ایک مقام ہے جہاں بغیر حکم کے اطاعت ہوتی ہے۔ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے عشق کی ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع کے سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ دوران سفر جہاں جہاں حضور ﷺ نے قیام فرمایا نفل ادا کئے۔ استراحت فرمائی یا اور کوئی ضرورت پوری کی ساری زندگی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب بھی حج کے لئے روانہ ہوتے وہاں وہاں قیام کرتے، نفل ادا کرتے، آرام کرتے اور دوسری ضروریات پوری کرتے۔ اب یہاں ایسا کرنے کا کوئی حکم نہیں ہے۔ شریعت کی رو سے یہ عمل سنت میں شامل بھی نہیں ہے کہ لازمی ایسا ہی کیا جائے نہ کوئی واجب ہے نہ فرض۔ یہ کیا ہے؟ یہ اتباع ہے۔ یہ عشق رسول ہے کہ میرے محبوب ﷺ نے یہاں اس درخت کے نیچے قیام فرمایا۔ یہاں وضو کیا یہاں نفل ادا کئے۔ یہاں آرام فرمایا۔

Marfat.com

میں بھی دوران سفر ایسا ہی کروں گا، اب اس مقام پر بغیر حکم کے اطاعت ہو رہی ہے محبت اتنی غالب ہے کہ جنون کا گمان ہوتا ہے لیکن یہاں معاملہ عشق کا ہے۔ دل کی حکمرانی ہے جہاں حق الیقین ہے، عقل سلیم ہے اور عشق حبیب ﷺ ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص دور دراز علاقے سے آیا۔ حضور ﷺ کی صحبت میں بیٹھا تو اسلام قبول کر لیا صحابیت کا درجہ مل گیا اتفاقاً اس وقت حضور ﷺ کا گریبان کھلا تھا۔ اس نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو جس حال میں دیکھا ساری عمر اپنے آپ کو اسی حال میں رکھا اور اپنا گریبان بند نہ کیا اب یہاں بھی حضور ﷺ نے کوئی حکم نہیں دیا تھا کہ ایسا کرنا بس حضور ﷺ کی اک ادا دل کو بھا گئی اور اسی عشق میں ساری عمر گزار دی۔

ایک مرتبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ وضو کر کے مسکرائے۔ لوگوں نے اس بے موقع تبسم کی وجہ پوچھی تو فرمایا۔ "میں نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کو اسی طرح وضو کے بعد مسکراتے دیکھا تھا۔" یہ اتباع رسول ﷺ ہے۔ حضور ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا کھانا پینا سونا اور شب و روز ہر ہر نقش قدم کی پیروی ہر ادا کی نقالی کرنا اسی کا دوسرا نام عشق رسول ﷺ ہے۔ جو کوئی بھی یہ اپنے اوپر لازم کر لے گا وہی اللہ کا محبوب ٹھہرے گا اسی سے اللہ محبت کرے گا--- حضور ﷺ کو کھانے میں کدو بہت پسند تھا۔ اور کچے لہسن اور پیاز سے اجتناب فرماتے تھے۔ تو اب جو کوئی بھی حضور ﷺ کی محبت میں ایسا کرے گا اس پر اللہ کی نظر کرم ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ اتباع کر رہا ہے۔ لیکن نہ تو رسول اللہ ﷺ نے کدو کو پسند کرنے کا حکم دیا ہے اور نہ ہی کچے لہسن اور پیاز کو حرام قرار دیا ہے --- بس پسند ناپسند کی بات ہے۔ کہ محبوب کریم ﷺ کو کون سی بات پسند ہے اور کونسی ناپسند۔ اب بندۂ مومن اور حضور ﷺ کا عشق رکھنے والا مسلمان جب ایک معمولی سی پسند اور ناپسند کا اتنا خیال رکھتا ہے جس کے بارے میں کوئی

Marfat.com

حکم بھی نہیں ہے تو تصور کیجئے کہ وہ فرائض، واجبات۔ سنن، نوافل اور حقوق العباد کے ادا کرنے کے بارے میں کس قدر محتاط ہو گا!! اور سنت رسول پر کس حد تک عمل پیرا ہو گا!!

پس یہی عشق رسول ﷺ ہے اور یہی وہ سرمایہ حیات ہے جو کامیاب زندگی کا ضامن ہے--

اے صراط مستقیم کے مسافر!---- یہی تیرا "زادِ راہ" ہے۔ اس کے بغیر منزل نہیں ملے گی۔

Marfat.com

"زادِراہ" کی حقیقت واضح ہو گئی نا--!

کتنا قیمتی خزانہ ہے یہ--!!

اس کی حفاظت کئے بغیر تو اس راہ کا راہی سفر کر ہی نہیں سکتا۔

آ--اب مَیں تجھے بتاؤں وہ صراطِ مستقیم جس پر۔ تُو نے سفر کرنا ہے۔

جو دشوار گزار گھاٹی کی طرح ہے۔ جہاں نفسانی خواہشات کی خاردار جھاڑیاں بھی ہیں اور شیطانی ترغیبات کی بے شمار قدغنیں قدم قدم پر راستہ روک رہی ہیں...... بڑا بچ بچا کے چلنا پڑے گا۔ پھونک پھونک کر، ہوشیاری کے ساتھ۔ ہر طرف نظر رکھتے ہوئے تیرا دشمن ہر وقت گھات میں ہے وہ تجھے پھسلانے بہکانے اور گمراہ کرنے کا کوئی لمحہ ضائع نہیں کرتا۔

اس سفر میں وہ تیرا "زادِ راہ" چرانے کی کوشش کرے گا، کیونکہ اگر راستے کا سامان ہی پاس نہ رہا تو سفر بے کار ہو جاتا ہے۔ منزل نظر نہیں آتی۔ بھول بھلیوں میں کھویا ہوا مسافر اس راہ کو کاٹنے والی کسی پگڈنڈی پر مڑ جاتا ہے۔ بس پھر وہ پستی کی طرف لڑھکتا چلا جاتا ہے۔ اور ناکامی کی ایسی دلدل میں گر جاتا ہے جہاں سے رہائی مشکل ہو جاتی ہے۔

آؤ-- چلیں اس صراطِ مستقیم پر اور دیکھیں اس راہ کی دشواریاں-- لیکن ان دشواریوں اور رکاوٹوں سے دل چھوٹا نہیں کرنا۔ یاد رکھ-- جو لوگ بھلائی کی تصدیق کرتے ہیں اور اس پر چلنے کا عزم رکھتے ہیں خالق ان کے لئے راہ آسان کر دیتا ہے۔ اور پھر تیرے ساتھ تیرا رہبر بھی تو ہے۔

Marfat.com

باب 4

صراطِ مستقیم

---جس راہ کا تُو راہی ہے---

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا

(ال عمران:۱۰۳)

”اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو سب مل کر اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔“

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَ کَانُوْا شِیَعاً لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُھُمْ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ یُنَبِّئُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۝

(الانعام:۱۶۰)

”بے شک وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا۔ اور ہو گئے کئی گروہ تو (اے محمد ﷺ) آپ ﷺ کا ان لوگوں سے کوئی واسطہ (تعلق) نہیں۔ ان کا معاملہ صرف اللہ ہی کے حوالے ہے۔ پھر وہ آگاہ فرمائے گا انہیں جو (کرتوت) وہ کیا کرتے تھے۔“

Marfat.com

ہمارا اللہ ایک، رسول ایک اور قرآن ایک ہے۔ دین ہمارا اسلام۔ یہ وہ راستہ ہے جو
ایک اللہ کی طرف لے جاتا ہے۔ ایک رسول کی اتباع کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور
ایک قرآن پر عمل کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ خیر خواہی اور سلامتی کا راستہ منزل کی
طرف لے جانے والا سیدھا راستہ۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْماً فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ
عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ☆ (الانعام:۱۵۳)

"اور یہ کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے تم اسی پر چلو۔ اور دوسرے
راستوں پر نہ چلو۔ کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ
کردیں گے یہ ہے وہ ہدایت جو تمہارے رب نے تمہیں کی ہے۔
تاکہ تم کج روی سے بچو۔"

اس آیت کریمہ میں یہ بات کتنی واضح ہے کہ صراط مستقیم کے لئے تو مفرد (واحد) لفظ بولا گیا ہے اور باقی اختلافی راستوں کے لئے "السبل" جمع کا لفظ بولا گیا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ راہ مستقیم ایک ہی ہے اور ضلالت و گمراہی کے راستے بہت سے ہیں۔ اس بات کی مزید وضاحت نبی کریم ﷺ نے فرمادی۔

ہادی برحق ؐ نے صحابہؓ کے سامنے ایک خط کھینچا۔ پھر اس کے دائیں بائیں اور بہت سے خطوط کھینچے۔ اور فرمایا "دیکھو یہ سیدھا خط تو صراط مستقیم ہے اور اس کے دائیں بائیں جو خطوط ہیں وہ سبل اور ناپسندیدہ راہیں ہیں۔ جن کی طرف شیاطین دعوت دیتے ہیں۔" پھر آپ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔ (مسند احمد و نسائی)

اسی طرح سورۂ ہود میں بھی اس کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ "کہ نجات صرف ایک جماعت کے لئے ہے اہل اختلاف کے لئے نجات نہیں۔"

اب آیئے ان آیات پر غور کریں:

Marfat.com

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۔ (الانعام:۱۵۹)

"جن لوگوں نے اپنے دین میں راہیں نکالیں اور بہت سے گروہ بن گئے یقیناً ان سے (اے رسول ﷺ) آپ کا کوئی واسطہ نہیں ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے وہی ان کو بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔"

مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ☆ (الروم:۳۲)

"(اور ان لوگوں میں مت بنو) جنہوں نے اپنے دین میں پھوٹ ڈالی اور گروہوں میں بٹ گئے۔ ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اسی پر خوش ہے۔"

اصل دین ایک ہی ہے جو شروع سے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لئے رائج کیا۔ کہ ایک اللہ ہی ہمارا ربّ ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں یوم حساب بھی آئے گا اور ہمیں اپنے رب کے سامنے اپنے اعمال کا جواب بھی دینا ہے اور ہم نے اسی طرح زندگی بسر کرنی ہے جس طرح اللہ کے رسول ﷺ نے کتابِ ہدایت (قرآن) پر عمل کرتے ہوئے بسر کی ہے یہ ایک ہی دین تھا۔ پھر لوگوں نے خواہشات نفس کے غلبہ سے شیطان کے بہکانے سے عقیدت کے غلو سے اور اپنے قیاس سے اس دین حنیف کو بدلا اور اس سیدھی راہ سے ہٹ کر نئی نئی راہیں نکالیں۔ بدعات کو عروج حاصل ہوا۔ سنت دبتی چلی گئی۔ صراط مستقیم گرد آلود کر دیا گیا اور اس پر بدعات کی خاردار جھاڑیاں بکھیر دی گئیں۔ جس سے اختلافات شروع ہو گئے ہر گروہ اپنے اپنے عقیدے پر ڈٹ گیا اور اسے سچا ثابت کرنے کے لئے قرآن و سنت کی اپنی مرضی سے تاویلیں کرنے لگا اور یوں

Marfat.com

امت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

ایسے اختلافات اور گروہ بندیاں دین میں ایک لمحہ کے لئے بھی قابلِ برداشت نہیں ہیں۔ اسی لئے فرمایا۔ "اے رسول! لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ یعنی ایسی مف جماعت اور دین اسلام میں انتشار ڈالنے والے لوگوں سے آپ کا کوئی تعلق نہیں۔ ان سے کوئی سروکار نہیں۔ گویا یہ مکمل بائیکاٹ کا اعلان ہے اور دین میں پھوٹ ڈال کر فرقہ بندی کرنے والے لوگ تو دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے اور جس سے حضور ﷺ کا تعلق ختم ہو گیا وہ بدنصیب تو کہیں کا نہ رہا۔ سیدھی راہ سے بھٹکنے والوں کا انجام تو ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔

صراطِ مستقیم کی وضاحت کے لئے ہادی برحق ﷺ نے فرمایا۔

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ماتمسکتم بهما کتاب الله وسنة نبیه (موطا امام مالک)

"اے مسلمانو! میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر تم نے ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے ایک تو اللہ کی کتاب (قرآن) ہے اور دوسری اس کے نبی کی سنت۔"

مزید وضاحت: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران: ۱۰۳)

"اور اللہ کی رسی (قرآن) کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔"

اب اگر کوئی اس حکم کو جاننے کے بعد بھی فرقہ بندی میں مبتلا ہو جائے اور اپنے آپ کو مسلمان کہنے کے بجائے اپنے فرقہ کے نام سے وابستہ کرے تو وہ شخص نہ صرف اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہو گا بلکہ اس کی تو یہ حالت ہو گی کہ وہ ببانگ دہل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی

Marfat.com

کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے جرم کا اعلان کر کے اپنے آپ کو مسلمان بھی سمجھتا ہے۔ اس طرح وہ دوہرا مجرم ہوگا۔ لہٰذا یاد رکھیں دین میں فرقہ بندی قطعی طور پر حرام ہے اور اگر کوئی توبہ نہیں کرتا تو اس کا یہ عمل ناقابلِ معافی جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رسی یعنی قرآن حکیم کو مضبوطی سے تھامنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر مکمل یقین ہو کہ یہ کلام الٰہی ہے جو وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔ یعنی ذَالِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ۔ کہ اس کتاب میں شک و شبہ کی قطعاً ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں ہے دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس میں دیئے گئے ہر حکم کی تعمیل بے چون و چرا کی جائے تیسرا مطلب یہ ہے کہ اس کی آیات پر غور و فکر کر کے اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالا جائے اور اپنے ہر مسئلے کا حل اس میں سے تلاش کیا جائے نہ کہ اسے چھوڑ کر کسی اور مذہب یا نظریئے کی طرف رجوع کیا جائے۔ چوتھا قرآن کی دعوت کو عام کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین (صحیح طریقہ زندگی) صرف اسلام ہے۔ اور یہی صراط مستقیم ہے ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (ال عمران:۸۵)

"اس فرمانبرداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور دین (طریقہ زندگی) اختیار کرنا چاہے تو اس کا وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں خسارا اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔"

اب ہم حضور رحمت عالم ﷺ کے فرمان کو دیکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ "اے مسلمانو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی سیدھے راستے سے نہ بھٹکو گے۔ وہ ہیں قرآن اور اللہ کے نبی کی سنت۔

Marfat.com

قرآن کے بارے میں تو واضح حکم آ گیا کہ اللہ نے فرمایا۔ میری رسی (قرآن) کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ اب سنت پر عمل کرنے کا حکم بھی ہم قرآن ہی سے لیں گے۔

فرمایا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الممتحنہ۔۶)

کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تمہارے لئے مکمل نمونہ موجود ہے۔ یعنی جس طرح رسالت مآب نے زندگی بسر کی اسی طرح تم بھی زندگی گزارو۔ حضور ﷺ نے جو راہ اختیار کی تم بھی اختیار کرو۔ اور حضور ﷺ کی راہ کونسی ہے۔

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (الانعام:۱۶۱۔۱۶۳)

"فرما دیجئے (اے میرے رسول ﷺ) یقیناً میرے رب نے مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے۔ بالکل صحیح دین جس میں کوئی کجی نہیں۔ ابراہیم کا طریقہ جسے اس نے یکسو ہو کر اختیار کیا تھا۔ اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔"

"فرما دیجئے (اے میرے نبی ﷺ) بے شک میری نماز اور میری (ہر طرح کی) قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب کچھ اللہ رب العلمین کیلئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔"

یہ ہے حضور ﷺ کی سیدھی راہ جسے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دکھایا۔ ہمیں بھی یہی راہ اپنانی ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے امت کو اسی راہ پر چلنے کی ہدایت فرمائی ہے

Marfat.com

وہ راہ جس پر مسلمان چلتا ہے۔ سر تسلیم خم کر دینے والا، جو سراپائے تسلیم و رضا ہوتا ہے۔ اور اب اطاعت رسول کا تقاضا یہ ہے کہ اسی سیدھی راہ پر ہم بھی اپنا سر تسلیم خم کر دیں اور ہمیں اسی کا حکم دیا گیا ہے۔

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَانَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (الحشر:۷)

"اور رسول ﷺ جو تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے منع کریں رک جاؤ۔"

لہٰذا سنت رسول ﷺ بھی واضح ہو گئی۔ جو شخص قرآن و سنت دونوں پر عمل کرتا ہے وہ تو ہوا کامیاب اور صراط مستقیم پر چلنے والا اور جو ان میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔ وہ یقیناً گمراہ ہو گا۔ فرقہ بندی ایک ایسی لعنت ہے جسے اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں فرمائے گا اس کا ارتکاب کرنے والے لوگ امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرتے ہیں اور قرآن و سنت کی واضح خلاف ورزی کرنے کے بعد بھی اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں آیئے ذرا دیکھیں کہ دین میں فرقہ بندی کس طرح پیدا ہوئی؟

۱۔ دین میں غلو

"(اے رسولؐ) فرما دیجئے۔ اے کتاب والو۔ اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور ایسے لوگوں کی خواہش پر نہ چلو جو پہلے گمراہ ہو چکے ہیں۔ اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ سے بہک گئے۔" (المائدہ:۷۷)

۲۔ نفسانی خواہشات

"تو ان کے بعد ان کی جگہ وہ ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں برباد کیں اور اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ تو عنقریب وہ دوزخ میں غی کا جنگل پائیں گے۔" (ابن عباس فرماتے ہیں کہ غی جہنم کی ایک وادی کا نام ہے) (مریم:۵۹)

Marfat.com

۳۔بے بنیاد آرزوئیں اور وہم وگمان (تحریف)

"ان میں ایک دوسرا گروہ ان پڑھوں کا ہے جو کتاب کا علم نہیں رکھتے۔ بس اپنی بے بنیاد آرزوؤں کو لئے بیٹھے ہیں اور محض وہم وگمان پر چلے جارہے ہیں۔ پس ہلاکت ہے ان کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھیں (شرع کی باتیں) پھر کہہ دیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ تاکہ اس کے معاوضے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کرلیں۔ ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا بھی ان کے لئے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی بھی ان کے لئے موجب ہلاکت۔" (البقرہ:۷۸۔۷۹)

۴۔دین کو کھیل تماشا بنالینا

"جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا اور دنیا کی (چندروزہ) زندگی نے انہیں فریب دیا تو آج (قیامت کے دن) ہم انہیں چھوڑ دیں گے جیسا انہوں نے اس دن (روز قیامت) کے ملنے کا خیال چھوڑا تھا (دین کی باتوں کو مذاق سمجھتے ہوئے لہو ولعب میں اتنا مشغول ہوئے کہ یہ خیال تک نہ رہا کہ ہمیں اپنے اعمال کا حساب بھی دینا ہے) اور جیسا ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ (الاعراف:۵۱)

۵۔جہالت کی باتیں

"انہوں نے اپنے پادریوں اور راہبوں کو اللہ کے سوا خدا بنالیا۔" (التوبہ:۳۱)

"اے ایمان والو! بیشک بہت سے پادری اور راہب لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو جس دن وہ تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں پھر اس سے داغیں گے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پشتیں یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لئے جوڑ رکھا تھا اب چکھو مزا اس جوڑنے کا۔" (التوبہ:۳۴،۳۵)

Marfat.com

۶۔ حقیقت سے دور لے جانے والی چیزوں پر یقین محکم

"کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا۔ جنہیں کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ دیا گیا (اور ان کا حال یہ ہے) کہ جبت اور طاغوت کو مانتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں سے تو یہی زیادہ صحیح راستے پر ہیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس پر اللہ لعنت کر دے پھر تم اس کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔" (النساء: ۵۱،۵۲)

درج بالا سورۃ النساء کی آیت ۵۱ میں دو لفظ آئے ہیں۔ جبت اور طاغوت ان الفاظ کی تھوڑی سی تشریح کرنا ضروری ہے۔

جبت --- کے حقیقی معنی ہیں فضول چیز۔ بے فائدہ، جس میں کوئی حقیقت نہ ہو۔ ہر وہ چیز جو انسان کو دین اسلام سے دور کر دے جبت کہلاتی ہے اس لفظ کے دائرے میں درج ذیل چیزیں آتی ہیں۔

بت پرستی، کہانت (جوتش)، جادو، فال گیری، شگون۔ ٹونے ٹوٹکے توہمات، خیالی باتیں سب جبت ہیں اور الجبت کے لفظ کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو ان باتوں کو کرے۔

حدیث میں آتا ہے۔ النیاقة والطرق والطیر من الجبت "جانوروں کی آوازوں سے فال لینا، زمین پر جانوروں کے قدموں کے نشانوں سے شگون لینا اور فال بد وغیرہ جبت میں سے ہیں۔"

یہ سب وہم کی قسمیں ہیں۔ وہم ایک بیماری ہے اور یہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اللہ پر توکل ختم ہو جاتا ہے، مومن کی شان یہ ہے کہ وہ صرف اللہ پر توکل کرتا ہے۔

قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۔ (الزمر: ۳۸)

"اے نبی ﷺ! ان سے کہہ دیجئے میرے لئے اللہ ہی کافی ہے۔

Marfat.com

بھروسہ کرنے والے اسی پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔"

جس قدر توکل کم ہوتا ہے ایمان میں اتنا ہی ضعف ہوتا ہے اور جو شخص جبت پر یقین کر لیتا ہے اس میں ایمان ختم ہو جاتا ہے اور جس میں ایمان نہیں رہتا وہ منافق ہو جاتا ہے اور وہ شخص گمراہی کے عمیق گڑھے میں گر جاتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے معاویہ رضی اللہ عنہ بن الحکم نے ایک دفعہ نبی کریم ﷺ سے عرض کیا ہم میں چند افراد ایسے بھی ہیں جو فال بد لیتے ہیں۔" حضور ﷺ نے فرمایا۔

ذالك شيء يجده احدكم في نفسه فلا يصدنكم

"یہ ویسے ہی اپنے دل میں وسوسہ اور وہم پاتے ہیں اس وجہ سے وہ اپنے کام سے نہ رکیں۔"

عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ ہم حضرت ابن عباسؓ کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ کہ ہمارے اوپر سے ایک پرندہ چیختا ہوا گزر گیا۔ ایک آدمی بولا خیر۔ خیر یعنی "بھلائی ہے بھلائی ہے۔" حضرت ابن عباسؓ نے اس شخص سے فرمایا سنو۔ لا خیر ولا شر۔ "اس میں خیر ہے نہ شر۔"

آپؓ نے اس لئے فوراً اس کی تردید اور ممانعت کر دی کہ کہیں اس کے دل میں ایسی فضول باتوں کے لئے خیر و شر کی تاثیر کا عقیدہ نہ پیدا ہو جائے۔ آج ہمارے معاشرے کی کثیر تعداد بلاواسطہ یا بالواسطہ ایسی ہی فضول باتوں پر یقین رکھتی ہے یہ سب توکل علی اللہ سے دور لے جانے والی صورتیں ہیں جو معاشرے میں پھیل چکی ہیں۔۔۔ آپ کو اکثر ایسے لوگ نظر آئیں گے جنہوں نے کڑے اور چھلے پہن رکھے ہیں۔ دھاگوں میں گرہیں باندھ کر گردنوں میں لٹکاتے ہیں کچھ ایسے بچے بھی نظر آئیں گے جن کے بال کٹے ہوئے ہوں گے۔ لیکن بالوں کی ایک لمبی لٹ لٹکتی دکھائی دے گی۔ یہ سب جبت کے قبیل سے ہیں اور سنت مطہرہ کے خلاف ہے اور جو کام سنت سے ہٹ کر کیا جائے

Marfat.com

وہ گمراہی کا کام ہوتا ہے۔ اور اس عمل کا کرنے والا صراط مستقیم سے بھٹکا ہوا ہوتا ہے۔

ایسی باتیں پہلی امتوں میں بھی تھیں اسلام سے پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

لتتبعن سنن من کان قبلکم حذوا القزة بالقزة

"تم پہلی امتوں کی پیروی میں ایسے برابر ہو جاؤ گے جیسے تیر تیر سے۔"

مَیں نے اپنی ایک اور کتاب میں جو اتحاد بین المسلمین پر لکھی جا رہی ہے اوہام (جبت) پر ایک باب باندھا ہے۔ جس میں اس کے ہر جزو پر تفصیلی بحث کی ہے۔

--- طاغوت --- اللہ کے سوا جس چیز کی بھی پرستش کی جائے طاغوت ہے جس میں بت جادوگر، حد سے گزر جانے والا شخص سب شامل ہیں۔ قرآنی اصطلاح میں طاغوت اس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ کی بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود خدا بن بیٹھے اور اللہ کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے طاغوت تک پہنچنے کے تین درجے ہیں۔

۱۔ فسق: بندہ اللہ کی اطاعت کو مانتے ہوئے بھی عملاً نافرمانی کرے۔

۲۔ کفر: بندہ اللہ کی اطاعت سے اصولاً انکار کر کے کسی اور کی بندگی کرنے لگے۔

۳۔ طاغوت: بندہ اللہ تعالیٰ سے بغاوت کر کے خود اپنے احکامات جاری کر کے مخلوق کو اس پر عمل کرنے پر مجبور کرے یہی طاغوت ہے۔ دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو طاغوت بنے ہوئے ہیں اور ایسے بھی کثرت سے ہیں۔ جو اللہ کو چھوڑ کر طاغوت کو مانتے ہیں۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ۚ وَاللّٰهُ

Marfat.com

سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ☆ (البقرہ:۲۵۶)

"دین میں کوئی زبردستی نہیں، سیدھی راہ گمراہی سے الگ کر دی گئی ہے اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ (جس کا سہارا اس نے لیا ہے) سننے اور جاننے والا ہے۔"

۷۔ قول و فعل میں تضاد

"تم دوسروں کو تو نیکی کا راستہ اختیار کرنے کے لئے کہتے ہو مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو کیا تم عقل سے بالکل کام نہیں لیتے؟ صبر اور نماز سے (اللہ کی) مدد حاصل کرو۔ بیشک نماز ایک سخت مشکل کام ہے مگر اللہ کا خوف رکھنے والوں کے لئے مشکل نہیں ہے جو سمجھتے ہیں کہ آخر کار انہیں اپنے رب سے ملنا اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔" (البقرہ:۴۴۔۴۶)

یہ ہیں وہ اسباب جو دین میں فرقہ بندی کا موجب بنے۔ پہلی امتوں میں بھی اور اس امت میں بھی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ آیات تو پہلی امتوں کے بارے میں ہیں تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ ہم میں سے بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو وہی کچھ کر رہے ہیں جو پہلی امتوں کے لوگ کیا کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ کی حدیث اس بات کی شاہد ہے۔

لتتبعن سنن من کان قبلکم

"تم پہلی امتوں کی پوری نقالی کرو گے۔"

یعنی یہود و نصاریٰ کا کردار رکھنے والے اس امت سے بھی ہوں گے اور بالکل ان کی تقلید کریں گے یہود و نصاریٰ میں گمراہ آئمہ کا ایک پورا گروہ تھا۔ جو لوگوں کو نت نئی باتیں بتا کر دین سے دور لے جاتا تھا۔ اور امت کو جتنا نقصان گمراہ آئمہ سے پہنچتا ہے

Marfat.com

اور کسی سے نہیں پہنچتا۔اس لئے حضور رسالت مآب ﷺ نے فرمایا

ان اخوف ما اخاف علیٰ امتی الائمة المضلین۔(ابوداؤد)

"میں اپنی امت کے متعلق گمراہ آئمہ سے شدید ترین خطرہ محسوس کرتا ہوں۔"

آج ہم گروہوں میں بٹ چکے ہیں۔بات بات پر آپس میں اختلاف کرتے ہیں اور معمولی بات پر بھی ایک دوسرے کو مشرک اور کافر کہہ دیتے ہیں یہ سب گمراہ کن باتیں ہیں اور ناپسندیدہ کام ہیں اس سے ہم اللہ کے غضب کے قریب اور اس کی رحمت سے دور ہوتے جارہے ہیں ہمارا اتحاد پارہ پارہ ہو چکا ہے اور یہ نقصان امت کے لئے ناقابل تلافی ہے آیئے اس پر کچھ باتیں کرلیں میری کوشش ہوگی کہ فرقہ بندی کی اس گتھی کو آسان اور عام فہم طریقوں سے سلجھایا جائے، تاکہ ہماری جواں نسل فرقہ بندی کے اس گرداب سے نکل کر ساحلِ مراد تک پہنچ سکے۔

ہمارا مذہب انتہائی سادہ، آسان اور قابلِ عمل ہے۔لیکن اس میں بے شمار تکلفات ڈال کر پیچیدہ کر دیا گیا ہے۔بعض تنگ نظر اور کٹر قسم کے علماء نے اپنے مفادات کی خاطر سادہ دل عوام کو اپنے منتخب کردہ عقائد میں اس طرح جکڑ رکھا ہے کہ وہ کنوئیں کے مینڈک بن کر رہ گئے ہیں۔عوام کو ایک حصار میں بند کر دیا گیا ہے اور ان کی سوچ اس قدر منفی ہو چکی ہے کہ وہ افہام و تفہیم کے اصول ہی سے ناآشنا ہو کر رہ گئے ہیں خاص طور پر ہماری جواں نسل اپنے مذہب سے بیگانہ ہو کر رہ گئی ہے۔بلکہ فرار چاہتی ہے اسے اپنے دین سے برگشتہ کرنے میں زیادہ ہاتھ بعض نام نہاد، تنگ نظر اور کٹر پن کے مریض مولویوں کا ہے جنہیں اسلامی تعلیمات سے تو بہت کم واقفیت ہوتی ہے لیکن وہ ایسے حربے استعمال کرنے میں بہت تاک ہوتے ہیں جن سے عوام کو اپنا ہمنوا بنا کر اور دوسرے فرقے کے لوگوں کو کافر و مشرک کہلوا کر اپنے پیٹ بھرنے کا انتظام

Marfat.com

کرتے رہیں۔ وہ اپنی روزی کی خاطر اور اپنی شخصیت کو مقبول بنانے کی خاطر غلط مسائل پیش کرتے ہیں انہیں یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ اگر ہم نے اپنے محلے والوں کے عقائد کے خلاف دین کا کوئی صحیح مسئلہ پیش کر دیا تو ہماری روزی بند ہو جائے گی محلے والے ہمیں مسجد سے نکال دیں گے۔ وہ صحیح مسئلہ بیان کرنے سے خائف رہتے ہیں اور قرآن و حدیث کی تاویلیں اپنے اپنے خیال کے مطابق کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم صحیح راہ پر ہیں اور ہمارے مقتدی بھی صحیح راہ پر ہیں۔

جب تک اسلام ایک زندہ نظام حیات کی شکل میں ہوتا ہے ساری امت ایک ٹیم کی طرح مصروف سعی و عمل رہتی ہے۔ اس کے سامنے زندگی کا صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ نے راہنمائی فرمائی ہے -- ہمارا ایک اللہ ہے۔ ایک ہی رسول ﷺ ہے اور ایک ہی قرآن ہے ہم ایک امت ہیں -- جس کا بنیادی کام نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا ہے۔ جب تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ خلوص کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اتحاد قائم رہتا ہے۔ لیکن جب ذاتیات، حرص، شخصیت پرستی اور رسومات، خلوص کی جگہ لے لیتے ہیں تو اتحاد پارہ پارہ ہو کر رہ جاتا ہے نہ وہ ایک امت رہتی ہے اور نہ ہی ایک منزل۔

آج ہم دیکھتے ہیں وہ صاف ستھرا راستہ جو صراط مستقیم ہے اس پر بدعات رسومات اور شخصیات کی خار دار جھاڑیاں اگ آئی ہیں۔ حرص و ہوا اور نفرتوں کی آندھیاں چلنے لگی ہیں جب ہم نے قرآن و سنت کو چھوڑا تو نور ہدایت ہاتھ سے نکل گیا۔ وہ صراط مستقیم گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گم ہو گیا۔ اور آج ہماری حالت یہ ہو چکی ہے کہ ہم ہوا میں ہاتھ پاؤں مارتے ہیں -- منزل نہیں ملتی جب منزل کی طرف جانے والا راستہ ہی گم ہو گیا ہم اس راستے ہی سے بھٹک گئے تو منزل کہاں ملے گی؟ عمل نہ رہا زبانی دعوے رہ گئے جب صحیح نصب العین حیات کا فقدان اور قوتِ عمل سے محرومی ہو جائے تو دین

Marfat.com

کی رسومات تو باقی رہ جاتی ہیں انسان کی انسانیت باقی نہیں رہتی۔ اس بات کو علامہ محمد اقبالؒ نے کیا خوب پیش کیا۔

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے   وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج   یہ سب باقی ہیں تُو باقی نہیں ہے

جب دین محمدی ﷺ رسومات کا مجموعہ بن کر رہ گیا تو امت بیسیوں فرقوں میں بٹ گئی اور کیفیت یہ ہو گئی کہ --- كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ. (الروم:۳۲)

ہر فرقہ اس خیال میں مگن ہو گیا کہ وہ حق پر ہے۔ اور باقی سب گمراہ ہیں۔ اس کا نتیجہ باہمی نفرت کشیدگی اور جنگ وجدل کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

دینِ حق از کافری رسوا تر است   زانکہ مُلّا مومن کافر گر است
دینِ کافر فکر و تدبیر جہاد   دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد

اختلافی مسائل پر مکمل بحث تو مَیں اپنی زیر طبع کتاب جس کا موضوع اتحاد بین المسلمین ہے میں کروں گا۔ یہاں اختصار سے کام لیتے ہوئے کچھ باتیں عرض کرتا ہوں۔

جہاں تک اختلافات کا تعلق ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ اصولی اختلاف

۲۔ فروعی اختلاف

پہلی قسم کا اختلاف گمراہ کُن اور موجبِ ہلاکت ہے۔ کیونکہ اختلافِ اصول موجبِ افتراق ہوتا ہے۔ جب دین کے اصول و کلیات میں اختلاف ہو جائے تو ایک ہی دین سے وابستہ ملت پارہ پارہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ جیسا کہ معتزلہ، خوارج اور قادیانی وغیرہ دین کے اصولوں کے بدلنے سے فرقہ بندی کا وجود پیدا ہوتا ہے۔ اور ایسی ہی فرقہ بندی اسلام میں حرام اور موجب عذاب ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعاً لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ

(الانعام:۱۶۰)

Marfat.com

"جنہوں نے اپنے دین میں راہیں نکالیں اور بہت سے گروہ بن گئے۔(اے رسول ﷺ) آپ ﷺ کا ان سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔"

دین کے صراط مستقیم میں جب نئی نئی راہیں نکالی جائیں تو اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں فرمایا جارہا ہے کہ "اے حبیب ﷺ۔ آپ ﷺ کا ایسے اختلافات کو پیدا کرنے والے لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، سوچنے کی بات ہے کہ جب کسی سے اللہ اور اس کے رسول کا تعلق ہی ختم ہو جائے تو اس کا اسلام کے ساتھ کیا واسطہ رہ جاتا ہے۔ دوسری قسم کا اختلاف گمراہ کن نہیں کہ جب دین کے اصول وہی رہیں البتہ ان کی جزئیات میں اختلاف ہو جائے تو اسے فروعی اختلاف کہتے ہیں۔ ویسے نہ تو اصول شریعت میں کوئی اختلاف ہے اور نہ ہی فروع میں، یعنی شریعت کی جزئیات میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ فروع (جزئیات) ہمیشہ اصول کے تابع ہوتی ہیں۔ اس لئے جب اصول میں اختلاف نہیں تو فروع میں کیسے ممکن ہے، لیکن جب عہد رسالت مآب کے بعد عہد صحابہ میں بے شمار ملک فتح ہوئے۔ اسلام کی روشنی دور دور تک پھیلی۔ مختلف قوموں نے اسلام قبول کیا۔ نئے نئے مسائل پیدا ہوئے اور اجتہاد کی ضرورت محسوس ہوئی جس پر آئمہ مجتہدین محدثین اور مفسرین کرام نے بہت محنت کی۔ اور ان مسائل کا حل پیش کیا اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہا اور اس کی ضرورت ہر زمانے میں پڑتی رہی۔ جزئیات کو ہر مجتہد اپنے اجتہاد کے مطابق ایک اصل کے ماتحت داخل کرتا ہے اور اس اصل کے مطابق اس کا حکم اخذ کرتا ہے۔ لہٰذا اجتہاد و آراء کے اس اختلاف کی وجہ سے فروع میں اختلاف رونما ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مختلف احکامات خود شریعت کے بیان کردہ نہیں ہیں۔ اس نے تو ایک ہی قانون بنایا اور اس

Marfat.com

مطابق ایک ہی حکم ہونا چاہئے۔ عہد نبوت میں تو ایسے اختلافات کا براہ راست حل
جایا کرتا تھا۔ مگر عہد نبوت کے بعد مجتہدین جزئیات کو قرآن و سنت کی طرف لاکر
ان کے مطابق فرع کا حل تلاش کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْئٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ (النساء:۵۹)

”پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے
اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔“

یعنی اے لوگو! قرآن و سنت کی طرف رجوع کرو۔ ان دونوں کو چھوڑ کر کسی
دوسری چیز کی طرف رجوع کرو گے تو کھلی گمراہی میں پڑ جاؤ گے اختلاف کو مٹانے کے
لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ اپنے رسول ﷺ کو بھی رکھا ہے۔ کہ میرے کلام
(قرآن) کے ساتھ رسول کے کلام (حدیث) سے بھی استفادہ کرنا میرے رسول کی
ساری زندگی تمہارے سامنے ایک کھلی کتاب ہے۔ آپ کا اسوۂ حسنہ قرآن ہی کی عملی
تفسیر ہے، جیسا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے جب کسی نے حضور ﷺ کے
اخلاق کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ ”کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟“

اللہ تعالیٰ نے اختلافات کو ختم کرنے کا اصول اس لئے مقرر کیا ہے۔ کہ اختلاف،
اختلاف نہ رہے۔ اب اگر ہم جان بوجھ کر اختلافی مسائل کا حل قرآن و سنت میں تلاش
نہ کریں تو اس میں قصور ہمارا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہماری ہدایت کے لئے پوری
پوری راہنمائی فرمادی ہے، تو اختلاف کی یہ دوسری قسم جسے فروعی اختلاف کہتے ہیں
گمراہ کن نہیں ہے۔ لیکن جب فروعی اختلافات پر اس قدر شدت اختیار کرلی جائے کہ
آپس میں نفرت عداوت اور لڑائی جھگڑا پیدا ہو جائے تو اس ہٹ دھرمی سے امت میں
انتشار اور تفرقہ کا شدید خطرہ پیدا ہو۔ جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے تو اس حالت میں یہ
اختلاف گمراہ کن ہے یہی وجہ ہے کہ ایک فرقے والے دوسرے فرقے سے تعلق

Marfat.com

رکھنے والوں کو کافر اور مشرک تک کہہ رہے ہیں۔ حالانکہ اکثر اختلافات فروعی نوعیت کے ہوتے ہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اختلافات کیسے رونما ہوتے ہیں؟ اس کے چار اسباب ہیں۔

۱۔ ناقص اور سطحی علم۔

۲۔ اتباع ہوئی (نفسانی خواہشات کی پیروی)

۳۔ اتباع رسوم و عادات۔

۴۔ اندھی تقلید

فرقہ بندی اور فرقہ پرستی کا جذبہ ہمیشہ ناقص اور کم علم رکھنے والوں میں ابھرتا ہے۔ مگر بدنامی علم کے نام پر باقی رہ جاتی ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ کی یہ حدیث پہلے بھی بیان کی گئی ہے۔

کہ --- "میں اپنی امت کے متعلق گمراہ آئمہ سے شدید خطرہ محسوس کرتا ہوں۔" (ابو داؤد)

آئمہ مضلین سے مراد جاہل امراء، علمائے سوء، بے عمل، نام نہاد صوفیاء، اور بے عمل راہنما ہیں۔ دین مبین کو ان لوگوں نے بے حد نقصان پہنچایا ہے۔ لوگوں کو غلط مسائل بتا کر خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور عوام الناس کو بھی گمراہ کرتے ہیں آج امت محمدیہ کا انتشار بہت حد تک ایسے ہی لوگوں کا مرہون منت ہے۔

حضرت عمرؓ بن الخطاب نے حضرت زیاد سے فرمایا۔

"کیا تمہیں اس بات کا علم ہے جو اسلام کے گرنے کا سبب بنتی ہے۔ زیاد نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا --- عالم شخص کا پھسل جانا، منافق کا کتاب اللہ کے بارے میں جھگڑا کرنا اور گمراہ آئمہ کا فیصلہ اسلام کے منہدم ہونے کا ذریعہ اور سبب بنتا ہے۔" (رواہ دارمی)

Marfat.com

اس خطرناک بات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بھی نبی کریم سے ارشاد فرمایا ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ☆ (الجاثیہ:۱۸)

"اس کے بعد (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کو دین کے ایک مخصوص طریقہ (شریعت) پر کر دیا ہے۔ لہٰذا آپ اس پر چلیں۔ اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو (قطعاً) علم نہیں رکھتے۔"

غلط بات کو موثر انداز میں پیش کر کے قلب و روح کو بدل دینا گمراہی پھیلانے کا ...ب سے خطرناک حربہ ہے۔ جسے وہی نام نہاد علماء اور صوفیاء استعمال کرتے ہیں جنہیں ...للہ کا خوف بالکل نہیں ہوتا اور جو اپنے جھوٹے وقار اور تقدس کو قائم رکھنے کے لئے ...پنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور شریعت کو پس پشت ڈال کر اپنی خواہشات کے ...لام بن جاتے ہیں۔ پیشوا بن کر فتوے دیتے ہیں خود بھی سیدھی راہ سے دور ہو جاتے ...یں اور مقتدیوں کو بھی دور کر دیتے ہیں۔

علم ایک نور ہے --- راسخ العلم مشائخ کرام اور علماء عظام اس نور کے مینار ہیں۔ ...ن کی روشنی میں علم کے طلباء حکمت و دانائی کی کتاب کا درس لیتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "علم عمل کا انتظار کرتا ہے۔ اگر اس پر عمل نہ کیا ...جائے تو وہ اٹھ جاتا ہے۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ "علم بغیر عمل کے اور عمل ...بغیر علم کے بیکار ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ "اے گروہ علماء! اپنے علم پر بھی عمل ...کیا کرو۔ کیونکہ عالم وہ ہے جو پہلے علم حاصل کرے پھر اس پر عمل بھی کرے۔ اس کا ...علم و عمل یکساں نظر آئے۔ آئندہ کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو علم حاصل کریں

Marfat.com

گے۔ مگر وہ ان کے گلوں کے نیچے نہ اترے گا۔ ان کا باطن ان کے ظاہر کے مخالف
ان کا علم ان کے عمل کے خلاف ہو گا۔ وہ حلقے بنا بنا کر بیٹھیں گے اور ایک دوسرے
مقابلے میں فخر کریں گے۔ یہاں تک کہ اپنے شاگرد پر کوئی اس لئے ناراض ہو گا
اس کو چھوڑ کر دوسرے کے حلقہ درس میں کیوں بیٹھ گیا ہے۔ یہی لوگ ہیں جن
اعمال قبول نہ ہوں گے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں۔

"علم کثرت روایات کا نام نہیں بلکہ وہ ایک نور ہے جسے اللہ تعالیٰ
دلوں میں ڈال دیتا ہے۔"

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف:۲)

"اے ایمان والو تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں
کرتے؟"

اس کے بعد اختلافات کی ایک اور وجہ رسومات و عادات ہیں جو شریعت میں
طرح شامل کر لی گئی ہیں کہ وہ شریعت کا حصہ بن کر رہ گئی ہیں۔
معاشرتی، قومی اور ملکی رسم و رواج اور ثقافت (Culture) کوئی بری چیزیں نہیں ہیں
ان کی اصولی طور پر مذمت کی جائے۔ شریعت حقہ، نے بھی ان پر سخت پابندیاں عا
نہیں کیں ہر قوم اور ہر قبیلے کے اپنے رواج ہوتے ہیں۔ جن سے اسلام منع نہ
کرتا۔ بشرطیکہ وہ رواج اسلامی اصولوں سے ٹکراتے نہ ہوں۔ نبوت سے قبل عرب
میں بھی بہت سے رواج تھے۔ کچھ رسمیں تھیں ہادی برحق ﷺ نے صرف ا
رواجوں اور رسومات کو شرعاً بند کرایا جو اسلامی اصولوں سے ٹکراتے تھے۔ باقی کو ا
طرح قائم رکھا اور مباح قرار دیا۔ یہ باتیں اس وقت ناجائز ہو جاتی ہیں۔ جب ان پر ا
طرح عمل کیا جائے۔ جس طرح اسلامی اصولوں پر عمل کیا جاتا ہے اور انہیں شریع
کا حصہ بنا دیا جائے۔ بعض رسومات اتنی اہم قرار دی جاتی ہیں اور ان پر اتنی شدت

Marfat.com

عمل کیا جاتا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ وہ اسلامی حیثیت سے رائج ہو جاتی ہیں اور آئندہ نسل انہیں اس لئے اپنائے رکھتی ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد اسی طرح کرتے آئے ہیں۔ اس کی کئی مثالیں روزمرہ زندگی میں نظر آ رہی ہیں۔ جو رسم شریعت کا جزو سمجھی جانے لگتی ہے۔ وہی اختلاف کا باعث بنتی ہے۔ کیونکہ لوگوں کا ایک گروہ اس کی پیروی شریعت کا اصول سمجھ کر کرنے لگتا ہے اور دوسرا گروہ اس کی مخالفت کرتا ہے اس طرح اتحاد ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ -- اندھی تقلید بھی اختلاف و افتراق کا باعث بنتی ہے۔ انسان اندھی تقلید اسی وقت کرتا ہے جب وہ قرآن پر خود غور کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ حالانکہ ارشاد ربانی ہے۔

"(اے رسول ﷺ) ہم نے آپ پر یہ ذکر اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ ﷺ کھول کر بیان کر دیں لوگوں کے لئے (اس ذکر کو) جو نازل کیا گیا ہے ان کی طرف تاکہ وہ غور و فکر کریں۔"

(سورۃ النحل: ۴۴)

دوسرے مقام پر فرمایا۔ "اور ہم نے آپ ﷺ پر یہ کتاب صرف اس لئے نازل کی ہے کہ آپ ﷺ صاف صاف بیان کر دیں ان کے لئے وہ بات جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور (یہ کتاب) سراپا ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لئے جو ایمان رکھتی ہے۔ (النحل: ٦٤)

انسان کو چاہئے کہ وہ جو بھی عمل کرے اس پر سوچ و بچار کر لے کہ آیا شارع علیہ السلام نے اس کی اجازت بھی دی ہے کہ نہیں! اب اگر کوئی یہ کہے کہ قرآن و حدیث کے اتنے وسیع علم پر ہم کس طرح قدرت حاصل کر سکتے ہیں -- تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر مسلم بچے کو سب سے پہلے قرآنی تعلیم دینا اس کے والدین کا فرض اولین ہے۔

Marfat.com

جب وہ ناظرہ قرآن پڑھ لے تو اسے قرآن فہمی کی طرف لگایا جائے عربی کی مکمل تعلیم دلوائی جائے۔ تاکہ عربی زبان پر پورا پورا عبور حاصل ہو سکے۔ جس طرح آج کل ہم اپنے بچوں کو ہوش سنبھالتے ہی انگریزی کا قاعدہ ہاتھ میں دے دیتے ہیں اسے ABC سکھاتے ہیں۔ اور جب ہمارا بچہ بالکل چھوٹی عمر میں انگریزی کا قاعدہ پڑھ لیتا ہے اور اپنی توتلی زبان میں انگریزی کے کچھ الفاظ بھی بول کر سناتا ہے تو ہم خوشی سے پھولا نہیں سماتے۔ جب وہ ابو کو "ڈیڈی" اور امی کو "ماما" کہہ کر بلاتا ہے اور دوسری اشیاء کے نام بھی انگریزی میں لیتا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے بچے کی بنیاد پختہ ہو گئی ہے اور امید کی جاتی ہے کہ وہ مہذب (Civilised) ہو گا۔ اس کے بعد ہم اسے انگلش میڈیم سکول میں داخل کرانے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں اور ہماری مائیں رات دن اسی فکر میں رہتی ہیں کہ ان کا بچہ انگریزی بولے، انگریزی لکھے اور انگریزی ہی پڑھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ انگریزی ماحول ہی میں پرورش پائے۔ دوسرے ملک کی زبان سیکھنا بہت اچھی بات ہے اور انگریزی سیکھنے کی افادیت ڈھکی چھپی بھی نہیں کیونکہ میٹرک کے بعد کالج اور یونیورسٹی میں اس کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

لیکن ہم نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ بچے نے صرف ڈگری یا ڈپلوما حاصل کر کے ہی زندگی نہیں گزارنا بلکہ اسے صحیح معنوں میں مسلمان بھی بنتا ہے۔ ہم نے بچے کی سوچ کردار اور فکر کو بھی سنوارنا ہے۔ اسے اسلامی قلب و ذہن دینا ہے۔ اسلامی رنگ میں رنگنا ہے۔ اور ایسا تو صرف دین اسلام سے مکمل آگہی کے بعد ہی ہو سکتا ہے صرف انگریزی اس کے ذہن کو اسلامی نہیں بنا سکتی۔ اس کی روح میں تبدیلی نہیں لا سکتی۔ اسے اسلامی خطوط پر زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ نہیں سکھا سکتی---اگر آج سروے کیا جائے تو ہماری جواں نسل کا ۹۵ فیصد اسلامی تعلیمات سے نا آشنا ہے۔ ہم عربی سیکھنے یا اسلامیات پڑھنے کا نام لیتے ہیں تو ہمیں دقیانوسی، جاہل اور پسماندہ کہا جاتا ہے۔ اگر کسی

Marfat.com

کے ہاتھ میں قرآن، تفسیر یا حدیث کی کتاب ہو تو اسے مولوی یا ملاں کے خطاب سے نوازا جاتا ہے۔ اور اگر کسی کے ہاتھ میں شیکسپیئر کے ڈراموں کی کتاب ہو تو اسے پڑھا لکھا، سکالر اور مہذب سمجھا جاتا ہے-- ایسا کیوں ہے؟-- کیا ہم نے کبھی سوچا؟ یہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

اس کی ایک وجہ تو انگریز کی غلامی کا اثر ہے۔ جو آزاد ہونے کے بعد بھی زائل نہیں ہوا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہماری سوچ کو اسلامی بنانے کے لئے کوئی جامع اور مسلسل کوشش نہیں کی گئی۔ پہلی حکومتوں میں بھی کوئی ایسی حکومت ہمیں نہیں ملی جو اسلامی نظام رائج کر کے اسلامی معاشرے کی تشکیل کرتی۔ حکومت کو اس طرف توجہ دینی چاہئے۔ اسلام کے نام پر حاصل کی ہوئی اس مملکت خداداد میں صرف اور صرف اسلامی نظام ہی پنپ سکتا ہے۔ اور ہمیں مغربی کلچر کی جگہ اسلامی کلچر ہی زیب دیتا ہے۔

اگر جواں نسل اس طرف توجہ کرے بلکہ ایک جذبے کے تحت یہ عہد کرے کہ ہم اس ملک میں اسلام کو صحیح بنیادوں پر قائم کریں گے، خود مسلمان بنیں گے اور دوسروں کو بھی اسلامی ذہن اور اسلامی فکر دیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنی خرابیوں کو دور کر کے اسلامی معاشرہ تشکیل دے سکیں۔ اس کے لئے ہمیں اپنی زندگی کے ہر شعبے میں تبدیلی لانا ہوگی، پورے غیر اسلامی کلچر کو بدلنا ہوگا۔ مغربی تہذیب کے بہروپ کو اتار پھینکنا ہوگا۔ اسلامی لباس، اسلامی سراپا، اسلامی ماحول بلکہ ہمیں پورا کا پورا اسلام میں ڈھل جانا ہے۔ یہ تمام عمل (Process) یکدم نہیں ہوگا۔ اس میں تسلسل ہونا چاہئے، ہر بچہ اسلامی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ جب وہ ہوش سنبھالے اسے عملی مسلمان بنایا جائے۔ اسی طرح عربی سکھائی جائے جس طرح انگریزی سکھائی جاتی ہے۔ تاکہ بچہ دوسرے مضامین کی طرح عربی زبان میں بھی مکمل دسترس حاصل کر سکے۔ قرآن فہمی کے لئے اس کی اشد ضرورت ہے قرآن عربی میں

Marfat.com

نازل ہوا ہے، اگر انگریزی میں نازل ہوتا تو یہ انگریزی ہمیں فائدہ دے دیتی۔ لیکن ہمیں قرآن سیکھنا ہے۔ نجات دائمی کے لئے جہاں ہم فکر معاش کو دور کرنے کے لئے انگریزی سیکھتے ہیں۔ وہاں فکر آخرت کے لئے عربی بھی سیکھ لیں تو ہمارا وہ مقصد ہمیں مل جائے گا جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہماری تخلیق کی ہے۔ لیکن اس چند روزہ دنیاوی زندگی میں تو ہم اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ لیکن مرنے کے بعد جو دائمی زندگی شروع ہوگی۔ اس وقت اس ضرورت کا پتہ چلے گا۔ لیکن -- "اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔"

جب انسان کو موت یاد نہ ہو آخرت پر کامل یقین نہ ہو تو ایسی ہی لاپروائیاں ہوتی ہیں -- عربی زبان کی تدریس کے ساتھ ساتھ بچے کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے۔ بچے کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح ڈال دی جائے --

کہ تم ایک مسلمان ہو۔

پاکستانی ہو۔

ہم نے پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا ہے۔

بچے کو اسلامی اور قومی راہنماؤں کے حالات زندگی سے روشناس کرایا جائے اسے نظریہ پاکستان ازبر کرایا جائے۔ جب وہ جوان ہو تو اس کے قلب و روح میں اسلامی حمیت اور زندگی کی اعلیٰ اقدار کو اپنانے کا جزبہ موجزن ہو۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: تفقہ فی الدین۔ "دین میں سوجھ بوجھ حاصل کرو۔"

جواں نسل کو جب دین اسلام سے پوری طرح آگہی ہوگی تو وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے میں فخر محسوس کرے گی۔ ہمیں اپنی سوچ بدلنا ہے۔ جب سوچ اسلامی ہوگی تو ہم قرآن وحدیث یا تفسیر کی کتاب ہاتھ میں پکڑنے پر شرم محسوس نہیں کریں گے اور نہ ہی ایسے کسی شخص کو دیکھ کر ہمارے ذہن میں اس کا ملاں ہونا یا دقیانوسی ہونا آئے گا۔

Marfat.com

جب ہمارا بچہ عربی سیکھ کر قرآن کو سمجھے گا۔ حدیث کو سمجھے گا اسلامی تعلیمات کا علم حاصل کرے گا تو وہ خود بخود دنیاوی علوم میں بھی محنت کرے گا۔ بلکہ پھر ہماری محنت اس سے بڑھ کر ہوگی اور مثبت ہوگی۔ ہم پڑھے لکھے مسلمان ہوں گے۔ پڑھے لکھے غیر مسلم نہیں ہوں گے۔ پھر ہم اندھی تقلید بھی نہیں کریں گے، کیونکہ ہمیں دین کی سوجھ بوجھ ہوگی اور جب دین میں سوجھ بوجھ ہوگی تو اختلاف رونما نہیں ہوگا۔۔

محسن انسانیت رہبر کامل نے فرمایا۔

"آپس میں اختلاف برپا نہ کرو۔ ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پڑ جائے گا۔"

بعثت رسول ﷺ کا اصل مقصد تو رفع اختلاف ہے اس لئے جو اختلاف کرتا ہے وہ درحقیقت اس اہم مقصد پر ضرب لگاتا ہے۔

حضور ﷺ نے مزید فرمایا۔ "پہلی امتیں اسی عادت کی بدولت ہلاک ہوئیں کہ وہ اپنے انبیاء کے سامنے اختلاف کیا کرتی تھیں۔"

ایک اور حدیث میں فرمایا۔ "وہ (امتیں) اپنی کتاب کے بعض حصے کو بعض کے ساتھ متعارض سمجھ کر ٹکرایا کرتی تھیں۔ قرآن اس لئے نہیں آیا کہ تم اس میں اختلاف پیدا کر کے ایک آیت کو دوسری آیت سے ٹکراؤ۔ بلکہ اس کا ایک حصہ دوسرے کی تصدیق کرتا ہوا اترا ہے۔" (جامع بیان العلم ج ۲)

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ اصولی اختلاف جس سے دین یا شریعت میں تبدیلی رونما ہو جائے گمراہ کن ہوتے ہیں۔ کیونکہ جب دین یا شریعت کے اصول بدل دیئے جائیں تو فرقہ بندی کا وجود پیدا ہو جاتا ہے اور ایسی ہی فرقہ بندی اسلام میں حرام اور موجب عذاب ہے۔

"جنہوں نے اپنے دین میں راہیں نکالیں اور بہت سے گروہ بن گئے۔" (انعام:۱۵۹)

لیکن فروعی اختلافات حقیقت میں اختلافات نہیں ہوتے۔ باہمی افہام و تفہیم

Marfat.com

سے ایسے اختلافات دور کیے جا سکتے ہیں دین میں سوجھ بوجھ پیدا ہو جائے تو فروعی اختلاف تو سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتے۔ اور یہ موجب ہلاکت بھی نہیں ہیں۔ البتہ یہ اس وقت باعث ہلاکت اور گمراہ کن بن جاتے ہیں۔ جب ان فروعی اختلافات کی وجہ سے آپس میں بغض و عناد اور تفرقہ پیدا ہو جائے اور ان اختلافات کو اس قدر اہمیت دے دی جائے کہ ہم ایک دوسرے کو کافر و مشرک بدعتی اور منافق کہنے لگیں۔

ایسا اختلاف کرنے والے بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں یہ جانتے ہوئے بھی -- کہ فرقہ بندی اسلام میں قطعاً حرام ہے۔ اور یہاں ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ --

وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔ (النساء:۱۴)

"اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اور اس کی کل حدود سے بڑھ جائے اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے خواری کا عذاب ہے۔"

Marfat.com

دیکھ لیا صراط مستقیم---!

راستہ تو سیدھا ہے لیکن قدم قدم پر ہزاروں رکاوٹیں، دائیں بائیں چور دروازے---
لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ بس تین چیزیں پاس ہوں تو راہ کی مشکلیں آسان ہو
جاتی ہیں۔

☆ ایسا راہنما مل جائے جو اس راہ کا جاننے والا ہو اور پھر اس کی سنگت بھی نصیب ہو
جائے۔

☆ "زادِ راہ" کی حفاظت ہر حال میں کرنے کی اہلیت پیدا ہو جائے۔

☆ منزل کی طرف توجہ رہے اور خالق پر توکل رہے۔

بس پھر آسانی ہی آسانی ہے۔

"انسان سے مسلمان"------اس سفر کے کچھ اصول و ضوابط ہیں۔ اس پر چلنے کی کچھ
شرائط بھی ہیں۔ منزل تک رسائی حاصل کرنے کے لئے چند خصوصیات کا حامل ہونا
پڑتا ہے۔ مسلمان بننا ہے تو کچھ پابندیاں تو اس راہ کے راہی پر لگتی ہیں نا؟

آ---میں تجھے ان پابندیوں کی نشان دہی کردوں--جن کے اندر--- حقیقی آزادی
پوشیدہ ہے۔

دائمی مسرت کی نوید موجود ہے--اور

ابدی کامیابی کا حصول ہے۔

یہ وہ اصول و ضوابط ہیں جن کو اپنا کر منزل ملتی ہے۔

وہی منزل---جس کا تُو راہی ہے۔

Marfat.com

باب5

مسلمان کون ---؟

---جو، تُو بننے جارہا ہے---

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ☆ (آل عمران:۱۰۲)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور (خبردار) نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔"

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ☆ (آل عمران:۱۰۳)

"اور یاد کرو اللہ کی وہ نعمت (جو اس نے) تم پر فرمائی جب کہ تم (آپس میں) دشمن تھے۔ پھر اس نے تمہارے دلوں میں (ایک دوسرے کے لئے) الفت پیدا کر دی تو تم اس کی (اس) نعمت کے بدلے بھائی بھائی بن گئے۔ اور تم (گڑھے) تھے دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تو اس (اللہ) نے تمہیں بچالیا اس (میں گرنے) سے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیات اسی طرح بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پر ثابت قدم رہو۔"

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ☆ (الحشر:۹)

"اور وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں---(حقیقت یہ ہے کہ) جو (خوش نصیب) اپنے دل کی تنگی سے بچالئے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔"

Marfat.com

مسلمان کون---؟

یہ ایک سوال ہے۔ جسے مَیں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا۔

جواب ملا---"قرآن وسنت میں تلاش کرو۔"

میں نے تلاش کیا تو مجھے بڑا جامع اور مفصل جواب ملا۔

اس جواب کی روشنی میں جب مَیں نے اپنے آپ کو پرکھنا چاہا--تو لرز گیا۔ میری روح کانپ اٹھی، دل دہل گیا۔ سارے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی۔

شاید حضرت اقبال علیہ الرحمتہ نے بھی اس کا جواب تلاش کر لیا تھا--!

جبھی تو فرمادیا--چوں نے گویم مسلمانم بلرزم

وہ جواب کیا تھا جو مجھے قرآن وسنت سے ملا---؟

تو لیجئے---آپ بھی پڑھیے۔

لیکن ایک شرط ہے:

وہ یہ کہ اپنے ایمان کو اس "جواب" کے ترازو میں تولئے ضرور!!

Marfat.com

قارئین کرام! آپ سوچتے ہوں گے کہ یہ کیسا سوال ہے لیکن یہ ایک بڑا اہم اور بنیادی سوال ہے اور یہ سوال ہر شخص کو خود اپنے آپ سے کرنا چاہئے یہ اس لئے کہ اس زمانے میں ہر طرف فرقہ بندی کا دور دورہ ہے اور ہر فرقے والے دوسرے کو راہِ راست سے ہٹا ہوا سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو ہدایت یافتہ لیکن جو لوگ صحیح معنوں میں ہدایت یافتہ ہوتے ہیں وہ کبھی بھی فرقہ بندی میں نہیں پڑتے وہ تو فرقہ بندی کو حرام سمجھتے ہیں کیونکہ اسلام میں فرقہ بندی قطعی طور پر حرام ہے۔

قرآن کی عملی تفسیر حضور نبی کریم ﷺ کی سنت مطہرہ ہے۔ حضور خود چلتے پھرتے قرآن تھے۔ آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ قرآنی تعلیمات کی پوری پوری عکاسی کرتا ہے اور ہمارے لئے آپ کی ہستی میں بہترین نمونہ موجود ہے۔ انسان کی دائمی نجات اتباعِ سنت میں ہے اور اللہ کی محبت اور رضاو خوشنودی بھی صرف اور صرف اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب ہم مکمل طور پر رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی میں لگ جائیں گے۔

ہمارے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے۔

اتباعِ رسول ﷺ ---یعنی رسول ﷺ کی پیروی کا راستہ ارشاد ہوتا ہے۔

"اے میرے محبوب ﷺ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو صرف ایک ہی راستہ ہے۔ فَاتَّبِعُوْنِیْ میری اتباع کرو، میرے راستے پر چلو۔ سب راستے چھوڑ دو۔ صرف میرا راستہ، میری سنت، میری شریعت اور میرا اسوہ حسنہ اپناؤ۔ یہی تمہاری نجات کا باعث بن سکتا ہے۔

پھر کیا ہوگا؟

اللہ تمہارے سب گناہ معاف کر دے گا۔ کیونکہ اس کی تو شان ہے۔ کہ وہ نیک نیت لوگوں کو ہمیشہ معاف کرتا ہے۔ وہ بڑا غفور اور رحیم ہے۔ لیکن خبردار!--اگر ہم

Marfat.com

سنت چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کریں گے تو قعر مذلت میں گر جائیں گے۔ گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتے رہ جائیں گے۔

لفظ۔ فَاتَّبِعُوْنِی --- پر غور کریں۔

انسان کی دائمی نجات اسی ایک لفظ میں بند ہے۔ حضور ﷺ کی اتباع کرنا ہی سنت ہے اور جو سنت کی اتباع کرتا ہے وہ کبھی گمراہ نہیں ہوتا اور جو سنت سے ہٹ کر کوئی اور راہ نکالے گا وہ لازمی طور پر راہ سلامتی سے بھٹک جائے گا۔ مسلمان وہی ہے جو سنت کی پیروی کرتا ہے۔ چونکہ اہل سنت ہی حضور ﷺ کے طریقہ پر ہوتا ہے اس لئے جو اس سے اختلاف کرے گا وہ فرقہ بندی کا شکار ہوگا اور یاد رکھیں اسلام میں فرقہ بندی حرام ہے۔

اگر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ قرآن ہمیں رسول ﷺ کی طرف بلاتا ہے اور رسول ﷺ ہمیں قرآن کے احکامات کی پابندی کی تاکید فرماتے ہیں --- قرآن کہتا ہے۔

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (الحشر:۷)

"اور رسول ﷺ جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں رک جاؤ۔"

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَاتَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّۃُ نَبِیِّہٖ۔ (موطاامام مالک)

میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم نے ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھا (ان پر پورا پورا عمل کیا) تو کبھی گمراہ نہ ہوں گے۔ ایک تو اللہ کی کتاب (قرآن) ہے دوسری اس کے نبی ﷺ کی سنت۔

ہم ایک اللہ کو ماننے والے ہیں۔ ایک رسول ﷺ کی پیروی کرنے والے ہیں اور ایک کتاب (قرآن) پر عمل کرنے والے ہیں۔

Marfat.com

مسلمان کے سامنے صرف دو چیزیں ہوتی ہیں۔ قرآن و سنت اور بس مسلمان کسی تیسری چیز کو راستے میں نہیں لاتا۔ جب ہم کسی تیسری چیز کو ساتھ ملاتے ہیں تو اس وقت فرقہ بندیاں اور دھڑے بندیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ایک معیار قائم کیا ہے۔ قرآن و سنت کا معیار ہم اس وقت تک ہی اس معیار پر پورا اتر سکتے ہیں جب تک ایسی روایات پر عمل پیرا نہ ہوں جن کی قرآن و سنت میں کوئی اصل نہیں ملتی۔ مسلمان کے سامنے جب کوئی بات آتی ہے تو وہ اسے قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔ اگر وہ اس معیار پر پوری اترتی ہے تو وہ اسے قبول کر لیتا ہے اور اگر وہ اس معیار پر پوری نہ اترے تو اسے رد کر دیتا ہے۔

انسان جب کلمہ پڑھ لیتا ہے، سب خداؤں کی نفی کر کے ایک اللہ پر یقین کر لیتا ہے اور سب راستوں سے منہ موڑ کر ایک صراط مستقیم (شریعت محمدیہ ﷺ) پر گامزن ہو جاتا ہے تو وہ اسلام کے سلامتی والے شہر میں داخل ہو جاتا ہے۔ امن و سلامتی کے اس شہر میں داخل ہوتے ہی اس پر اس شہر کے اصول اور قوانین لاگو ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ ان اصول و ضوابط اور اس شہر میں مروجہ قوانین کی پابندی کرے گا، تو اس کا شہری کہلائے گا۔ ورنہ اسے اس شہر کی شہریت نہیں مل سکتی۔ ہم نے جو یہ گمان پیدا کر رکھا ہے کہ ہم نے کلمہ پڑھ لیا ہے اور مسلمان بن گئے ہیں یہ گمان بہت مہلک ہے۔ یہ ایک خوش فہمی ہے۔ جس میں مبتلا ہو کر ہم اپنی عاقبت سے بے فکر ہو جاتے ہیں اس کے رسول ﷺ سے محبت تو بہت جتاتے ہیں۔ لیکن ہمارے اعمال۔ ہمارے عقائد کی عکاسی نہیں کرتے۔ اعمال عقائد کے تابع ہوتے ہیں۔ انسانوں کا جو عقیدہ ہو گا اس کا عمل بھی اسی کے مطابق ہو گا ہمارا عمل ہمارے عقیدے کا ساتھ نہ دے تو ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارے عقیدے میں پختگی نہیں ہے اور حقیقت کی بجائے مفروضہ ہے۔ جو ہم نے اپنے دل میں قائم کر رکھا ہے۔

Marfat.com

آیئے ---- ہم اپنے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں تھوڑی دیر کے لئے رک کر سوچیں۔ تدبر کریں۔ آیا ہمارے عقائد حقائق پر مبنی ہیں یا مفروضات پر --!

سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ☆ (آیت ۱۰۲)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت آئے تو صرف اسلام پر آئے۔''

اس آیت پر غور کریں۔ ایمان والوں کو تاکید کی جارہی ہے۔ کہ ایمان لانے کے بعد ہاتھ پر ہاتھ رکھ نہ بیٹھ جاؤ کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے ہیں۔ اس کے رسولوں، کتابوں فرشتوں، اور یوم آخرت پر ایمان لے آئے اور بس۔

اے ایمان والو تم پر اب واجب ہو گیا کہ تم اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرنے کا کیا مطلب ہے؟ حالانکہ اللہ سے تو محبت کی جاتی ہے اور وہ بھی ایمان والوں سے محبت کرتا ہے۔ بلکہ ایمان والے تو اللہ کے ساتھ شدید محبت کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط (البقرہ ۱۶۵)

یہاں ایک بہت بڑا نکتہ ہے وہ یہ کہ اسی سے خوف اور اسی سے محبت؟ دو متضاد باتیں ایک ذات سے۔ لیکن یہ دونوں باتیں متضاد نہیں ہیں اس کی تشریح کیلئے نبی کریم ﷺ کا ارشاد سنئے حضور ﷺ نے فرمایا۔

رَاْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ ۔

''دانائی کی بنیاد خوف الٰہی ہے۔''

اور ارشاد رب العزت ہے:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ط (البقرہ:۲۶۹)

Marfat.com

"اور جسے حکمت (دانائی) دی گئی اسے خیر کثیر عطا کی گئی۔"

یہ دونوں ارشادات ذہن میں رکھتے ہوئے ذرا سوچئے انسان جس سے محبت رکھے اس کی ناراضی سے بھی ڈرتا ہے محبوب کی ناراضی محب کیلئے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ ورنہ وہ دعویٰ محبت میں سچا نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ نکتہ ہے جو خوف الٰہی میں مضمر ہے۔ محبت کی شدت یہی ہے کہ ہمیشہ محبوب کی رضا حاصل رہے اگر ذرا بھی ناراضی آئی تو شدت میں کمی آجائے گی اس لئے اولیاء اللہ کے دل میں سب سے زیادہ اللہ کی ناراضی کا خوف رہتا ہے کہ ہمارا اللہ جس سے ہم شدید محبت کرتے ہیں کہیں ناراض نہ ہو جائے۔

اللہ کے خوف کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم اللہ سے ڈر کر دور بھاگیں۔ بلکہ شدید محبت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ کا قرب حاصل کرے اور وہ اس وقت حاصل ہو سکتا ہے جب محبت کی شدت ہو اور محبت کی شدت اسی وقت ہو گی جب ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہے کہ مجھ بندے سے آقا کے حضور کوئی ایسی بات نہ ہو جائے کہ میرا آقا ناراض ہو جائے خوف اللہ کی ناراضی کا ہے نہ کہ اس کی ذات کا اس کی ذات سے تو بندے کی یہ نسبت ہے جو اس سے ظاہر ہو رہی ہے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق:١٦)

"اور ہم تو اس کی شہ رگ سے بھی قریب ہیں۔"

جو لوگ اللہ تعالیٰ سے دور ہیں ان کی اللہ سے کوئی محبت نہیں۔ اللہ کا جتنا قرب ہو گا محبت اتنی ہی زیادہ ہو گی اور مقربین کے درجات تو ایمان والوں میں سب سے زیادہ ہیں اور جس سے خوف آتا ہو انسان اس سے دور بھاگتا ہے۔ لیکن مقربین تو اللہ کے قریب ہیں صرف اس لئے کہ وہ اس کی ذات سے شدید محبت کرتے ہیں۔ اور اس کی ناراضی کا سب سے زیادہ فکر کرتے ہیں۔ یہی بات انہیں اعلیٰ درجات تک لے جاتی ہے اور وہ کوئی ایسا عمل نہیں کرتے جو اللہ کی ناراضی کا باعث بنے۔ پھر یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ

Marfat.com

نیکوں میں سب سے سبقت لے جاتے ہیں۔

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۙ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۙ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ☆

"اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے۔ وہی مقربین بارگاہ ہیں نعمت بھری جنتوں میں۔" (الواقعہ: ۱۰۔۱۲)

تو ثابت ہوا کہ ایمان والوں کو ایمان لانے کے بعد اللہ کی ناراضی سے ڈرنا ہے اور ہر وہ فعل ترک کر دینا ہے جو اللہ کی ناراضی کا باعث بنے۔ پھر فرمایا اللہ سے ایسے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ جس طرح مقربین (اللہ سے شدید محبت کرنے والے) اللہ کی ناراضی سے ڈرتے ہیں اس طرح ڈرو۔ پھر فرمایا تمہیں موت آئے تو اسلام پر آئے آخری وقت تم مسلمان بن کر رہنا۔ صحیح معنوں میں مسلمان سر تسلیم خم کر دینے والا اپنی مرضی کو اللہ کی رضا کے تابع کر دینے والا مسلمان۔ وہ مسلمان جو متقی ہوتا ہے تقویٰ جس کا لباس ہوتا ہے اور ڈرنے کا یہی حق ہے اور یہی سب سے بڑی سعادت ہے کہ بندہ تسلیم و رضا میں ساری زندگی گزار دے۔ اور جب فرشتہ اجل آئے تو کہے اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ...... میں حاضر ہوا میرے اللہ یہ جان تو کیا ایسی ہزاروں جانیں بھی ہوں تو تیرے حضور ایک ایک کر کے قربان کر دوں۔

ایسا مسلمان کب بنتا ہے؟

جب وہ ان شرائط پر پورا اترتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے عائد کی ہیں یہ وہی اصول و ضوابط اور قوانین ہیں جو سلامتی کے شہر میں داخل ہونے کے بعد اس شہر کے شہری پر لاگو ہوتے ہیں۔ جن کی پابندی کئے بغیر اسلام کے اس شہر میں داخل ہونے کا اسے کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اس کا اسلام مکمل نہیں ہوتا۔ جب تک اسلام و ایمان ناقص رہیں گے قابل قبول نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ناقص چیز پسندیدہ نہیں ہوتی آیئے -- ہم اس خوش فہمی کو دور کریں اس گمان کو ختم کریں جو ہم اپنے آپ میں کلمہ

Marfat.com

پڑھ لینے کے بعد پیدا کر لیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور یاد رکھیں یہ گمان بڑا مہلک ہے۔
مسلمان کون ہے ----؟

آیئے دیکھتے ہیں......

ا۔ جو شرک نہ کرے

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اللہ کے ہاں بس شرک ہی کی بخشش نہیں ہے۔ اس کے سوا اور سب کچھ معاف ہو سکتا ہے جسے وہ معاف کرنا چاہے۔ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ تو گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔" (سورۃ النساء: ۱۱۶)

"بے شک شرک تو ظلم عظیم ہے۔" (سورۃ لقمان: ۱۳)

"اے رسول ﷺ) آپ ﷺ فرمادیں کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے یہی حکم ہوا ہے۔ اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔" (سورۃ الاعراف: ۱۶۲۔۱۶۳)

معلم انسانیت ﷺ نے فرمایا۔

"اے معاذؓ۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر چاہے تو قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے۔"

(مسند امام احمد)

"جس شخص کو اس حال میں موت آئی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کرتا تھا تو وہ آگ میں داخل ہوا۔" (صحیح بخاری)

مسلمان شرک نہیں کرتا۔ وہ موحد ہوتا ہے اور عقیدہ توحید کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ شرک، توحید کی ضد ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات، حقوق اور حقوق کے تقاضوں میں وحدہ لاشریک ہے۔ اس کے مقابلے میں کسی اور کو بعینہ اس جیسا سمجھ لینا شرک کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا الٰہ اور معبود ہے۔ اسی کے دست قدرت میں

Marfat.com

پوری کائنات کی بادشاہی ہے۔ وہ اپنی ملکیت، حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ میں بلا شرکتِ غیرے واحد اور یکتا ہے۔ وہ اکیلا ہی خالق ہے۔ باقی ساری کائنات اور کائنات کی ہر ذی روح اور بے جان چیز اس کی تخلیق اور صناعی ہے۔ اس کا وجود ذاتی ہے اور لامحدود ہے۔ اس کے برعکس مخلوق کا وجود عطائی ہے اور محدود ہے۔ اس کی صفات ذاتی ہیں اور لامحدود ہیں۔ جبکہ مخلوق کی صفات اللہ ہی کی عطا کردہ ہیں اور محدود ہیں -- پس محدود کو لامحدود کے مدِمقابل ٹھہرا لینا کتنی بڑی جہالت و گمراہی ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں شرک کو ظلمِ عظیم کہا گیا ہے۔ کہ اس سے بڑا ظلم اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا -- پس مسلمان تو شرک کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا چہ جائے کہ وہ اتنے بڑے ظلم کا ارتکاب کرے۔ ہرگز نہیں اور اگر کر بیٹھے گا تو پھر وہ مسلمان نہیں رہے گا۔

سورۂ آل عمران میں شرک کی تین مختلف صورتیں بیان کی گئی ہیں اور اس کی چوتھی صورت سورہ الفرقان میں واضح کر دی گئی ہے یوں قرآن حکیم نے بڑے جامع انداز میں شرک کی تشریح فرما دی۔

ارشاد حق تعالیٰ ہے:

اَلاَّ نَعْبُدَ اِلاَّ اللّٰهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئاً وَّلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (سورۂ آل عمران:۶۴)

"کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے۔"

سورۂ فرقان میں شرک کی چوتھی صورت کے بارے میں فرمایا۔

اَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ۔ (آیت:۴۳)

"کیا تُو نے اسے دیکھا جو اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بناتا ہے!"

Marfat.com

پس واضح ہوا کہ ---

ا۔ اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کی جائے۔

۲۔ اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

۳۔ کسی دوسرے کو اللہ کے سوا اپنا رب نہ بنایا جائے۔

۴۔ اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود نہ بنایا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہی کائنات کا خالق، مالک، مدبر، رب اور معبود ہے۔ وہی عبادت کے لائق ہے کیونکہ وہ سب سے بڑا ہے۔ قدرتوں کا مالک ہے۔ ساری مخلوق اس کے سامنے عاجز اور بے بس ہے۔ صرف اسی کا حکم ہے جس نے اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا وہ اس کے ہاں بلند مرتبہ اور لائق تکریم ہے۔ اسی لئے تمام مخلوقات میں سب سے بلند مرتبہ اور اکرام واحترام کے لائق ہستی اس کے بندۂ خاص کی ہے جس نے سب سے پہلے اسے اپنا رب معبود اور خالق و مالک تسلیم کر لیا تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندۂ خاص کو بہترین مخلوق قرار دے دیا۔ وہ بندۂ خاص وہ بے مثل ہستی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے جو نبی آخر الزمان۔ ختم الرسل اور حبیب کبریا ہیں۔ جنہوں نے عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کی نسبتِ خاص ہی کو باعثِ فخر و افتخار سمجھا۔ یہ اعلیٰ وارفع مقام جس کے درجات کی انتہا احاطہِ عقلِ انسانی سے باہر ہے وہ مقامِ محمود ہے جو صرف اور صرف فخر موجودات۔ رسالت مآب سید العالمین اور رحمۃ للعالمین حضور نبی کریم ﷺ کو عطا فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ عبودیت کی حقیقت کو جس طرح حضور انور ﷺ نے سمجھا اور کوئی نہ سمجھ سکا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو جس طرح رسول اللہ ﷺ نے پایا اور کوئی نہ پا سکا۔ حضور ﷺ کے بعد درجہ بدرجہ انبیاء و رسل سلام اللہ علیہم اجمعین کا مقام آتا ہے۔ ان کے بعد صدیقین، شہدا اور صالحین ہیں۔ ان کے اپنے اپنے درجات اور مقامات ہیں جن کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔

Marfat.com

سمجھنے والی بات یہ ہے کہ مخلوقات میں سے کسی کو بھی خالق کے مدِ مقابل نہیں ٹھہرایا جاسکتا خواہ اس کا مقام کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو۔ اور نہ ہی مخلوقات میں سے کسی کی اپنے خالق کے ساتھ کسی قسم کی شرکت ہو سکتی ہے۔ چونکہ خالق صرف ایک ہی ہے۔ باقی سب کچھ اس خالق کی تخلیقات ہیں اور ظاہر ہے کہ تخلیق، خالق کی محتاج ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جو خود محتاج ہو وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا مخلوقات میں سے کسی کو اس خالق کے ساتھ شریک کر دینا نہ صرف اصولِ توحید اور عقل کے خلاف ہے بلکہ جہالت و گمراہی کی انتہا ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سب سے بہترین، اعلیٰ وارفع اور بے مثل تخلیق حضور نبی کریم ﷺ کی ہے۔ جو خَیْرُ الْبَرِیَّۃ ہیں۔ کہ ان کی مثل اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کسی کو بھی تخلیق نہیں کیا۔ نہ عرش نہ فرش نہ لوح نہ قلم نہ کرسی اور نہ کوئی مقرب فرشتہ نہ جن وانس میں سے کوئی۔ تمام تخلیقات، حضور ﷺ کی ہستی خاص سے کم تر ہیں۔ ایک ایسی تخلیق جس کی حقیقت کو سوائے خالق کے اور کوئی نہیں جانتا کہ حقیقتِ محمدی ﷺ کیا ہے! نہ حضور ﷺ کے درجات کی بلندی تک انسانی عقل کی رسائی ہے اور نہ ہی کسی فرشتے اور جن کی وہاں تک پہنچ ہے۔ جس کی مثل نہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بنایا اور نہ بنائے گا اور پھر اپنی اس بے مثل تخلیق سے اس قدر محبت کہ ذرا کسی نے انگلی اٹھائی وہیں وہ خالق کے غضب کا سزاوار ٹھہرا۔ اور اصول کی بات یہ بھی ہے کہ کوئی مصور اپنی بنائی ہوئی تصویر یا تخلیق میں نقص برداشت نہیں کرتا۔ فخر ہے خالق کو اپنی اس بے مثل تخلیق پر۔ اب دیکھئے کہ اتنی بلند مرتبہ ہستی حضور رسالت مآب ﷺ کی اور ذات بابرکات جس کی مثل مخلوقات میں سے کوئی بھی نہیں ہے -- اس کے باوجود بھی حضور ﷺ کی ذات اقدس کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ چہ جائے کہ باقی مخلوقات میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ کے مدِ مقابل ٹھہرالیا جائے پس سمجھ لینا چاہیے

Marfat.com

کہ خالق، خالق ہے اور مخلوق --- مخلوق ہی ہے۔ اگر باپ کے مقام پر بیٹے کو لا کھڑا کیا جائے تو کسی باپ کو یہ گوارا نہیں تو صد افسوس ایسے لوگوں پر جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرانے کا سوچ لیتے ہیں۔

پس مسلمان وہ ہوتا ہے جو شرک نہ کرے۔ کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے نہ ذات میں اور نہ صفات میں۔ اس کے علاوہ نہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب بنا لے۔ اور نہ ہی اپنی خواہشِ نفس کی اطاعت کرے کہ یہ بھی شرکِ خفی ہے۔

باقی رہا اختیارات اور ان کے استعمال کا مسئلہ تو جان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے اور حضور نبی کریم ﷺ مختار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر رسول اور نبی کو اختیارات سونپے تھے۔ لیکن حضور رسالت مآب ﷺ کو وسیع اختیارات سے نوازا ہے۔ توحید کے موضوع پر جب بھی بات کی جائے۔ یہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مالکِ کُل ہے اور ہر چیز اس کی ذاتی ہے۔ مخلوقات کو اس نے درجہ بدرجہ جو اختیارات دیئے ہیں وہ سب عطائی ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ۔ (سورۃ یونس:۴۹)

"(اے حبیب ﷺ) آپ کہہ دیں میں اپنے آپ کے لئے کسی نقصان اور نفع کا مالک نہیں ہوں۔ مگر جتنا اللہ تعالیٰ چاہے۔"

یہاں حضور ﷺ سے یہ کہلوایا جارہا ہے کہ آپ ﷺ ان کافروں سے کہہ دیں کہ ذاتی طور پر میں اپنے لئے بھی کسی نقصان یا نفع کا مالک نہیں ہوں میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ میرے اللہ کا عطیہ ہے۔ مجھے اختیارات سے نوازا گیا ہے مگر اتنا ہی جتنا میرے رب کریم نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو کتنا عطا فرمایا ہے۔ اور کہاں تک مختار بنایا ہے تو ہمارے پاس اس کو ناپنے یا تولنے کا کوئی

Marfat.com

عقلی پیمانہ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی حد مقرر کی جا سکتی ہے۔ وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی کوئی حد مقرر نہیں کی فرمایا۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ "بے شک ہم نے آپ کو (ہر چیز کی) کثرت عطا فرما دی ہے۔" اس کثرت کی حد کہاں تک ہے یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے یا اس کا رسول ﷺ اور اگر ہم اللہ تعالیٰ کی حضور ﷺ پر عطائے رحمت پر غور کریں تو انسانی فہم وادراک اور عقل و شعور بے بس ہو جاتے ہیں۔ فرمایا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

کہ ---"اے حبیب ﷺ) ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" کیا سارے جہانوں اور پوری کائنات کا ادراک ہم کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں اور اپنے لئے فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ کہ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو عالمین کا رب ہے۔ کہ اے حبیب ﷺ جہاں جہاں میری ربوبیت ہے وہاں وہاں کے لئے تو سراپائے رحمت ہے۔ اب اس کثرت کو کون ناپے گا؟ حقیقت یہی ہے کہ حضور ﷺ کی تخلیق، جسمانی و روحانی حیثیت اور آپ ﷺ کے درجات و کمالات کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ کہ یہ انسانی فہم وادراک سے ماوراء بات ہے۔ سورۃ الضحیٰ میں دیکھئے ارشاد ہوتا ہے: وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى "(اے حبیب ﷺ) عنقریب آپ ﷺ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ (اس عطا پر) راضی ہو جائیں گے۔"

بات دراصل یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ مقامِ رضائے خاص کی اس حد تک بلند ہیں جہاں سے آگے حدود ختم ہو جاتی ہیں۔ حضور ﷺ نے اس حد تک اپنے آپ کو۔ اپنی مرضی اور مشیت کو اللہ تعالیٰ کی سپرداری میں دے دیا تھا کہ اللہ رب العزت نے اپنی مشیت کو اپنے بندۂ خاص اور حبیب ﷺ خاص کی رضا و خوشنودی کے لئے مخصوص کر دیا۔ کہ اے حبیب ﷺ تجھے دینے والا تو میں ہوں اور اتنا دوں گا جتنا تو چاہے گا۔ اور

Marfat.com

جس پر تو راضی ہو جائے گا۔ حضور ﷺ نے ایک موقع پر اس کی تشریح یوں فرمائی۔

وَاللّٰهُ يُعْطِيْ وَاَنَا قَاسِمٌ۔ (بخاری و مسلم)

"کہ اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور مَیں تقسیم کرتا ہوں۔" یہ وسیع اختیارات چونکہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں۔ اس لئے یہ شرک کے زمرے میں نہیں آتے۔ جیسا کہ حضرت سہل بن سعد روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "جو مجھے اس کی ضمانت دے جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے اور جو اس کے دو پاؤں کے درمیان ہے تو مَیں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔" (صحیح بخاری)

یہ بھی اختیارات کی ایک قسم ہے۔ کہ حضور ﷺ ایسے شخص کے لئے خود جنت کی ضمانت دے رہے جو زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تیرے جنت میں داخلے کا ضامن مَیں خود ہوں۔ بخاری و مسلم میں شفاعت کبریٰ کی داستان ملاحظہ کیجئے۔ اس وقت لوگوں کو حضور ﷺ کی رحمۃ للعلمینی کی وسعت کا صحیح اندازہ ہوگا۔ جب تمام انسان در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد ختم الرسلین ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور شفاعت کے لئے التجاء کریں گے۔ حضور ﷺ ارشاد فرمائیں گے۔ اَنَا لَهَا اَنَا لَهَا۔ "ہاں ہاں میں اس (شفاعت) کے لئے تیار ہوں۔" اب ساری مخلوقات کی نگاہیں حضور ﷺ کی طرف ہوں گی۔ حضور رحمۃ للعلمین ﷺ عرش الٰہی کے سامنے سربسجود ہو جائیں گے کہ آواز آئے گی۔

يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ اِسْئَلْ تُعْطَ۔

"اے محمد ﷺ۔ اپنا سر مبارک اٹھاؤ۔ آپ ﷺ شفاعت کرتے جائیں مَیں شفاعت قبول کرتا جاؤں گا آپ ﷺ مانگتے جائیں مَیں عطا کرتا جاؤں گا۔"

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اختیارات کا استعمال پھر کس قدر ہوگا اس کا اندازہ تو حضور ﷺ

Marfat.com

کے اس ارشاد سے ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ فرمائیں گے۔ "اے رب کریم جل جلالہ میں تو اس وقت تک راضی نہیں ہونگا جب تک میری امت کا آخری فرد بھی جنت میں نہ پہنچ جائے گا۔

انبیاء ورسل میں سب سے زیادہ اختیارات حضور رسالت مآب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائے گئے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ سب سے بلند درجہ کے مختار ہیں۔ اللہ تعالیٰ مالک ہے۔ اور ان معانی میں وہ مختار نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ سے بڑی کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کو اختیارات سونپے کہ وہ کسی دوسرے سے اختیارات وصول نہیں کرتا۔ وہ تو خود مالک ہے۔ لہٰذا ان معانی میں اللہ تعالیٰ کو مختار یا مختارِ کل کہنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں بلکہ ایسا کہنے سے شرک لازم آئے گا حضور ﷺ کے مختار ہونے کی ایک جھلک ہمیں اس حدیث مبارکہ میں بھی نظر آتی ہے۔ حضرت مقدام بن معدی کرب روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

"خبردار رہو۔ مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسی قسم کی ایک اور چیز بھی۔ خبردار۔ ایسا نہ ہو کہ ایک شکم سیر آدمی مسند پر بیٹھا ہوا یہ کہنے لگے کہ بس تم قرآن کی پیروی کرو۔ جس چیز کو اس میں حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جس چیز کو اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔ حالانکہ جس چیز کو اللہ کا رسول ﷺ حرام ٹھہرائے وہ ایسی ہی حرام ہے جیسے اللہ کی حرام کردہ چیز۔ خبردار رہو۔ کہ تمہارے لئے پالتو گدھا حلال نہیں ہے اور نہ چیرنے پھاڑنے والے درندے حلال ہیں۔" (ابوداؤد۔ ابن ماجہ، حاکم۔ دارمی)

اسی طرح ابوداؤد میں حضرت عرباضؓ بن ساریہ روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

"کیا تم میں سے کوئی شخص اپنی مسند پر تکیہ لگائے یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی

Marfat.com

چیز حرام نہیں کی سوائے ان چیزوں کے جن کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے۔ خبردار رہو! اللہ کی قسم میں نے جن باتوں کا حکم دیا اور جو نصیحتیں کیں اور جن کاموں سے منع کیا وہ بھی قرآن کی طرح ہیں۔"

سورہ اٰل عمران کی آیت ۴۹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو اختیارات اور قوتیں عطا کی گئیں ان میں بھی یہی اصول کارفرما ہے۔

"کہ میں (عیسیٰ علیہ السلام) تخلیق کرتا ہوں تمہارے لئے گارے سے پرندے کی سی صورت پھر پھونک مارتا ہوں اس (بے جان صورت) میں تو وہ فوراً ہو جاتی ہے پرندہ (جیتا جاگتا) اللہ کے حکم سے۔ اور میں تندرست کرتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور (لاعلاج) کوڑھی کو اور میں زندہ کرتا ہوں مُردے کو اللہ کے حکم سے۔ اور بتا دیتا ہوں تمہیں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو۔ بے شک ان (باتوں) میں (میری صداقت کی) بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم (سچے) مومن ہو۔"

اللہ تعالیٰ ضرورت پڑنے پر بعض اختیارات اپنے مقرب فرشتوں کو بھی عطا فرماتا ہے۔ مثلاً سورہ مریم میں حضرت جبرئیل علیہ السلام جب حضرت مریم علیہا السلام کے پاس ایک جوان آدمی کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور آپ سلام اللہ علیہا گھبرا کر رحمٰن کی پناہ مانگتی ہیں تو جبرئیل کہتے ہیں۔

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰماً زَكِيّاً۔ (آیت ۱۹)

"میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں۔ تاکہ میں تجھے ایک پاکیزہ فرزند عطا کردوں۔"

حقیقت میں فرزند عطا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن جبرئیل چونکہ اس عطا کا ذریعہ بنے تھے اس لئے بطور مجاز فرزند دینے کی نسبت اپنی طرف کر دی۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے اگر کسی نعمت کے ملنے کو اس کے "ذریعے" یا "واسطے" کی

Marfat.com

طرف منسوب کر دیا جائے بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ منعم حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے تو ایسی نسبت درست ہے۔ اس سے انسان مشرک نہیں ہو جاتا۔

حضور سرور کائنات ﷺ کے ایسے ہی اختیارات کی نشاندہی امام اعظم حضرت ابوحنیفہ علیہ الرحمتہ نے اس شعر میں کی ہے۔

وشفيت ذا العاهات من امراضهم. وملات كل الارض من جدواك

"یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے بیماروں کو ان کی بیماریوں سے صحت عطا فرمادی ہے اور روئے زمین کو اپنے جود و کرم سے لبریز کر دیا ہے۔"

پس سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے۔ وہ اپنے بندوں کو اختیار **بہت** سے نوازتا ہے جس کو بھی اختیارات دیئے جائیں وہ مختار ہوتا ہے۔ (اختیار دیا گیا)۔ اللہ تعالیٰ نے صرف ان ہستیوں کو مختار بنایا ہے جن پر اپنا انعام کیا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ چونکہ حضور سرور کائنات ﷺ کا مقام و مرتبہ تمام انبیاء و رسل سے بہت بلند و ارفع ہے اس لئے سب سے زیادہ اختیارات حضور ﷺ کو مرحمت فرمائے گئے ہیں۔ اس طرح حضور انور ﷺ سب سے بڑے مختار ہیں کہ اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور حضور ﷺ تقسیم کرتے ہیں اور یہ بات شرک کے زمرے میں نہیں آتی۔

۲۔ جو والدین کا فرمانبردار ہو

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے بارے میں خود تاکید فرمائی ہے -- کہ میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا۔" (لقمان:۱۴)

"اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے

Marfat.com

ساتھ احسان کرو۔ اگر تمہارے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے اف تک نہ کہو اور انہیں نہ جھڑکو اور ان سے تعظیم کی بات کہو اور ان کے لئے عاجزی کا بازو بچھادو نرم دلی سے۔ اور عرض کرو---اے میرے رب! تو ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم نیک کردار ہو گے تو بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔" (بنی اسرائیل: ۲۳۔۲۵)

نبی رحمت ﷺ نے فرمایا۔

"اللہ کی رضا والد کی خوشنودی میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔" (ترمذی)

"اللہ تعالیٰ نے ماؤں کی نافرمانی تم پر حرام کردی۔" (صحیح بخاری)

"جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔" (ترغیب الترہیب)

اللہ تعالیٰ انسان کا خالق حقیقی ہے۔ اور والدین اس کو وجود میں لانے کا واحد ذریعہ ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد انسان پر سب سے زیادہ حق والدین کا ہے۔ انسان دنیا میں آکر بے بس ہوتا ہے۔ کئی سالوں تک اسے ایک سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ فقط والدین ہی اس کا سہارا بنتے ہیں۔ اور اس کی پرورش اور تربیت کا سامان ہوتے ہیں بچے پر اپنا آرام اور راحت قربان کرتے ہیں۔ والدین کی محبت اولاد کے لئے خالص ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں والدین کا نعم البدل پیدا ہی نہیں کیا۔ کوئی ہستی ان کی جگہ نہیں لے سکتی۔ والدین کا اپنی اولاد پر اتنا زیادہ احسان ہے کہ ساری عمر ان کی خدمت کرتے گزار دی جائے تو بھی احسان ادا نہیں ہو سکتا۔ ایک مرتبہ صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ "ذلیل و خوار ہوا، ذلیل و خوار ہوا، ذلیل و خوار ہو۔" صحابہ نے پوچھا۔ "کون یا رسول اللہ ﷺ!" ارشاد

Marfat.com

ہوا۔ "وہ جس نے اپنے ماں باپ کو، یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا پھر ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر لی۔" (صحیح بخاری)

اولاد کو چاہئے کہ وہ عملی طور پر والدین کی اطاعت و فرمانبرداری کرے۔ ان کے ہر حکم کو بجا لائے۔ کیونکہ اسی میں اولاد کی دینی اور دنیاوی فلاح موجود ہے۔ بعض اوقات والدین کی خدمت جہاد جیسے اہم فریضہ سے بھی افضل بن جاتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے جہاد میں شامل ہونے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے پوچھا۔ "تمہاری والدہ زندہ ہے؟" جواب دیا۔ "ہاں۔ یارسول اللہ ﷺ۔" فرمایا اس کی خدمت میں لگے رہو کہ جنت اس کے پاؤں کے نیچے ہے۔"

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ! مجھ پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟"

نبی رحمت ﷺ نے فرمایا۔ "تیری ماں کا۔" اس نے پھر عرض کیا۔ "یارسول اللہ ﷺ اس کے بعد؟" آپ ﷺ نے فرمایا۔ "تیری ماں کا۔" صحابی نے تین بار پوچھا تو بارگاہ رسالت سے یہی جواب ملا۔ اور جب اس نے چوتھی مرتبہ دریافت کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ "تیرے باپ کا۔" اولاد جوان ہو جائے، کمانے لگے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی کمائی سے والدین کا حصہ نکالے۔ حضور ﷺ نے خود اس کی تاکید فرمائی ارشاد ہوا۔ "تمہاری اولاد تمہاری پاک اور حلال کمائی ہے۔ تم اپنی اولاد کی کمائی سے بلا جھجک کھاؤ اور پیو۔"

یہ والدین کا حق ہے کہ وہ اولاد کی کمائی اپنے استعمال میں لائیں اور جب والدین اس دنیا سے رخصت ہو جائیں تو اولاد کو چاہئے کہ ان کے حق میں دعائے مغفرت کرتی رہے۔

والدین کا یہ بھی حق ہے کہ اولاد ان کے عزیز و اقارب سے بھی نیک برتاؤ کرے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔

"چچا والد کی طرح ہے۔ اور اگر والدہ زندہ نہ ہو تو خالہ کی خدمت کر لو۔"

Marfat.com

حضرت ابی بکرۃ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "اے صحابہ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ "ہاں یا رسول اللہ ﷺ ضرور ارشاد فرمایئے۔" تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ "سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور اپنے والدین کی نافرمانی کرنا ہے۔ (بخاری شریف)

والدین تو اس سایہ دار درخت کی طرح ہیں۔ جس کا سایہ دھوپ کی شدت اور تپش سے بچاتا ہے مسلمان اگر والدین کی نافرمانی کرے گا تو مسلمان نہ رہے گا۔ کیونکہ اس طرح وہ اطاعت رسول ﷺ سے روگردانی کرے گا اور جس نے رسول ﷺ کی اطاعت سے منہ موڑا وہ تو کھلی گمراہی میں بھٹک گیا۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ۔

(آیت:۳۲)

"اے نبی ﷺ ان لوگوں سے) کہہ دیں کہ اللہ اور (اس کے) رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو (وہ یاد رکھیں کہ) اللہ نافرمانوں کو پسند نہیں کرتا۔"

۳۔ جو اللہ کا ذکر کرے

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"(ایمان والے تو) وہ لوگ ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتے اور نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ڈرتے ہیں اس دن سے جس دن الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں۔" (النور:۳۷)

"وہ لوگ جو اللہ کی یاد میں مستغرق رہتے ہیں۔ کھڑے اور بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے۔" (آل عمران:۱۹۱)

Marfat.com

"اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے۔" (الجمعہ:۱۰)

ہادی برحق علیہ کے ارشادات عالیہ:

"اللہ کا ذکر کرنے والا زندہ ہے اور غافل مُردے کی مانند ہے۔" (بخاری شریف)

"جس محفل میں ذکر الٰہی ہو فرشتے اسے گھیر لیتے ہیں۔ رحمت ان پر چھا جاتی ہے اور اللہ رب العزت ذکر کرنے والوں کا آسمان پر تذکرہ کرتا ہے۔ (مسلم شریف)

"ہر شے کو صاف کرنے والی کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے اور دلوں کو صاف کرنے والی چیز اللہ کا ذکر ہے۔" (بیہقی شریف)

"اللہ کے ذکر سے بڑھ کر عذاب قبر سے نجات دلانے کا کوئی دوسرا وسیلہ نہیں۔" (طبرانی)

"جب تمہارا گزر جنت کے باغوں پر ہو تو اس کے پھل چن لیا کرو۔"

صحابہ کرامؓ نے اس کی وضاحت پوچھی تو فرمایا---

---"جنت کے باغات تمہاری یہ مسجدیں ہیں اور پھل چننے سے مراد اللہ کا ذکر ہے۔" (ترمذی)

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک وہ مجھے یاد کرتا رہتا ہے اور میرے لئے اس کے ہونٹ ہلتے رہتے ہیں۔" (بخاری شریف)

دینی اصطلاح میں ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے۔ مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ ہمہ وقت یاد الٰہی میں مشغول رہے۔ ذکر تین قسم کا ہے۔ قلبی ذکر--کہ دل کے اندر اللہ تعالیٰ کی یاد ہمیشہ موجود رہے۔ لسانی ذکر--کہ زبان اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہلتی رہے اور تروتازہ رہے۔ عملی ذکر--کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کا عملی نمونہ بن جائے۔ اس کا کوئی عمل بھی قرآن وسنت سے ہٹ کر نہ ہو۔ یہی تقویٰ ہے جس کی بنیاد اللہ کا ذکر ہے۔ انسانی فطرت یہ ہے کہ انسان سب سے زیادہ اسے یاد کرتا ہے جس کے

Marfat.com

ساتھ اس کی سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے، مسلمان کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے ہو۔ جیسا کہ قرآن نے اس کی تصدیق کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ یعنی "مومن کی سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتی ہے" اس لئے مسلمان سب سے زیادہ اللہ ہی کا ذکر کرتا ہے۔ اسی کی یاد دل کے اندر رکھتا ہے۔ اس محبت کا اظہار وہ زبان سے بھی کرتا ہے اور عمل سے بھی کرتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس اظہارِ محبت کو مشروط کر دیا فرمایا۔ "تم مجھے یاد کرو تو میں بھی تمہیں یاد کرتا رہوں گا۔" اور اگر تم نے مجھے بھلا دیا تو میں بھی تمہیں فراموش کر دوں گا۔" قرآن نے تو فیصلہ دے دیا کہ اگر تم اللہ کا ذکر کرو گے تو اللہ تمہیں یاد رکھے گا۔ ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کی تاکید اس لئے فرمائی ہے کہ ذکر الٰہی سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ دلوں کے اندر نرمی اور رقت پیدا ہوتی ہے دلوں کی نرمی سے اخلاقِ حسنہ پیدا ہوتے ہیں۔ اور دلوں کی سختی سے بد خُلقی پیدا ہوتی ہے۔ اور انسان اللہ سے دور ہو جاتا ہے اور اس کے بندوں سے بھی دور ہو جاتا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ -- "میں (اللہ) اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک وہ میرا ذکر کرتا ہے اور میرے لئے اس کو ہونٹ ہلتے رہتے ہیں۔" مسلمان کی پہچان یہی ہے کہ وہ ہر وقت اپنے خالق و مالک کو یاد کرتا رہے۔

سورہ آلِ عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وہ (عقل سلیم رکھنے والے) لوگ جو کھڑے بیٹھے اور پہلوؤں کے بل لیٹے اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں اور (تسلیم کرتے ہیں) کہ اے ہمارے رب۔ تُو نے یہ سب کچھ بیکار پیدا نہیں کیا پاک ہے تُو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔"

یعنی عقل سلیم رکھنے والے لوگ بغیر سوچے سمجھے ذکر نہیں کرتے بلکہ غور و فکر

Marfat.com

کرتے ہیں۔ اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر اپنے یقین کو پختہ کرتے ہیں اور اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بنی نوع انسان کی بہتری کے لئے کام کرتے ہیں خدمتِ خلق میں لگے رہتے ہیں کہ یہ بہت بڑی نیکی ہے۔ اصل میں ذکر صرف زبانی یا قلبی ہی نہیں بلکہ عملی طور پر جب مسلمان کے اندر مثبت تبدیلی آتی ہے اور اس کے اندر کا انسان ذاکر بن جاتا ہے تو سمجھ لیں کہ حقیقی کامیابی حاصل ہو گئی۔ پھر انہیں خرید و فروخت، کام کاج اللہ کی یاد سے روکتے نہیں۔ ایسے لوگ اپنا کاروبار کرتے ہیں، ملازمتیں کرتے ہیں۔ کھیتی باڑی کرتے ہیں، دستکاری کرتے ہیں تعلیم دیتے ہیں۔ کسی بھی شعبہ زندگی میں رہیں وہ اللہ کی یاد میں ہوتے ہیں۔ یہاں وہ عملی طور پر ذاکر ہوتے ہیں۔ مثلاً تاجر جب پورا تولتا ہے پورا ناپتا ہے، ملاوٹ نہیں کرتا مال بیچنے کے لئے جھوٹی قسمیں نہیں کھاتا، گاہکوں کو دھوکا نہیں دیتا۔ مناسب منافع لیتا ہے۔ ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا تو سمجھ لیں کہ وہ اللہ کا ذکر کر رہا ہے۔ ذکر کی حقیقت یہی ہے اسی طرح اگر کوئی ملازم پیشہ ہے وہ ایمانداری سے اپنے فرائض ادا کرتا ہے۔ رشوت نہیں لیتا۔ لوگوں کو خوامخواہ تنگ نہیں کرتا۔ عوام کو سہولتیں فراہم کرتا ہے۔ رزق حلال کماتا ہے۔ تو وہ اللہ کا ذکر کر رہا ہوتا ہے۔ قلبی اور لسانی ذکر کے اثرات یہی ہوتے ہیں کہ مسلمان کے اعمال سنور جائیں۔ اس کا کوئی عمل بھی قرآن و سنت سے باہر نہ ہو۔ اسی کو اللہ کی رضا پر راضی رہنا کہتے ہیں۔ یہی تقویٰ ہے۔ ایسا شخص معاشرے کے لئے بھی خیر خواہ ہوتا ہے۔ خوش خُلقی، ایمانداری، شرافت، عہد کی پاسداری، قناعت، توکل صدق، وقار و متانت اور شجاعت جیسے اوصاف اس کے اندر پرورش پانے لگتے ہیں وہ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنے لگتا ہے ناشکری نہیں کرتا۔ وہ غافل نہیں ہوتا باشعور اور مستعد ہوتا ہے۔ جب یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ایسے کامیاب مسلمان کا ذکر فرشتوں میں کرتا ہے اور اسے اپنا قرب عطا کرتا ہے۔ پھر ایسے بندے کا اٹھنا بیٹھنا

Marfat.com

چلنا پھرنا کھانا پینا حتیٰ کہ سونا بھی عبادت بن جاتا ہے۔ حق تعالیٰ اسے اپنی محبت عطا فرما کر دائمی کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔

"یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نواز تا ہے وہ بڑے فضل و کرم والا ہے۔"

پس مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ ہمہ وقت یاد الٰہی میں مشغول رہے وہ اس لئے کہ مسلمان کی زندگی کا ہر فعل عبادت ہے جو اللہ کی رضا کی خاطر کیا جائے۔ اللہ کی یاد کا ہر وقت دل میں قائم رہنا ہی اسلام ہے۔ یہ اللہ کی یاد ہی ہے جو مسلمان کو ہر برے کام سے روکتی ہے۔ جب مسلمان سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو دراصل اس وقت اللہ کی یاد اس کے دل سے دور ہوتی ہے۔ اگر دل میں اللہ کی یاد ہوتی تو وہ گناہ نہ کرتا اسی لئے حضور نبی رحمت ﷺ نے فرمایا۔ "جب تم سے کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً نیکی کرو۔ کیونکہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔" حضور ﷺ کی منشا یہ ہے کہ فوراً اللہ کی یاد سے دل کی دنیا آباد کرو کہ تم سے نیکی سرزد ہو جائے۔ توبہ کی توفیق مل جائے اور گناہ مٹا دیا جائے یہی وہ فلاح ہے جس کا ذکر سورہ جمعہ میں کیا گیا ہے کہ -- "اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔" مسلمان کی بہتری اللہ کی یاد میں ہے اور اس کی بربادی اللہ کو فراموش کر دینے میں ہے۔ حصولِ منزل کے اس سفر میں مرشد کی راہنمائی اس لئے ضروری ہے کہ وہ اس راہ کے راہی کو اللہ کی یاد میں مشغول رکھتا ہے۔ ذرا سی غفلت ہو پاتی ہے تو مرشد اسے فوراً ہوشیار کرتا ہے کہ خبردار یہ غفلت شیطان کی طرف سے ہے جو اس صراط مستقیم سے نکلنے والی ہر پگڈنڈی پر دھاک لگائے بیٹھا ہے کہ تو اللہ کی یاد سے ذرا غافل ہوا تو یہ تجھے بہلا پھسلا کر اس سیدھی راہ سے بے راہ کر دے گا۔ مرشد کی ذات تو اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ راہنما کے بغیر اس راہ کے راہی کا منزل تک پہنچنا ناممکن ہے۔ کیونکہ ہمارے دشمن شیطان کی چالیں اور مکاریاں جہاں خطرناک ہیں وہاں

Marfat.com

دلفریب بھی ہیں۔ اس راہ کے راہی کو بے راہ کرنے کے لئے اس کے پاس لاتعداد حربے ہیں۔ بڑے داؤ ہیں اس کے پاس۔ اس لئے ہم ہر وقت اللہ کو یاد رکھیں اور اللہ کی پناہ مانگتے رہیں شیطان مردود ہے۔

اللہ کو یاد رکھنے کے بہت سے ذرائع ہیں۔ جن میں نماز ایک موثر اور بہترین ذریعہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو۔" (طٰہٰ:۲۰)

نماز ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے مکمل ہونی چاہئے۔ اگر رکوع و سجود میں ہمارا جسم اللہ کی بارگاہ میں جھکتا ہے تو اس کے ساتھ دل بھی اللہ کے حضور جھک جائے۔ دل سے غیر اللہ کو نکال کر صرف اللہ کی یاد موجود رہے۔ نماز میں پڑھے جانے والے الفاظ کے معانی روح میں اتر جائیں۔ تاکہ وہ دل پر اثر کریں۔ پھر ایسی نماز مسلمان کو بے حیائی اور برے کاموں سے بچائے گی۔ مسلمان نمازی ہوتا ہے۔ روزہ دار ہوتا ہے۔ صاحب نصاب ہو تو زکوٰۃ اور حج ادا کرتا ہے۔ جانی اور مالی جہاد کرتا ہے۔ یہ سب اللہ کی یاد کے ذرائع اور طریقے ہیں۔ جو ان طریقوں کو نہ اپنائے کیا وہ مسلمان ہو سکتا ہے؟ --ہرگز نہیں۔

۴۔ جو دروغ گو، خائن اور وعدہ خلاف نہ ہو

حق تعالیٰ نے فرمایا:

"جھوٹی بات کہنے سے بچو۔" (الحج:۳۰)

"بے شک خیانت کرنے والا اللہ کو پسند نہیں۔" (الانفال:۵۸)

"اور عہد پورا کرو بے شک عہد کے بارے میں باز پرس ہو گی۔" (بنی اسرائیل:۳۴)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ اگرچہ وہ روزہ رکھتا ہو نماز پڑھتا ہو اور یہ گمان کرتا ہو کہ وہ مسلمان ہے۔ جب بولے جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔

Marfat.com

امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔ (بخاری شریف: ج ۱)

منافق وہ ہوتا ہے جس کا دل ایمان کی دولت سے خالی ہو۔ نفاق اور ایمان متضاد چیزیں ہیں۔ رسول پاک ﷺ کے ارشاد کے مطابق منافق کی تین علامتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایمان والا وہ شخص ہوگا جس میں یہ تین علامتیں نہیں ہوں گی اور اگر ان میں سے کوئی بھی علامت پائی گئی تو اس کے ایمان کی جگہ نفاق لے گا اور جہاں نفاق ہوتا ہے ایمان نہیں ہوتا -- اگر منافق کی یہ تین علامتیں ہیں تو اس کے برعکس ایمان رکھنے والے میں بھی تین علامتیں ہونی چاہئیں۔

جب بات کرے سچی کرے۔
جو وعدے کرے پورا کرے اور جب کوئی امانت رکھی جائے تو اس کی پوری پوری حفاظت کرے۔
جس میں یہ تین باتیں ہوں گی وہ صحیح معنوں میں ایمان والا مسلمان ہوگا۔
اظہار نبوت سے پہلے حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس میں یہی تین صفات حمیدہ سب سے زیادہ نمایاں تھیں۔ آپ ﷺ صادق اور امین مشہور تھے اور وعدے کی پاسداری کے بڑے پابند تھے۔

روز مرہ زندگی میں ہمیں بھی انہی تین چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے ہم اپنا اپنا حساب خود لگائیں کہ ہمارے اندر ایمان کس قدر ہے اور ہم کس درجے کے مسلمان ہیں کلمہ پڑھ کر امن کے شہر میں تو داخل ہوگئے ہیں لیکن ان شرائط پر ہم کہاں تک پورا اتر رہے ہیں ہمیں ساتھ ساتھ ہی حساب لگاتے رہنا چاہئے۔ تاکہ ہمارے دلوں میں مسلمان اور مومن ہونے کی جو خوش فہمی پڑی ہوئی ہے وہ نکلتی رہے -- ہم اپنا محاسبہ کریں پھر آگے بڑھیں کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ "اگرچہ وہ روزہ رکھتا ہو نماز پڑھتا ہو اور اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر وہ مسلمان ہے۔" وہی خوش فہمی جس کا پہلے بھی ذکر کیا گیا

Marfat.com

ہے کہ یہ بڑی مہلک ہے۔ لہٰذا مسلمان نہ تو جھوٹ بولنے کی عادت میں مبتلا ہو سکتا ہے نہ امانت میں خیانت کر سکتا ہے اور نہ ہی وعدہ خلافی کو معمول بنا سکتا ہے۔

۵۔ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں (ان کی خصوصیات یہ ہیں کہ) وہ کافروں پر سخت ہیں (لیکن) آپس میں رحم دل ہیں۔ تُو انہیں دیکھے گا۔ رکوع کرتے سجدے میں گرتے اللہ کا فضل اور رضا چاہتے ہوئے سجدوں کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔" (الفتح:۲۹)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"

(بخاری شریف)

مسلمان ہونے کی پانچویں علامت یہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے صحابہؓ کی جو تربیت فرمائی تھی وہ یہ تھی کہ آپ کے صحابہؓ کفار پر تو نہایت سخت تھے۔ لیکن آپس میں ان کا یہ حال تھا کہ وہ نہایت رحم دل شفیق، ہمدرد اور غمگسار تھے۔ کفار پر ان کی سختی کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ عام حالات میں بھی ان سے سختی سے پیش آتے تھے۔ بلکہ آپس کے معاملات میں بھی وہ اخلاقیات کا پاس رکھتے اور حسنِ سلوک سے پیش آتے۔ بسا اوقات کفار ان کا حسنِ سلوک دیکھ کر ہی مسلمان ہو جاتے۔ ان کی سختی کفر کے مقابلے میں اپنے ایمان کی پختگی پر دلالت کرتی تھی یا پھر میدان جنگ میں وہ اسلام کا نام بلند رکھنے کیلئے ہر اس طاقت کو کچل دیتے جو اسلام کو ختم کر دینے کے درپے ہوتی۔ آپس میں رحم دلی کا تو

Marfat.com

یہ عالم تھا کہ ہمیشہ دوسرے کو اپنی ذات پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ رحم دلی، آپس میں شفقت، اور ہمدردی کی ہزاروں مثالیں تاریخ اسلام میں بکھری پڑی ہیں۔ وہ آپس میں شیر و شکر تھے۔ حضور ﷺ نے ہر قسم کی اخلاقی برائیوں سے پاک اسلامی معاشرہ تشکیل دیا تھا اور اسلام ایسے ہی معاشرے کا مقتضی ہے۔

اسلامی معاشرے کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس کے افراد، بغض، حسد، کینہ، جھوٹ، فریب، دھوکہ دہی اور ہر قسم کے لڑائی جھگڑے سے دور رہتے ہیں اس لئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ بلکہ شرط عائد کر دی کہ جس شخص کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں وہی مسلمان ہے۔ کیونکہ امن و سلامتی کے شہر کا شہری ہے۔ وہ خود سلامت ہے اور اسے دوسروں کو بھی سلامت رکھنا ہے۔ وہ اپنے مسلمان بھائی کیلئے اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکالے جو اسے تکلیف دے۔ مثلاً نہ غیبت کرے، نہ بہتان باندھے نہ برائی بیان کرے نہ گالی گلوچ کرے اور نہ ہی دوسرے مسلمان بھائی سے بد اخلاقی سے پیش آئے۔ اور ہاتھ سے حفاظت یہ ہے کہ اس کا ہاتھ مسلمان بھائی کیلئے کسی نقصان پہنچانے کے ارادے سے نہ اٹھے بلکہ جب بھی ہاتھ بڑھے تعاون اور محبت کا ہاتھ بڑھے اور جو شخص ایسا نہیں کرتا وہ اسلام کے سیدھے راستے سے بھٹکا ہوا ہو گا۔ جو صراط مستقیم سے بھٹک جائے وہ گمراہی کے گڑھے میں گر گیا۔

ظلم و بربریت، اغوا کی وارداتیں، بدکاریاں، قتل و غارت ڈاکے چوری یا لڑائی جھگڑے اور فسادات یہ سب ہاتھ سے دوسرے مسلمان بھائی کو نقصان پہنچانے والی باتیں ہیں جو آج اس کثرت سے ہو رہی ہیں۔ کہ اللہ کی پناہ اور ہم ایسا کرتے ہوئے بھی مسلمان کہلاتے ہیں۔ ذرا سوچئے۔ اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیجئے اور حساب لگایئے فیصلہ ضمیر سے طلب کیجئے۔۔ یہ سوچنے اور فکر کرنے کی باتیں ہیں قرآن و حدیث کی تلاوت کر کے بس آگے بڑھ جانا جیسا کہ ہمارا روز مرہ کا معمول ہے۔ اسلام کا مقصد نہیں ہے

Marfat.com

قیامت کے دن ہمیں پوچھا جائے گا اپنے آپ کو مسلمان اور مومن کہلانے والے شخص! کیا تمہیں قرآن کے احکامات نہیں پہنچے تھے؟ کیا رسول اللہ ﷺ کی باتیں تمہارے کانوں تک نہیں پہنچی تھیں-- تم اپنے مسلمان بھائی کی غیبت کرتے رہے بہتان باندھتے رہے۔ اس کی برائیاں اچھالتے رہے۔ اس کا برا سوچتے رہے اپنی زبان اور ہاتھوں سے ظلم کرتے رہے اور اپنے آپ کو مسلمان بھی سمجھتے رہے---- آج یہ خوش فہمی تمہیں لے ڈوبی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا۔ "ہم میں سے مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ تو درہم ہوں اور نہ مال و متاع۔" آپ ﷺ نے فرمایا۔ "میری امت کا مفلس شخص وہ ہے جو روز قیامت (اللہ کی بارگاہ میں) حاضر ہو گا۔ اور وہ اس حال میں آیا ہو گا کہ (دنیا میں) اس نے کسی کو گالی دی ہو گی، کسی پر بہتان تراشا ہو گا، کسی کا مال کھایا ہو گا، خون بہایا ہو گا اور کسی کو مارا ہو گا۔ (جب وہ اللہ کی بارگاہ میں نماز روزہ اور زکوٰۃ سے حاصل کردہ نیکیاں پیش کرے گا تو مظلوم لوگ اسے گھیر لیں گے اور اپنے اپنے مطالبے پیش کریں گے۔) پس اس کی نیکیوں میں سے ہر ایک کو دے دی جائیں گی اور اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی۔ لیکن لوگوں کے (مارے ہوئے) حقوق ابھی باقی ہوں گے۔ (حکم ہو گا) ان کے گناہ اس شخص پر ڈال دو۔ تو ان لوگوں یعنی حق داروں کے گناہ لے کر اس (غاصب) پر ڈال دیئے جائیں گے۔ اور پھر اسے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔" (صحیح مسلم)

اب اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے حضور رسالت مآب ﷺ کے اس فرمان پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا خیال رکھنا کس قدر ضروری ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حقوق اللہ قبول ہی اس وقت ہوتے ہیں جب حقوق

Marfat.com

العباد پورے پورے ادا کیے جائیں۔ یہی اعمال کی روح ہے اور یہی دین کی حقیقت ہے۔ نماز پڑھ کر کسی مسلمان کو گالی دینا برا بھلا کہنا، کہاں کی عقلمندی ہے۔ کیا نماز مسلمان کو بے حیائی اور برے کاموں سے نہیں روکتی؟ کیا روزہ رکھ کر کسی کا ناحق مال کھانا، قتل و غارت کرنا تقویٰ کی علامت ہے؟ کیا زکوٰۃ دے کر اور صدقہ و خیرات کر کے کسی کو نقصان پہنچانا، مارنا ظلم کرنا اور بہتان تراشی کرنا نیکی ضائع کرنے کے مترادف نہیں ہے؟ ہم اپنی نمازوں کا تو خیال رکھتے ہیں مگر جو کام نماز کی قبولیت کے لئے ضروری ہے وہ نہیں کرتے۔ یہ خیال نہیں کہ رزق حلال کا ہے یا حرام کا۔ لیکن صدقات و خیرات بھی دیئے چلے جاتے ہیں روزے بھی رکھتے ہیں۔ حج بھی کرتے ہیں۔ لیکن کسی کی زمین ہتھیا لینے یا دھوکے سے مال کھا لینے کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ وظائف اور تسبیحات بھی کرتے ہیں لیکن رشوت لیتے ہوئے ذرا خوف نہیں کھاتے۔ ہم نماز روزہ حج اور زکوٰۃ کا بڑا خیال رکھتے ہیں لیکن گناہ سے نہیں بچتے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ ہم علاج کے لئے دوا کا استعمال کرتے ہیں لیکن پرہیز نہیں کرتے۔ تو اس طرح مرض تو ختم نہیں ہوگا نا!! اور علاج بھی بے فائدہ رہے گا۔ کسی درویش سے پوچھا گیا کہ نیکی کروں یا گناہ چھوڑ دوں۔ درویش نے کہا نیکی نہ کر گناہ چھوڑ دے۔ بڑی حکمت کی بات کہی اس نے۔ کہ جب گناہ نہیں رہے گا تو باقی نیکی رہ جائے گی۔

پس اے دوست! اللہ کے بندوں سے محبت کر۔ اللہ تجھ سے محبت کرے گا۔ پھر نماز بھی قبول ہو جائے گی، روزہ بھی، حج اور زکوٰۃ بھی۔

اس لئے

"مسلمان تو وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔" اور جو ایسا نہ ہو اسے اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے شرم آنی چاہئے۔

Marfat.com

۶۔ جو صلہ رحمی کرے

ارشاد باری تعالیٰ:۔ "پس (اے ایمان والو) رشتہ دار کو اس کا حق دو۔"

(الروم:۳۸)

"(اے نبی ﷺ) لوگ آپ سے پوچھتے ہیں ہم کیا خرچ کریں؟ فرمادیجئے۔ کہ جو مال بھی تم خرچ کرو۔ اپنے والدین پر، رشتہ داروں پر، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو۔ اور جو بھلائی بھی تم کرو گے اللہ اس سے باخبر ہے۔" (البقرہ:۲۱۵)

اے لوگو! اپنے رب (کی ناراضی) سے ڈرو۔ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا۔ اور ان دونوں سے بہت مرد عورت (دنیا میں) پھیلا دیئے۔ اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم (ایک دوسرے سے اپنے حق) مانگتے ہو اور صلہ رحمی کرو۔ (رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو) بے شک اللہ ہر وقت تم پر نگرانی کر رہا ہے۔" (النساء:۱)

"اور یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف پر قائم رہو اور تم جو بھلائی کرو تو اللہ کو اس کی خبر ہے۔" (النساء:۱۲۴)

ارشادات رسول ﷺ۔

"جو مسلمان صلہ رحمی کا حق ادا نہ کرے وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔" (صحیح بخاری)

جس (مسلمان) کو یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں وسعت اور عمر میں برکت ہو تو اسے چاہئے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔ (رواہ بخاری)

کسی (مسلمان) شخص کا یہ کمال نہیں ہے کہ وہ حُسنِ سلوک کا جواب حُسنِ سلوک سے دے بلکہ کمال یہ ہے کہ اس کے رشتہ دار اس سے بدسلوکی کریں اور وہ ان سے حُسنِ سلوک سے پیش آئے۔ (رواہ بخاری)

مسلمانوں کے گھروں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے نیک سلوک ہو

Marfat.com

رہا ہو اور بد ترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے برا سلوک ہو رہا ہو۔" (ابن ماجہ)

والدین کے بعد حسن سلوک کے سب سے زیادہ حق دار قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ نے مسلمان کو حکم دیا ہے۔ کہ وہ رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے صلہ رحمی کرے رشتوں کا لحاظ رکھے اگر رشتہ دار غریب ہوں تو ان کی مالی مدد کرے۔ اس طرح خاندان کے افراد باہمی اخوت کی وجہ سے خوشحال رہتے ہیں۔ رشتہ دار غریب ہو تو حکم ہے سب سے پہلے اس کی مدد کرو۔ مسلمان رشتہ داری کو مستحکم کرتا ہے۔ توڑتا نہیں ہے خواہ اس کا رشتہ دار اس سے بدسلوکی کرے۔ حضور ﷺ کا حکم ہے کہ اے مسلمان تیری طرف سے صرف اور صرف حُسنِ سلوک ہی کی امید رکھی جا سکتی ہے۔ کیونکہ تم تو سر تسلیم خم کر چکے ہو۔ اب تم سے کوئی ایسا کام سرزد نہیں ہونا چاہئے جو تیری اسلام پسندی کو داغدار کر دے۔

صلہ رحمی کی اتنی تاکید ہے کہ اس کے بغیر ایک مسلمان جنت کی نعمت عظمیٰ سے بھی محروم ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے باخبر کر دیا ہے کہ اگر رشتہ داری کا حق ادا نہ کرو گے تو جنت کی امید نہ رکھنا۔ یہ کتنی بڑی تنبیہ ہے۔ لیکن کاش ہم دھیان کریں۔

اسلام ایک عالمگیر دین ہے اور عالمگیر برادری کا داعی ہے۔ جس میں سب مسلمان شامل ہیں۔ لیکن اسلام قریب کے خونی رشتوں کو بھی فراموش نہیں کرتا۔ ان سے نیک سلوک، مالی امداد ترکہ سے ان کا حصہ ادا کرنا، بیماری کے موقع پر دل و جان سے تیمارداری کرنا، یہ سب صلہ رحمی میں شامل ہیں اور حکم ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ (بنی اسرائیل:۲۶) "رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرو۔" اب جو اس حکم کو تسلیم نہ کرتے ہوئے اس کا عملی ثبوت نہ دے تو اسے مسلمان کہلانے کا کیا حق ہے؟ کیونکہ حکم عدولی سب سے بڑا جرم اور بغاوت ہے۔

یاد رکھئے۔۔۔ مسلمان اور نافرمان دو متضاد الفاظ ہیں اور جو نافرمانی بھی کرے اور

Marfat.com

مسلمان بھی کہلائے اس بارے میں خود فیصلہ کیجئے۔

رشتہ دار بھوکا مرے اور آدمی خود عیش کرے یہ کتنی بری بات ہے۔ اور کس قدر ناپسندیدہ اس لئے فرمایا:

"جو قرابت داروں کی مالی امداد کرے گا اسے دوگنا ثواب ملے گا۔" (ترمذی۔ ابن ماجہ)

ایک صدقہ و خیرات کرنے کا دوسرا صلہ رحمی کرنے کا۔

قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ میں قرابت داری کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ لیکن جہاں انصاف کی بات آجائے گی وہاں صرف عدل کا ترازو سامنے ہوگا نہ کہ قرابت داری، فرمایا۔

فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى۔ (الانعام: ۱۵۲)

"عدل و انصاف سے کام لو۔ اگرچہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔"

ایک دفعہ ایک شخص نے نبی رحمت ﷺ سے پوچھا "کیا اپنے اقارب سے محبت رکھنا تعصب ہے۔ فرمایا نہیں تعصب یہ ہے کہ تُو اپنے خاندان کی بے انصافی میں مدد کرے۔" (مشکوٰۃ)

اقرباء پروری انصاف کے تقاضوں کے اندر جائز ہے۔ عدل کا دامن چھوڑ کر رشتہ داروں سے محبت کرنا اور بے جا طرف داری کرنا تعصب ہے۔ جس کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

لیکن تعصب کے بغیر انصاف کے ساتھ جو رشتہ داروں سے قطع تعلق نہیں کرتا ہے ان کا حق ادا کرتا ہے وہ جنت کا حق دار ہے اور وہی مسلمان ہے۔

والدین اور رشتہ داروں کے بعد یتیموں۔ مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے۔ چونکہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک مسلم برادری کے افراد ہیں۔ اس لئے سب سے حسن سلوک کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ خاص کر یتیموں اور بیواؤں کے بارے

Marfat.com

میں بار بار آگاہ کیا گیا ہے۔ یتامیٰ اور مساکین کو کھانا کھلانا ابرار کا شیوہ ہے اور جو ایسا نہ کرے وہ اسلام پر نہیں۔

۷۔ جو ہمسائے سے اچھا سلوک کرے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ (تم حسن سلوک سے پیش آؤ) رشتہ دار پڑوسی سے یا اجنبی پڑوسی سے۔ (سورۃ النساء:۳۶)

ہادی برحق ﷺ نے فرمایا۔

-- "وہ شخص ایمان والا نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا ہمسایہ ساتھ ہی بھوکا رہے۔" (ادب المفرد)

-- "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوتا جب تک اس کا دل اور زبان مسلمان نہ ہو۔ (یعنی اس کا دل عقائد باطلہ سے پاک ہو اس کی زبان، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کرتی ہو اور اس کا عملی مظاہرہ بھی ہو۔ صرف زبانی جمع تفریق نہ ہو اور بندے کا ظاہر و باطن یکساں ہو۔) اور بندہ اس وقت تک ایمان والا نہیں ہوتا جب تک اس کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ و مامون نہ ہو۔" (مسند احمد۔ بیہقی)

ایک شخص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! فلاں عورت نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور خیرات دینے میں بہت شہرت رکھتی ہے۔ لیکن وہ اپنی زبان سے اپنے ہمسایوں کو اذیت پہنچاتی ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ "وہ دوزخ میں جائے گی۔" (مسند احمد و بیہقی)

یہ لمحہ فکریہ ہے -- اللہ حکم دیتا ہے کہ ہمسایہ رشتہ دار ہو یا ناواقف اس سے ہمیشہ حُسنِ سلوک سے پیش آؤ اس کے ساتھ احسان کرو۔ اور جو ایسا نہ کرے۔ اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اس کیلئے تو یہی وضاحت

Marfat.com

ملتی ہے۔

وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ☆ (الاحزاب:۳۶)

"اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ تو صریح گمراہی میں پڑ گیا۔"

اس حکم کی مزید وضاحت تو ہادی کامل ﷺ نے کیا خوب فرمائی ہے۔ فرمایا "وہ مسلمان نہیں جس کے شر سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہیں۔" اس میں ایمان ہی نہیں جو خود تو پیٹ بھر کر کھاتا ہے اور ساتھ ہی اس کا ہمسایہ خالی پیٹ ہے--- آیئے ذرا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کو باہم ملا کر دیکھیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یہ نہ دیکھو ہمسایہ رشتہ دار ہے، واقف ہے یا ناواقف، کوئی بھی ہو اس کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آو۔ اللہ نے احسان کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اب اس حکم کی نافرمانی موجب گمراہی ہے۔ صراطِ مستقیم سے دور کرتی ہے۔ گمراہ شخص شریعت کے سیدھے راستے سے ہٹا ہوا ہوتا ہے۔ اور جو شریعت سے ہٹ جائے وہ قرآن و سنت سے دور ہوا اور کیا ایسا شخص مسلمان ہوتا ہے؟ آیا ایسے شخص کے دل میں ایمان کی رتی ہو گی۔

غور کا مقام ہے۔ آیئے ہم اپنے اردگرد نظر دوڑائیں اگر ہر مسلمان اپنے ہمسائے کا خیال رکھے اسے ایذا نہ دے بلکہ ہر ممکن تعاون کرے تو کیا ہمارا معاشرہ ایک فلاحی معاشرہ نہیں بن سکتا؟ اور جب کہ ہر مسلمان دوسرے کا ہمسایہ ہے اور اگر ہر ایک دوسرے سے حُسنِ سلوک سے پیش آتا ہو تو پھر کیا سارا محلّہ، سارا شہر اور پھر سارا ملک ایک اسلامی فلاحی مملکت نہیں بن سکتا؟ حقِ ہمسائیگی صرف شرعی اعتبار سے ہی نہیں بلکہ اخلاقی اور معاشرتی لحاظ سے بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ انسانی تمدن کی بنیاد اشتراک اور باہمی تعاون پر قائم ہے۔ معاشرے میں ہر انسان دوسرے انسان کی مدد کا محتاج

Marfat.com

ہے، اگر خدانخواستہ اچانک کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو اس وقت رشتہ دار تو بعد میں آتے ہیں سب سے پہلے ہمسایہ ہی کام آتا ہے۔ اس لئے اس سے حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے صحیح بخاری میں حضور نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جبرئیل مجھے ہمسائے کے بارے میں اس حد تک تاکید کرتے رہے کہ میں سمجھا کہ اسے وارث قرار دینے لگے ہیں۔"

حضرت عبدالرحمنؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا۔ تو صحابہؓ کرام تبرک کے طور پر آپ ﷺ کے وضو کا پانی چہروں پر ملنے لگے۔ حضور ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی وجہ سے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھے تو اسے چاہئے کہ جب بولے سچ بولے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت نہ کرے اور اپنے ہمسایوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ (شعب الایمان)

حضور رسالت مآب ﷺ ازواج مطہرات کو اسی کی تاکید فرمایا کرتے تھے کہ ہمسایوں کو ہدیہ اور تحائف بھیجا کرو۔ اس سے محبت بڑھتی ہے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ نے جب حضور ﷺ سے پوچھا کہ میرے دو پڑوسی ہیں میں کس کو تحفہ بھیجوں تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ "جس کا دروازہ تمہارے دروازے کے قریب ہے۔"

حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ "آؤ ہم اپنے یہودی ہمسایہ کی عیادت کریں۔" چنانچہ ہم یہودی کے گھر گئے اور اس کا حال معلوم کیا۔

اسلام میں انسانی ہمدردی پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ مسلم ہو یا غیر مسلم بحیثیت انسان ہر ایک سے حُسنِ سلوک کے ساتھ پیش آیا جائے۔ غیر مسلم ہمسائے کے بھی حقوق ہیں۔ جیسا کہ حضور ﷺ کی سنت سے ثابت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اللہ اور اس

Marfat.com

کے رسول ﷺ کے احکامات پر کان نہیں دھرتے ان کی گہرائی میں نہیں جاتے اسلام کی روح کو نہیں سمجھتے۔ یاد رکھیے صرف کلمہ پڑھ لینے سے کام نہیں چلے گا۔ بہت کچھ کرنا پڑے گا۔

۸۔ جو حرام خور نہ ہو

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "اے ایمان والو!...... اور کھاؤ جو کچھ تمہیں اللہ نے رزق دیا۔ حلال پاکیزہ اور ڈرو اللہ (کی ناراضی) سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔" (المائدہ:۸۸)

"اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دی ہیں وہی کھاؤ۔ اور اگر تم صرف اسی (اللہ) کی عبادت کرتے ہو تو اسی کا شکر ادا کرو۔" (البقرہ)

نبی رحمت ﷺ نے فرمایا۔

"وہ گوشت جس نے حرام سے پرورش پائی ہو جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ جس گوشت نے حرام سے پرورش پائی ہو وہ دوزخ ہی کے لائق ہے۔" (مسند احمد، دارمی، بیہقی)

یقیناً اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ صرف پاک چیز کو قبول کرتا ہے اور بیشک اللہ نے ایمان والوں کو اسی چیز کا حکم دیا ہے۔ جس کا حکم اس نے رسولوں کو دیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔" اور اسی طرح اہل ایمان سے فرمایا۔

"اے ایمان والو! ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں۔" پھر حضور ﷺ نے اس شخص کا ذکر کیا۔ جو لمبے سفر سے آتا ہے۔ بکھرے بالوں والا اور وہ غبار آلود ہے۔ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے۔ اے رب۔ اے رب (لیکن حالت یہ ہے کہ) اس کا کھانا حرام کا ہے اور پینا حرام کا ہے۔ اور اس کا لباس حرام کا ہے اور حرام مال سے اس کی پرورش ہوئی پھر بھلا اس کی دعا کیسے قبول ہو۔" (رواہ مسلم)

Marfat.com

حضرت سعد بن ابی وقاص نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ "دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوات بنائے (یعنی میری دعا قبول ہو)

حضور علیہ ﷺ نے فرمایا۔ "لقمہ حلال کھاؤ۔ دعا خود بخود قبول ہو جائے گی۔" (رواہ بخاری)

ارشاد رب العزت ہے۔ "جو حلال پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دی ہیں وہی کھاؤ۔" یہ حکم ہے اور جو نافرمانی کرے گا وہ طیبات (پاکیزہ چیزوں) کو چھوڑ کر حرام طریقہ سے حاصل کی ہوئی۔ اشیاء ہی کھائے گا اور جو حرام کھائے گا وہ ارشاد نبوی کے تحت دوزخ میں جائے گا---وہ گوشت (یعنی جسم جو گوشت پوست کا بنا ہوا ہے) اگر اس کی پرورش حرام سے ہوئی ہے تو جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ کیونکہ وہ دوزخ ہی کے لائق ہے۔ یہ تو حرام خور کو ملے گا آخرت میں حرام مال کھانے کا صلہ۔ لیکن اس دنیا میں حالت یہ ہو گی کہ کسی نہ کسی وقت قانون کے ہاتھوں میں آکر خود ذلیل ہو گا۔ اور خاندان کو بھی ذلیل کرے گا۔ ایسے مسلمان سرکاری ملازم، ٹھیکیدار اور رشوت لینے والے لوگ جو اسلام دوستی کا بھی ہر وقت دم بھرتے رہتے ہیں اور قوم کا خون چوس چوس کر اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں دنیا میں بھی ذلیل خوار ہوں گے اور آخرت میں تو دوزخ ان کے نصیب ہونا ہی ہے کیونکہ۔

نبی برحق علیہ ﷺ نے فرمایا۔ "رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں جہنمی ہیں" اور ایسے کرتوت مسلمان کے تو نہیں ہوتے نا! مسلمان کا صلہ تو نعمتوں سے بھرے ہوئے باغات ہیں۔

مسلمان کیلئے رزق حلال بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر کسی قسم کی عبادت قبول نہیں ہوتی اور اگر عبادت ہی قبول نہ ہوئی۔ تو ذرا سوچئے ایسے شخص کا کوئی پرسان حال ہو گا؟ اور اس کے مقدر میں دوزخ کے سوا اور کیا ہو گا؟ اسے تو یہی وہم اور خوش فہمی رہے گی نا! کہ میں پانچ وقت کی نمازیں پڑھتا ہوں اور ماہ رمضان کے روزے

Marfat.com

بھی رکھتا ہوں۔ اپنے مال سے اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرتا ہوں حج بھی کر لئے ہیں لیکن جب کوئی شے مقبول بارگاہ ہی نہیں تو انجام---؟

کتب حدیث میں محسن انسانیت ﷺ کا ارشاد ملتا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔

"اس شخص کی نماز قبول نہیں ہوگی جس کے کپڑوں میں ان کی قیمت کا دسواں حصہ بھی حرام کا ہوگا۔ حرام خور شخص جس کا اوڑھنا بچھونا، کھانا پینا حرام طریقوں سے کمائی ہوئی روزی سے ہو وہ اگر زاروقطار رو کر بھی دعا کرے گا۔ دن کو روزہ رکھے گا اور حرام مال سے خیرات بھی کر دے گا تو یہ سب نیکیاں اس کے منہ پر ماردی جائیں گی" عبادت کی روح یہ ہے کہ احکاماتِ الٰہیہ کی بلاچون وچرا تعمیل کی جائے۔ قرآن وسنت کے احکامات، احکاماتِ الٰہیہ ہی ہیں اور جو احکامات الٰہیہ کی تعمیل نہیں کرتا اسے مسلمان کہلانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

حرام کمائی کی ایک صورت سود بھی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے۔ جسے شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس بنادیا ہو۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا۔ "تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے۔ حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔ لہٰذا جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لئے وہ باز رہا تو جو کچھ پہلے کھا چکا سو کھا چکا۔" اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جو اس حکم کے بعد بھی پھر اسی حرکت کا اعادہ کرے وہ جہنمی ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ (البقرہ:۲۷۵)

اب یہاں بھی ہمارے رب کا فیصلہ ہے کہ سود کھانے والا جہنمی ہے۔ جنتی نہیں ہے۔ اور ارشاد ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور یاد رکھیں صحیح مسلمان کو قیامت کے دن جہنم کی طرف نہیں بلکہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ جو لقمہ

Marfat.com

ہم منہ میں ڈال رہے ہیں وہ کہاں سے آیا ہے۔ اگر ہم روزانہ اتنا خیال کر لیں تو محاسبے کے لئے یہی کافی ہے۔

۹۔ جو شیطانی اعمال سے دور رہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور بت اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں۔ ان سے بچو تاکہ فلاح پاؤ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات مانو اور باز آجاؤ لیکن اگر تم نے حکم عدولی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول ﷺ پر تو صاف صاف حکم پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔" (المائدہ: ۹۰۔ ۹۲)

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ایمان والوں کو چار شیطانی کاموں سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ شراب۔ جوا، بت اور پانسے پہلے دو نجس کاموں کی وجہ یہ بتائی کہ ان کے ذریعے تم میں دشمنی اور بغض پیدا ہو جاتا ہے، بت اور پانسے انسان کو اللہ سے دور لے جاتے ہیں۔ توکل علی اللہ کو ختم کر دیتے ہیں۔

شراب کیلئے ان آیات میں لفظ خمر استعمال ہوا ہے۔ جس کا معنی انگور کی شراب ہے۔ لیکن ہادی برحق ﷺ نے حرمت کے اس حکم کو ان تمام چیزوں کیلئے عام قرار دیا جو نشہ دینے والی ہیں کہ ہر قسم کی منشیات حرام ہیں۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

ا۔ کل مسکر خمر و کل مسکر حرام: ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

ب۔ کل شراب اسکر فھو حرام: ہر وہ مشروب جو نشہ پیدا کرے حرام ہے۔

ج۔ وانا انھی عن کل مسکر: اور میں ہر نشہ آور چیز سے منع کرتا ہوں۔

Marfat.com

د۔ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام: جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ پیدا کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔

اسلام میں نشہ حرام ہے اور سکر و مستی کی کوئی گنجائش نہیں۔ مسلمان ہوشمند ہوتا ہے۔ اسے عقل و بصیرت قائم رکھنے کا حکم ہے ہر وہ چیز جو اسے بہکا دے اس کیلئے حرام ہے۔ خواہ وہ پینے والی چیز ہو یا کھانے والی یا دیکھنے والی۔ شراب کا دوائی کے طور پر استعمال کرنا بھی حرام ہے۔ کیونکہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مدینہ میں شراب پانی کی طرح بہا دی گئی۔ کچھ لوگوں نے اسے دوائی کے طور پر اپنے پاس رکھنے کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے اجازت نہ دی اور فرمایا "یہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔"

اسی طرح جوا بھی حرام ہے۔ اس میں ہر وہ کھیل آتا ہے جس پر کوئی رقم یا کسی چیز کی تقسیم اس کی ہار جیت پر ہو یا محض اتفاقی طور پر۔ یہ شیطانی کام مسلمان کو نہ صرف مقروض بد حال اور ذلیل و خوار کرتا ہے بلکہ آپس میں دشمنی اور بغض و کینہ میں بھی مبتلا کر دیتا ہے۔ ایک مسلمان کیلئے یہ باتیں جائز نہیں اور یہ سب کچھ مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔

تیسرا نجس عمل بتوں کا ہے۔ الانصاب ان جگہوں کو بھی کہتے ہیں جہاں بت رکھے جائیں اور ان پر چڑھاوے چڑھائے جائیں اس کا واحد نصب ہے، جس کا معنی، بت، مجسمہ، بیماری اور بلا وغیرہ ہے ظاہر ہے یہ سب باتیں مسلمان کو زیبا نہیں۔ یہ اسے اللہ سے دور لے جانے والی ہیں اور راہ راست سے بھٹکا دینے والی یہ غیر شرعی حرکتیں ہیں اور شیطانی اعمال میں سے ہیں۔ یہ سب شرک ہے۔ جس کیلئے کوئی معافی نہیں۔

چوتھا شیطانی کام پانسے سے فال بدلینا ہے۔ یہ مشرکانہ فال گیری ہے جس کا عرب میں عام رواج تھا۔ وہ ہبل بت کے سامنے تیروں سے فال نکالتے اور اس پر عمل کرتے۔ اس میں توہم پرستانہ فال گیری بھی آجاتی ہے جس میں کہانت مختلف قسم کے

Marfat.com

شگون اور قسمت کا حال بتانا اور اس کی تصدیق کرنا شامل ہیں۔

یہ سب باتیں ہمارے اندر توکل علی اللہ کا فقدان پیدا کرتی ہیں اور مسلمان کو اپنے اللہ سے دور لے جانے والی ہیں۔ اگر کسی مسلمان میں ایسی باتیں پائی جائیں تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے۔

"کہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات مانو اور باز آجاؤ اور حکم عدولی کی صورت میں تو اس کی سزا جہنم ہے اور ہمارے رسول ﷺ پر تو بس یہی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ تمہیں خبردار کردے اور وحی کو صاف صاف تم تک پہنچادے۔"

اسی طرح ہر وہ عمل جو مسلمان کو رحمٰن سے دور اور شیطان سے نزدیک کرے حرام ہے اور مسلمان اگر اس کی حرمت کا احساس نہ کرتے ہوئے اس سے نہ بچے گا تو دائرہ اسلام سے خارج ہو کر جہنم کی آگ کو اپنا مقدر بنالے گا۔ فکر و تدبر کا مقام ہے۔ آج وقت ہے۔۔۔ لیکن ہر لمحہ گزر رہا ہے چند روزہ زندگی ختم ہو رہی ہے اور ہر لمحہ کا عمل جو ہم کرتے ہیں لکھا جا رہا ہے یہ قرآن تو واضح ہدایت ہے کاش کہ ہم اسے سمجھیں! نہ کہ صرف تلاوت کر کے آگے بڑھتے جائیں۔ شراب پی کر جوا کھیل کر شرکیہ کام کر کے اور توہم پرستی میں پڑ کر بھی کوئی "مسلمان" اپنے آپ کو مسلمان کہلائے تو یہ دیدہ دلیری اور ڈھٹائی عذاب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے! ایسے مسلمان کو مسلمان کہلاتے شرم آنی چاہئے۔

۱۰۔ جو فواحش اور لغویات سے بچے

ارشاد باری تعالیٰ۔ "اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ بیشک وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی بری راہ۔" (بنی اسرائیل: ۳۲)

۔۔۔"اور اے نبی ﷺ۔ مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں

Marfat.com

اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔ اور اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے بھائی یا اپنے بھائیوں کے بیٹے یا بہنوں کے بیٹے یا اپنے میل جول کی عورتیں یا اپنے مملوک وغیرہ زیردست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں۔ یا وہ بچے جنہیں عورتوں کی پوشیدہ باتوں کی خبر نہیں اور وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ لوگوں کو ان کے چھپے ہوئے سنگھار کا علم ہو جائے۔ (اے ایمان والو) تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔" (النور:۳۱)

---"بیشک مراد کو پہنچے وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں انکسار (خشوع) کرتے ہیں اور جو لغویات سے دور رہتے ہیں۔" (المومنون:۱۔۳)

---"اے نبی ﷺ مومن مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کیلئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ اللہ اس سے باخبر ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔" (النور:۳۰)

مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی فحش یا بے حیائی کے کام میں پڑے۔ مسلمان تو دائرہ اخلاق حسنہ سے باہر نہیں نکلتا۔ وہ باحیا ہوتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا۔

اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ

"حیا ایمان سے ہے۔" اور جس میں حیا نہیں اس میں ایمان کی کمی ہوتی ہے ایک موقع پر رسالت مآب ﷺ نے فرمایا "جو شخص حیا چھوڑ دیتا ہے پھر وہ جو جی میں آئے کرتا پھرے۔" حیا تو ایک قلبی کیفیت ہے۔ جس کی وجہ سے مومن ہر قسم کے غیر اخلاقی غیر مہذب اور ناپسندیدہ کاموں سے بچتا ہے۔ حیا کا یہ بھی تقاضا ہے کہ انسان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کھلم کھلا نافرمانی نہ کرے۔ نافرمانی وہی کرتا ہے جو حیا چھوڑ بیٹھا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے مومن مرد و خواتین دونوں کو حکم دیا ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا

Marfat.com

کریں۔ آنکھ ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے انسان ہر اچھی اور بری چیز دیکھ سکتا ہے۔ دیکھنے سے اس کے دل میں اس چیز کے بارے میں ایک تاثر پیدا ہوتا ہے پھر اس تاثر کے تحت وہ عملی اقدام کرتا ہے جو اس کیلئے اچھا بھی ہو سکتا ہے اور برا بھی۔ حیا کے معاملے میں خالق حقیقی نے ایمان والوں کو سب سے پہلے اپنی نگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے تاکہ غلط چیز کی طرف نہ نگاہ پڑے اور نہ دل میں اس کے بارے میں کوئی تاثر پیدا ہو۔ اور نہ کوئی غلط قدم اٹھایا جائے۔ اسلام ہر اس دروازے کو بند کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جو بدی کی طرف کھلتا ہے اسی لئے مرد و عورت کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا۔ عورتوں کو مناسب پردے کا حکم دیا۔ جس معاشرے میں عورت بے حیائی کے ساتھ چلتی پھرتی نظر ہی نہ آئے گی وہاں بدکاری نہیں پھیلے گی۔ کیونکہ بدی کی طرف جانے والا دروازہ ہی بند کر دیا گیا ہے۔

حضور رسالت مآب ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت علی کو نصیحت فرمائی۔ **یا علی لاتتبع النظرۃ النظرہ فان لک الاولی ولیست لک الاخرۃ۔** "اے علی! (کسی غیر محرم کی طرف) ایک نظر کے بعد (جو اتفاقاً اٹھ جائے) دوسری نظر نہ ڈالنا۔ پہلی نظر تو معاف ہے۔ لیکن دوسری معاف نہیں۔" (بخاری، مسلم، ابوداؤد)

ایک صحابیہ ام خلادؓ کا لڑکا ایک جنگ میں شہید ہو گیا۔ وہ اپنے بیٹے کے بارے میں دریافت کرنے کیلئے نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں مگر صدمے اور غم و اندوہ کی اس حالت میں بھی چہرے پر چادر تھی۔ صحابہ نے حیرت سے پوچھا۔ عجیب بات ہے کہ تم بیٹے کی شہادت کی خبر سن کر بھی اس حالت میں آئی ہو باپردہ اور پرسکون۔ صحابیہ نے کیا خوب جواب دیا۔

ان ارزأ ابنی فلن ارزا حیائی

"میں نے اپنا بیٹا تو ضرور کھو دیا ہے مگر اپنی حیا تو نہیں کھو دی۔"

Marfat.com

مسلمان مرد ہو یا عورت دونوں کے لئے حیا ان کے ایمان کی دلیل ہے۔ عورت کے پردہ کرنے کا حکم نازل ہو چکا ہے۔ بے پردہ عورتیں چونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی نافرمانی کرتی ہیں۔ اس لئے حیا کے دائرہ سے نکل چکی ہیں اور حیا ایمان میں سے ہے جب حیا نہ رہی تو ایمان بھی نہ رہا۔ ویسے بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی جب انسان کرتا ہے تو ایمان اسی وقت اٹھ جاتا ہے۔ یہ خوش فہمی ہے جو اسے لئے پھرتی ہے اور یہی خوش فہمی بڑی مہلک ہے۔ کہ "میں مسلمان ہوں۔"

پھر فرمایا۔ ایمان والی عورتیں اپنی زینت اور بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں۔ سوائے چند محرم لوگوں کیلئے جن کا رشتہ متذکرہ بالا آیت (۳۱) میں بیان کر دیا گیا ہے۔ پھر حکم ہے کہ وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں۔ ان کی نیتوں میں فتور نہیں آنا چاہئے۔ کہ لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں۔ کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے۔

پردے کے بارے میں ایک ضروری بات واضح کرنا ناگزیر ہے ایک ہوتا ہے "ستر" اور ایک ہوتا ہے "حجاب" دونوں میں بہت فرق ہے۔

مرد کا ستر یہ ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک جسم کا حصہ پردے میں رہے۔ عورت کا سارا جسم ستر ہے، سوائے چہرے، ہاتھ اور پاؤں کے۔ جسم کے یہ تینوں حصے صرف ان رشتہ داروں کے سامنے کیے جاسکتے ہیں جن کے نام اس آیت میں آئے ہیں۔ لیکن "حجاب" یہ ہے۔ کہ غیر محرم کے سامنے جسم کے یہ تین حصے (چہرہ، ہاتھ اور پاؤں) بھی ظاہر نہ کیے جائیں بے حجابی یہی ہے کہ عورتیں چہروں سے پردہ ہٹا کر گھر سے باہر نکلیں۔ لیکن جو سر سے چادر یا دوپٹہ بھی ہٹا کر باریک اور چست لباس پہن کر سرعام پھرتی ہیں وہ بے حجابی سے بے حیائی کی طرف ایک معیوب اور غیر اسلامی قدم ہے۔ البتہ شدید ضرورت کے وقت ہاتھ اور پاؤں ظاہر کیے جاسکتے ہیں۔

غض بصر (نگاہیں جھکا لینے) کے حکم سے کچھ صورتیں مستثنیٰ بھی ہیں جن میں کسی

Marfat.com

عورت کو دیکھنے کی کوئی شدید اور حقیقی ضرورت ہو مثلاً۔

ا-- کسی عورت سے نکاح کرنا ہو تو اسے ایک نظر دیکھ لینا جائز ہے۔ تاکہ بعد میں عدم موافقت کی صورت میں طلاق کی نوبت نہ آنے پائے۔

مغیرہؓ بن شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک جگہ نکاح کا پیغام دیا، نبی رحمت ﷺ نے دریافت فرمایا۔ "تم نے لڑکی کو دیکھ لیا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ "نہیں یارسول اللہ" فرمایا۔ انظر الیها فانه اخری ان یودم بینکها

"اسے دیکھ لو۔ اس طرح تمہارے درمیان موافقت کی زیادہ امید کی جاسکتی ہے۔"

(رواہ احمد، ترمذی نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

حدیث میں آتا ہے کہ نکاح کی نیت سے صرف ایک دفعہ دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فلا جناح علیه کے الفاظ آتے ہیں۔ یعنی کوئی حرج نہیں ہے۔ کوئی گناہ نہیں ہے۔

۲-- حج کے ایام میں بحالت احرام چہرے ہاتھوں اور پاؤں کا حجاب نہیں رکھا جاتا۔ پھر بھی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ہم سب احرام کی حالت میں مکہ کی طرف جارہے تھے جب ہمارے قریب سے مسافر مرد گزر جاتے ہم چہرے ظاہر کرلیتیں۔ (رواہ ابوداؤد)

۳-- فقہا نے درج بالا دو استثنائی صورتوں کے تحت علاج کیلئے طبیب کا مریضہ کو بغرض تشخیص دیکھنا اور قاضی کا کسی گواہ عورت کو دیکھنا وغیرہ جائز قرار دیا ہے۔ ان سب صورتوں میں خلوص نیت نہایت ضروری ہے ورنہ مسلمان گنہگار ہوگا اور اسے توبہ کر کے اپنی اصلاح کرنا ہوگی تاکہ دوبارہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی جیسا بڑا گناہ اس سے سرزد نہ ہو۔ اور اس کا ایمان محفوظ رہے۔

عورت کے معنی ہیں "چھپی ہوئی" لیکن آج اس چھپی ہوئی چیز کا جس ڈھٹائی سے مظاہرہ کیا جارہا ہے اس سے اللہ کی پناہ۔ آج "ماڈرن خواتین" پردے کو پسماندگی کا

Marfat.com

نمونہ سمجھ کر اتار بیٹھی ہیں بے پردگی کا اس قدر مظاہرہ ہے کہ آج مسلمان اور پختہ ایمان والے مردوں کا نگاہیں نیچی رکھنا بھی محال ہوتا جارہا ہے بڑے شہروں کے بازاروں میں اگر خرید و فروخت کیلئے جانا پڑے۔ تو بے پردہ عورتوں کا اس قدر جم غفیر ہوتا ہے کہ غضِ بصر (نگاہیں جھکا لینے) کے حکم پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے ایسے موقعوں پر اپنی نیتوں کو خالص رکھنا اور اللہ کی پناہ مانگنا بہت ضروری ہو جاتا ہے جتنا بچ سکیں بچا جائے۔ دائیں بائیں آگے پیچھے بے پردہ اور چست لباس میں ملبوس عورتوں کی اکثریت ہوتی ہے۔ یوں نظر آتا ہے کہ ان کے مرد عورتیں بن کر گھروں میں بند ہو گئے ہیں اور خریداری کیلئے "بیگمات" کو بے پردہ کر کے باہر نکال دیا ہے۔

ضرورت کے وقت عورت کا باہر نکلنا اسلام میں جائز ہے لیکن پردے میں۔ اسلام اتنا تنگ نظر نہیں کہ عورت کو گھر کی چار دیواری میں مکمل طور پر قید کر دے۔ لیکن وہ عورت کو اس طرح بن ٹھن کر نیم عریاں یا تنگ لباس پہن کر بے پردہ باہر نکلنے کی بھی ہر گز اجازت نہیں دیتا اور جو بھی مسلمان مرد یا عورت ایسا کرے گی وہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی نافرمانی کرے گی اور جو نافرمانی کرے گا اس کے بارے میں واضح ارشاد ہے کہ وہ صاف گمراہی میں جا پڑا اور نام کا مسلمان رہ گیا۔

آج کل اول تو سر پر دوپٹہ لینے کا رواج ختم ہو رہا ہے۔ صرف گلے میں اس کی ایک رسی بنا کر لٹکائی جاتی ہے اور اگر دوپٹہ لیا بھی جائے تو اتنا باریک ہوتا ہے کہ سر کے تمام بال صاف نظر آتے ہیں۔ چونکہ سر کے بال بھی ستر میں شامل ہیں اس لئے انہیں بھی غیر محرم کی نظروں سے چھپانا ضروری ہے۔

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ کے پاس مصر سے باریک کپڑے (ململ) کی بنی ہوئی چادریں آئیں۔ آپ ﷺ نے ان میں سے ایک چادر دحیہؓ کلبی کو بھی عنایت کی۔ اور فرمایا ایک حصہ پھاڑ کر اپنا کرتہ بنا لو اور ایک حصہ اپنی بیوی کو دوپٹہ بنانے کے لئے دے

Marfat.com

دو۔ نگران سے کہنا۔ تجعل تحته ثوباً لا یصفها۔

اس کے نیچے ایک اور کپڑا لگالیں تاکہ جسم اندر سے نظر نہ آئے (ابوداؤد، کتاب اللباس)

آج غور کریں کہ ہماری مائیں بہنیں اور بیٹیاں حضور ﷺ کے ان ارشادات پر کس قدر عمل پیرا ہیں۔ اسلام نے تو ہماری ہر معاملے میں راہنمائی کی ہے ہر مسئلے کا حل اسلام اور شریعت محمدیہ میں موجود ہے۔ لیکن اس کی تلاش تو ہم ہی نے کرنی ہے۔

آج کل اسلامی معاشرے کو جس قدر نقصان بے پردگی نے پہنچایا ہے اور کسی فعل نے نہیں پہنچایا۔ اور ہماری جواں نسل ان اخلاقی پابندیوں کو توڑ کر اس طرح بے راہ روی کا شکار ہو گئی ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے اور یاد رکھیں اسلامی اقدار سے یہ دوری ایک دن ہماری مکمل تباہی کا باعث بن جائے گی۔ کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کی مسلسل نافرمانی باعث ہلاکت ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

آج --- پردہ نہ کرنا ایک فیشن ہے۔ مہذب اور اڈوانس معاشرے کی علامت سمجھی جارہی ہے برقعہ پوش اور چادر اوڑھنے والی باعزت مسلمان خواتین کو پسماندہ، جاہل اور بے وقوف سمجھا جاتا ہے یہ صرف فریب نظر ہے ہماری سوچ کی خرابی ہے۔ جب مسلمان کی سوچ اور انداز فکر غیر اسلامی ہو جائے تو مسلمان فریب نظر کی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے اسے ہر غیر اسلامی بات اچھی اور اسلامی بات بری لگتی ہے وہ اسلامی احکامات اور اس نظام کو دقیانوسی اور چودہ سو سالہ پرانا سمجھتا ہے۔ اس کا اوڑھنا، بچھونا، گھربار ماحول سب کچھ غیر اسلامی ہو جاتا ہے اور وہ اس میں رہ کر اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ "میں ایک مسلمان ہوں"

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ

"ایمان والے تو وہ ہیں۔ جو لغویات سے دور رہتے ہیں۔"

Marfat.com

ایمان والا ہر قسم کے فحش کاموں، غیر اخلاقی باتوں اور غیر اسلامی طور طریقوں سے بچتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ہر قسم کے فضول، بے فائدہ اور لایعنی کاموں اور باتوں سے بھی اجتناب کرتا ہے۔

ہر وہ کام یا بات جو فضول ہو اور اس کا کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ تضیع اوقات ہو لغویات میں شامل ہے۔ مسلمان وہ ہے جو ایسی باتوں میں دلچسپی ہی نہ لے۔ اس طرف دھیان ہی نہ کرے بلکہ جہاں ایسے کام ہو رہے ہوں وہاں سے کترا کر نکل جائے۔ مسلمان کی اس عادت کو قرآن میں ایک اور جگہ بہت واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ میرے مسلمان اور ایمان والے بندے کی یہ شان ہے کہ

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَاماً (الفرقان:۷۲)

"اور جب ان کا گذر (کسی ایسی جگہ پر سے) ہوتا ہے جہاں لغو (فضول اور بیہودہ کام) ہو رہے ہوں تو وہ مہذب طریقے سے گزر جاتے ہیں۔"

مسلمان ایک ذمہ دار شخص ہوتا ہے۔ وہ فضول کاموں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتا۔ وہ سارا سارا دن ایک جگہ بیٹھ کر گپیں نہیں ہانکتا، تاش نہیں کھیلتا اور اسی طرح کی فضول باتیں نہیں کرتا۔

جس شخص کے دل میں ایمان کی روشنی ہوتی ہے وہ سلیم الفطرت، کشادہ قلب، پاکیزہ خیالات، نیک اطوار اور سلجھی ہوئی عادتوں کا مالک ہوتا ہے۔ اس کی طبیعت فضولیات اور بیہودہ باتوں کو پسند ہی نہیں کرتی وہ ہر قسم کی گندی اور اخلاق سے گری ہوئی گفتگو سے پرہیز کرتا ہے۔ وہ صرف شائستہ مذاق اور ہلکے پھلکے مزاح کو پسند کرتا ہے وہ ایسی صحبتوں سے بھی بچتا ہے جہاں بے مقصد اور فضول باتیں ہوتی ہوں۔ چونکہ اس کے دل میں اللہ کا خوف ہوتا ہے اور یہی چیز اسے اعتدال پسند پاکیزہ مسلمان بنائے

Marfat.com

رکھتی ہے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت اور طبیعت کے مطابق اس کے لئے جنت میں بھی ایسا ہی پاکیزہ ماحول بنا رکھا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔

لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً۔ "(اے میرے سلیم الفطرت مسلمان) تو وہاں کوئی لغو (بیہودہ اور فضول) بات نہ سنے گا۔"

۱۱۔ جو انصاف پسند ہو

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "(اے نبی ﷺ) فرما دیجئے۔ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے۔" (الاعراف:۲۹)

--"بے شک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی کرنے کا۔" (النحل:۹۰)

--"اے ایمان والو۔ اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ عدل سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے اللہ (کی ناراضی) سے ڈرو بے شک اللہ باخبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔" (المائدہ:۸)

--"اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کراؤ اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ایمان والے تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ پس اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔" (الحجرات:۹۔۱۰)

--اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اور اللہ کے واسطے گواہ بنو اور اگرچہ اس

Marfat.com

میں تمہارا اپنا نقصان ہو یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں کا۔ (جس پر گواہی دو) وہ مال دار ہو یا غریب۔ اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو تہی کی تو جان لو کہ اللہ تمہارے عملوں کی خوب خبر رکھتا ہے۔ (النساء:۱۳۵)

حضور رسالت مآب ﷺ نے فرمایا۔

"قیامت کے دن جن سات (قسم) کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دے گا ان میں ایک عادل حکمران بھی ہوگا۔" (صحیح مسلم)

"امام عادل جو رعایا پر انصاف سے حکومت کرتا ہے اس کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔" (مسند احمد)

"حقوق میں تمام انسانوں کو برابر رکھو۔ اس طرح کہ اپنے بیگانوں کی طرح اور بیگانے اپنوں کی طرح ہوں۔" (صحیح مسلم)

"حاکم عادل کی دعا قبول ہوتی ہے اور امام عادل جنتی ہے۔" (ترمذی)

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ خوشی اور ناراضی دونوں حالتوں میں عدل و انصاف کی بات کروں۔"

"وہ لوگ جو اپنے گھر والوں میں یا ان لوگوں میں جن کی حکومت انہیں سپرد کی گئی ہے انصاف کرتے ہیں۔ وہ نور کے میناروں پر ہوں گے۔"

"انصاف کرنے والے کیلئے دو اجر ہیں ایک اجر انصاف کرنے کا دوسرا اجر فرض منصبی کی ادائیگی کا۔"

مسلمان کو اگر اللہ تعالیٰ کرسی انصاف پر بٹھائے تو اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے انصاف کرے۔ مسلمان خواہ عدالت عالیہ کا جج ہو یا سب سے چھوٹی عدالت کا اسے اپنے ہاتھ سے دامن انصاف کبھی نہ چھوڑنا چاہئے کیونکہ یہ اللہ کا حکم ہے کہ

Marfat.com

عدل کرو اور اللہ کے حکم کی نافرمانی کی سزا کا تو سب کو علم ہے منصف کو چاہئے کہ وہ کسی فریق کی رعایت نہ کرے خواہ وہ فریق اپنا ہو یا پرایا، خوف الٰہی کی علامت یہی ہے کہ ہر حال میں انصاف کیا جائے اور اگر پھر بھی کوئی ایک فریق نہ مانے تو اسے اللہ کے حکم کی اطاعت پر مجبور کرنا چاہئے۔ خواہ اس سے لڑنا پڑے۔ مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ بھائیوں میں لمبی دشمنی یا لڑائی جھگڑا تو کسی طور پر گوارا نہیں البتہ اگر کبھی جھگڑا ہو جائے تو ان میں فوری صلح کرا دینی چاہئے۔

مسلمان جب گواہی دیتا ہے تو سچی گواہی دیتا ہے۔ جھوٹی شہادت ہرگز نہیں دیتا اور نہ ہی وہ گواہی کو چھپاتا ہے۔ وہ نہیں دیکھتا کہ جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے وہ خود اپنی اس کی ذات ہے یا اس کے والدین یا عزیز و اقارب یا کوئی مالدار آدمی ہے یا غریب وہ اللہ تعالیٰ کو موجود جانتے ہوئے انصاف کا ترازو ہاتھ میں رکھتے ہوئے سچی گواہی دیتا ہے۔ کوئی لالچ، سفارش، رشوت اسے سچی بات کہنے سے نہیں روک سکتی اور اگر وہ ان نفسانی خواہشات کے پھندوں میں آ گیا۔ تو اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان ہو گا اور نافرمان کے دل میں ایمان باقی نہیں رہتا۔ اگر ایمان ہوتا تو نافرمانی نہ کرتا۔

۱۲۔ جو مجاہد ہو

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اور اللہ کی راہ میں لڑو۔ ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" (البقرہ:۱۹)

"اللہ کو تو وہ لوگ پسند ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی دیوار ہیں۔" (الصف:۴)

"اے ایمان والو۔ میں تمہیں وہ تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچا لے؟ (وہ تجارت یہ ہے کہ تم) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں

Marfat.com

جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔ اگر تم جانو تو تمہارے لئے یہی بہتر ہے اللہ
تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے
نہریں بہتی ہوں گی اور تمہیں ابدی قیام کی جنتوں میں بہترین گھر عطا فرمائے گا یہ بڑی
کامیابی کی بات ہے۔" (الصف: ۱۱، ۱۲)

"اور جو (مجاہدین) اللہ کی راہ میں شہید کر دیئے گئے انہیں ہر گز مردہ خیال نہ کرو
بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے خوش ہیں اس پر جو اللہ نے
انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اور خوشیاں منا رہے ہیں اپنے پچھلوں کی جو ابھی ان
سے نہیں ملے۔ کہ نہ تو انہیں کوئی خوف ہے اور نہ غم۔" (ال عمران: ۱۶۹، ۱۷۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان الجنة تحت الظلال السيوف

"بے شک جنت تلواروں کی چھاؤں تلے ہے۔" (بخاری، کتاب الجہاد)

"دو قطرے اللہ کو بہت محبوب ہیں ایک آنسو کا قطرہ جو اس کے خوف سے نکلے اور
دوسرا خون کا قطرہ جو اس کی راہ میں بہے۔" (ترمذی)

"دو آنکھوں کو دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی ایک آنکھ وہ جو اللہ کے خوف سے روئی۔
دوسری آنکھ وہ جس نے اللہ کی راہ میں نگہبانی کرتے رات گزاری۔" (رواہ ترمذی)

مسلمان کی ساری زندگی جہاد فی سبیل اللہ میں گزرتی ہے۔ یہ جہاد میدان جنگ
میں ہو یا معاشرتی میدانِ حیات میں وہ ہر لحظہ مستعد رہتا ہے حضور نبی رحمت ﷺ نے
جہاد کو دین اسلام کی غایت اور منتہا قرار دیا ہے۔ قوموں کی تقدیر جُہدِ مسلسل سے بدلتی
ہے۔ قرآن حکیم میں جہد کے مقابلے میں قعود (بیٹھے رہنے) کا لفظ استعمال ہوا ہے
بیٹھے رہنے والا آدمی کاہل اور سست ہوتا ہے کاہلی اور سستی خواہ کسی کام میں ہو اللہ تعالیٰ
کو بہت ناپسند ہے۔ مسلمان تو مجاہد ہوتا ہے۔ ہوشمند، تروتازہ، شگفتہ، اس پر نہ کبھی

Marfat.com

تعالیٰ کا اثر ہوتا ہے اور نہ سکر و مستی اور نہ کبھی اس پر مُردنی اور مایوسی کا سایہ پڑتا ہے اس کی زندگی عملِ پیہم اور جُہدِ مسلسل سے آشکارا ہوتی ہے اس کی ہر حرکت ہر قربانی اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہوتی ہے اور یہی سب سے بڑی عبادت ہے۔

امن و سکون کے دور میں وہ اصلاحِ معاشرہ، بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود اور دنیاوی زندگی میں نیکی کا بیج بو کر آخرت کی فصل تیار کرتا ہے۔ اور جنگ کے دنوں میں وہ سر بکف ہو کر ہتھیار سجا کر اللہ کے دین کی خاطر میدان جہاد میں نکلتا ہے وہ ہر اس قوت سے ٹکرا جاتا ہے جو دین اسلام کی ترویج کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ وہ دشمن کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جاتا ہے اپنے اللہ کے حضور اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے۔ وہ تلواروں، توپوں، گولہ بارود راکٹوں، ٹینکوں اور بموں کے سامنے نعرہ تکبیر بلند کرتا ہے۔ مجاہد کی اس ادا کو اللہ تعالیٰ اتنا پسند فرماتا ہے کہ اس کے قلب کو قوی ارادہ اور تسکین بخشتا ہے۔ اللہ کو اس سے اتنا پیار ہو جاتا ہے کہ وہ مجاہد کے گھوڑے کے سموں کی بھی قسم کھاتا ہے۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ (العدیٰت:۱۔۵)

"قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں، پھر (اپنی ٹاپوں سے) چنگاریاں جھاڑتے ہیں۔ پھر صبح سویرے تاخت و تاراج کرتے ہیں پھر اس وقت گرد و غبار اڑاتے ہیں۔ پھر اسی حالت میں (دشمنوں کی) جمعیت میں جا گھستے ہیں"۔۔ مسلمان مجاہد بڑی شان سے لڑتا لڑتا شہید ہو جاتا ہے یا فاتح اور غازی بن کر واپس آتا ہے، دونوں کیلئے اللہ کے ہاں بے پناہ اجر و ثواب ہے۔ وہ دائمی حیات پاتا ہے۔ اللہ کی ذات یہ بھی گوارا نہیں کرتی کہ کوئی میرے مسلمان مجاہد شہید کو مردہ کہے اللہ نے واضح کر دیا یاد رکھو۔

"میری راہ میں شہید ہونے والوں کو مردہ مت کہو۔ وہ تو زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کی

Marfat.com

زندگی کا شعور نہیں ہے وہ اللہ کے ہاں خوش وخرم ہیں جنت کے باغوں میں خوشیاں
مناتے ہیں۔" (آل عمران:۱۶۹۔۱۷۰)

امن و سکون کے دور میں بھی مجاہد اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرتا ہے وہ نفسانی خواہشات کے بتوں کو توڑ کر صرف ایک اللہ کی عبادت میں رات دن لگا رہتا ہے۔ وہ ہر لحہ شیطانی، طاغوتی اور نفسانی دشمنوں سے نبرد آزما رہتا ہے۔ ان کو زیر کر کے فاتح ہوتا ہے۔ یہ سمجھنا کہ جہاد صرف میدان جنگ ہی میں ہوتا ہے ایک غلط نظریہ ہے مسلمان تو ہر گھڑی مجاہد ہے وہ تو ہر وقت جہاد میں ہے دشمن روز روز حملہ آور نہیں ہوتے میدان کارزار روزانہ گرم نہیں ہوتا اور نہ ہی لڑائی جھگڑا مسلمان کا شیوہ ہے۔ مسلمان بنی نوع انسان پر رحمت بن کر آیا ہے اسلام تو امن و سلامتی کا پیغامبر ہے نہ کہ جنگ و جدل کا داعی -- لیکن اسلام کے امن و سکون میں جب کوئی دخل اندازی کرے یا اس امن کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کرے تو اللہ کا حکم ہے اسے روکو۔ نہ رکیں تو ہتھیار اٹھاؤ اور زبردستی روک دو۔ ان کے مقابلے میں ڈٹ جاؤ پھر پیٹھ پھیر کر مت بھاگو۔ یہ مجاہد کی شان نہیں اور حد سے نہ بڑھو۔ اگر دشمن ہتھیار پھینک دے تو خود بھی رک جاؤ دشمن کے بوڑھوں بچوں عورتوں کو نہ مارو۔ حتیٰ کہ ان کی کھیتیاں اور باغات نہ اجاڑو ان کی عبادت گاہیں نہ گراؤ۔ کیونکہ اسلام میں جہاد کا مقصد صرف طاغوتی طاقتوں کو راہ راست پر لانا ہے وہ راہ راست پر آجائیں یا راستے سے ہٹ جائیں تو انہیں اسلام کی دعوت دو۔ بدلہ نہ لو۔ معاف کر دو۔ شاید وہ اسلام کے امن و سکون والے شہر کے شہری بن جائیں یہ ہے جہاد کا مقصد اور مسلمان مجاہد کی شان...... یاد رکھیں۔

میدان جنگ میں ہتھیار اٹھانا بھی جہاد ہے۔ بھوکے کو کھانا کھلانا بھی جہاد ہے۔ اعلائے کلمۃ الحق کیلئے میدان عمل میں نکلنا بھی جہاد ہے، حلال کی روزی کمانا بھی جہاد ہے۔

Marfat.com

اولاد کی صحیح معنوں میں تربیت کرنا اور انہیں اسلامی انداز فکر دینا بھی جہاد ہے۔ انسانی فلاح و بہبود کیلئے سرگرم عمل رہنا بھی جہاد ہے۔ علم کا حصول بھی جہاد ہے۔ الغرض---اللہ کی رضا کی خاطر جدوجہد کرنا سب جہاد میں شامل ہے اور یاد رکھئے-- مسلمان ان سب اوصاف سے متصف ہوتا ہے۔

۱۴۔ جو ملاوٹ نہ کرے

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اور تم ایک دوسرے کا مال غلط طریقے سے نہ کھاؤ۔" (البقرہ:۱۸۸)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد۔

"جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

مسلمان کا ہر فعل خلوص پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ اپنے دین و ایمان اور عمل میں خالص ہوتا ہے وہ نہ تو دین اور ایمان میں ملاوٹ کرتا ہے اور نہ اشیائے خورد و نوش میں، ملاوٹ ایک دھوکہ ہے اگر ایمان و اعمال میں ہوگی تو سراسر اس کا اپنا نقصان ہوگا، لیکن اس کے ساتھ ہی اسلامی معاشرہ بھی متاثر ہوگا اور اگر ملاوٹ اشیائے خوردنی میں ہے تو اپنے نقصان کے علاوہ وہ مسلم معاشرے کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کا دشمن اور نافرمان ہے اس نے عوام کو دھوکا دے کر ان کی جسمانی صحت کو خراب کیا۔ اپنے عارضی منافع کیلئے انسانی جانوں کا ضیاع نہایت ہی گھناؤنا فعل ہے جسے اللہ اور اس کا رسول بہت ناپسند کرتے ہیں۔ اس لئے حضور ﷺ نے واضح کر دیا کہ ملاوٹ کرنے والا ہم میں سے نہیں ہے۔ اس کا اسلام اور مسلم معاشرے سے کوئی تعلق نہیں وہ نافرمان ہے۔ دھوکہ باز ہے اور ایک مسلمان کی یہ صفتیں ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے مسلمان نہ اپنے ایمان میں ملاوٹ کرتا ہے اور نہ ہی دیگر اشیاء میں

Marfat.com

خواہ وہ خورد و نوش کی ہوں یا عام استعمال کی۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

" سچے اور دیانت دار تاجروں کا درجہ (قیامت کے دن) نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔"

اسی طرح حضور ﷺ نے تجارت کے عارضی فروغ کیلئے جھوٹی قسمیں کھانا۔ دھوکے سے گاہکوں کو متاثر کرنا مذموم قرار دیا ہے۔ ہادی برحق ﷺ نے فرمایا۔ "قسمیں کھانے سے مال تو بک جاتا ہے مگر برکت نہیں رہتی۔" ایسے "مسلمان" تاجر جو گھی، آٹے، چینی، ہلدی، مرچ، مصالحوں، دالوں اور اس جیسی دوسری خوردنی اشیاء میں ملاوٹ کرتے ہیں یا ادویات میں ملاوٹ کرتے ہیں۔ جنہیں مسلمان معاشرہ روزانہ استعمال میں لاتا ہے تو وہ انسانیت کے قاتل ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اور ایسے لوگ مسلمان کہلانے کے حق دار نہیں ہیں۔

۱۴۔ جو فحش گو نہ ہو

حق تعالیٰ نے فرمایا۔

"اے ایمان والو! اللہ (کی ناراضی) سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا۔ اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔" (الاحزاب: ۷۰۔۷۱)

"اور لوگوں سے خوش اسلوبی کے ساتھ بات کیا کرو۔" (البقرہ: ۸۳)

ہادی برحق ﷺ نے فرمایا۔

"ایمان والا نہ کسی پر لعن طعن کرتا ہے۔ نہ بے حیائی اور فحش گوئی کا شیوہ اختیار کرتا ہے۔ (رواہ بخاری)

رسول اکرم ﷺ نے ایک دفعہ اپنی زبان پکڑ کر فرمایا۔

Marfat.com

'انسان کے لئے سب سے زیادہ خطرناک یہ ہے اس کی حفاظت موجب نجات ہے۔"
(مشکوٰۃ)

'مسلمان سے جنگ کرنا کفر اور اسے گالی دینا فسق ہے۔" (بخاری و مسلم)

مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں جس طرح مسلمان کے دیگر کام اسلامی اصولوں کے عین مطابق ہوتے ہیں بعینہٖ اس کی گفتگو بھی قابل تعریف ہوتی ہے۔ "مسلمان گندا زبان نہیں ہوتا۔" یہ ہمارے نبی ﷺ کا فرمان ہے۔ زبان کی گندگی میں گالی گلوچ جھوٹ، غیبت، بہتان تراشی اور بیہودہ گوئی تک سب شامل ہیں کئی لوگوں کا یہ وطیرہ ہوتا ہے۔ کہ وہ بات بات پر گالیاں دیتے ہیں اور ان کی یہ عادت اتنی پختہ ہو جاتی ہے۔ کہ وہ غیر ارادی طور پر ایسا کر جاتے ہیں۔ گفتگو کا یہ انداز جہاں انسانی شخصیت کو مسخ کرتا ہے۔ وہاں بد خُلقی کا مظہر بھی ہوتا ہے۔ یہ عادت انتہائی غلیظ اور ناپسندیدہ ہے۔ مسلم معاشرے میں ایسا گندہ زبان آدمی ایک ناسور کی حیثیت رکھتا ہے یا اسلامی معاشرے کے گلستان میں گندگی کا ایک ڈھیر جس کی غلاظت اور بدبو سے ہر سلیم الفطرت انسان نفرت کرتا ہے۔

اسلام ایک صاف ستھرا اور پاکیزہ دین ہے۔ اس کی طہارت و پاکیزگی اور نظافت مسلمان کے ہر فعل میں نظر آنی چاہئے بلکہ اس کا اطلاق اس کے جسم اور لباس پر بھی ہونا چاہئے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

تَنَظَّفُوْا فَاِنَّ الْاِسْلَامَ نَظِیْفًا

"صاف ستھرے رہو بیشک دین اسلام پاکیزہ ہے۔"

مسلمان غیر مسلموں کیلئے ایک نمونہ (Symble) ہوتا ہے۔ کاش آج کا مسلمان واقعی غیر مسلموں کیلئے ایک نمونہ بن کر دکھائے-- لیکن ہماری تو یہ حالت ہے کہ ہم

Marfat.com

دوسروں کو نمونہ سمجھ کر ان کی تقلید کرتے ہیں۔

ایک دفعہ زبان کے بارے میں نبی رحمت ﷺ نے فرمایا۔ "جو مجھے اس کی ضمانت دیتا ہے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔" (بخاری)

واقعی آپ ﷺ کے اس فرمان میں کس قدر حقیقت ہے گوشت کا یہ ننھا سا ٹکڑا بسا اوقات انسان کیلئے انتہائی ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے کہتے ہیں تلوار کا زخم تو مٹ جاتا ہے لیکن زبان سے لگایا ہوا زخم ہمیشہ تازہ رہتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (سورہ ق:۱۸)

"وہ جو لفظ بولتا ہے اس کے پاس ایک محافظ تیار ہوتا ہے۔"

حضور ﷺ کا ارشاد ہے انسان اپنی زبان کی وجہ سے جو ٹھوکر کھاتا ہے وہ پاؤں کی لغزش سے کہیں زیادہ سخت ہوتی ہے۔ (بیہقی)

فرمان رسول ﷺ ہے۔

"جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اچھی بات کرے یا چپ رہے۔" (بخاری و مسلم)

مسلمان کا لایعنی اور بیہودہ باتوں سے بچنا اور خاموش رہنا بھی عبادت ہے سوچ سمجھ کر منہ سے بات نکالے اور یہ دھیان رکھے کہ میرے پاس ایک محافظ لکھنے والا بھی ہے جو ہر بات اور ہر فعل کو لکھ رہا ہے اور کل قیامت کے دن سب کچھ میرے سامنے ہوگا۔

حفاظت زبان مسلمان کی عبادت ہوتی ہے۔ زبان سے صادر شدہ باتیں ہی مسلمان کو جہنم میں لے جانے کا باعث بن سکتی ہیں۔ مسلمان کو یا تو زبان کی گندگی کو طہارت و پاکیزگی میں بدلنا ہوگا یا پھر مسلمان ہونے کا دعویٰ چھوڑنا ہوگا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا واضح ارشاد ہے۔

Marfat.com

کہ "مسلمان گندا زبان نہیں ہوتا۔"

اور اگر وہ فحش گو ہے تو یہ اچھے اسلوب کی گفتگو نہیں اور فرمان الٰہی تو یہ ہے۔

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْناً

"اور لوگوں سے خوش اسلوبی کے ساتھ گفتگو کرو۔" (البقرہ: ۸۳)

اور جو اس کی حکم عدولی کرے گا اسے اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کا کوئی حق نہیں ورنہ وہ اپنی زبان کو درست کرے۔

۱۵۔ جو متکبر نہ ہو

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اور زمین میں متکبرانہ چال نہ چل۔ بے شک تُو ہرگز زمین کو پھاڑ نہ سکے گا اور ہرگز بلندی میں پہاڑوں کو نہ پہنچے گا۔" (بنی اسرائیل: ۳۷)

"اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں کہ زمین پر (انکسار کے ساتھ) آہستہ چلتے ہیں (ان کی چال میں تکبر نہیں جھلکتا)" (الفرقان: ۶۳)

"اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر۔ نہ زمین میں اکڑ کر چل۔ اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز پست رکھ سب آوازوں سے زیادہ بری آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے۔" (لقمان: ۱۸، ۱۹)

"اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ پھر تمہاری قومیں اور قبیلے بنادیئے۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے باعزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، یقیناً اللہ جاننے والا باخبر ہے۔"
(الحجرات: ۱۳)

نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:۔

Marfat.com

"وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔"

(مسلم۔ ابوداؤد)

یاد رکھئے --- "مسلمان اور متکبر انسان دو متضاد نام ہیں مسلمان وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضور ﷺ سر تسلیم خم کر دیتا ہے اور متکبر انسان وہ ہوتا ہے جو اللہ کی زمین پر خود خدا بن جاتا ہے۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے سب سے پہلے شیطان (ابلیس) متکبر ہوا۔

اَبیٰ وَاستَکبَرَ وَ کَانَ مِنَ الکٰفِرِینَ (البقرہ:۳۴)

"شیطان نے اللہ کا حکم ماننے سے انکار کیا اور تکبر کیا (اس وجہ سے) وہ کافروں میں سے ہو گیا۔"

انسان اسی وقت متکبر ہوتا ہے جب وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا منکر ہوتا ہے اور حکم عدولی کرتا ہے اللہ کے مقابلے میں تکبر کرنے کا مذموم طریقہ سب سے پہلے ابلیس نے اپنایا تھا اور وہ ہمیشہ کیلئے راندہ درگاہ ہو گیا تھا۔ اور ملعون ٹھہرا تھا۔ پھر انسانوں میں سے فرعون۔ شداد، نمرود اور ابو جہل وابولہب وغیرہ نے ابلیس والا فعل کیا۔ مسلمانوں میں سے جو بھی تکبر کرے گا وہ اسلام کی اطاعت والی صفت سے دور ہو جائے گا۔ اللہ کا نافرمان ہوگا۔ اور بہت جلد اپنے انجام کو پہنچ جائے گا۔

اللہ کا حکم ہے -- زمین میں متکبرانہ چال نہ چل اس سے تُو میری زمین تو نہ پھاڑ سکے گا اور نہ ہی اپنے آپ کو پہاڑ سے بلند کر سکے گا۔ تیرا سر اتنا اونچا تو نہ پہنچ سکے گا یہ میرے بندوں کی شان نہیں۔

"میرے بندے" --- میرے مسلمان بندے کون ہیں۔ وہ زمین پر بڑے انکسار سے چلتے ہیں۔ ان کی چال میں گفتگو میں تکبر کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی۔

انسان کی چال میں اس کی شخصیت مضمر ہوتی ہے۔ مسلمان کی چال میں اعتدال

Marfat.com

ہوتا ہے وہ نہ تو اکڑ کر چلتا ہے اور نہ ہی اتنا جھک جاتا ہے کہ اس میں مریل پن نظر آئے۔اس کی چال میں متانت، وقار اور کشادگی ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ جب چلتے تھے تو آپ کے چلنے میں قوت اور ٹھہراؤ ہوتا تھا۔ آپ اس طرح قدم جما کر چلتے تھے جس طرح نشیب میں اتر رہے ہوں۔ یہی مسلمان کی چال کا انداز ہونا چاہئے۔ نہ تو وہ اکڑا ہوا ہو اور نہ زیادہ ہی جھکا ہوا۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو سر جھکائے ہوئے چلتے دیکھا۔ تو فرمایا "سر اٹھا کر چل۔ اسلام مریض نہیں ہے۔" مطلب یہ ہے کہ ایسا مریل پن اسلام میں روا نہیں۔ مسلمان پروقار ہوتا ہے۔ اس کی چال اور گفتار میں جان ہوتی ہے۔

تکبر سے اکڑی ہوئی گردن کا انداز اور ہوتا ہے اور مسلمان کی پروقار چال کا انداز اور ہوتا ہے۔

تکبر کا ایک ذرہ بھی دل میں ہوگا تو جنت نہیں ملے گی۔ کیوں؟ وہ اس لئے کہ اس نے ابھی تک سر تسلیم خم نہیں کیا اور بغیر تسلیم و رضا کے جنت نصیب نہیں ہوتی۔ متکبر آدمی ناشکرا بھی ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی طرح طرح کی نعمتیں کھا کر بھی اسے اللہ تسلیم نہیں کرتا اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اللہ کو رب نہیں مانتا۔ وہ اللہ کی ذات کو مانتا ہے لیکن اس طرح جیسے کسی ہستی کو مانتے ہوئے اس کی حکم عدولی کی جائے -- یہ تسلیم نہیں ہے بلکہ ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی ہے اسی کا نام تکبر ہے۔ تو کیا ایسا آدمی مسلمان ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

تکبر کی بہت سی وجوہات ہوتی ہیں مال و دولت، ذات پات، خاندان قبیلہ، اختیار ورحسن وصحت وغیرہ۔ ان میں سب سے خطرناک وجہ اپنے خاندان اور قبیلے کی بڑائی سمجھنا ہے اپنے خاندان کو سب سے اشرف اور باعث تکریم سمجھ لینا اور باقی لوگوں کو مین اور چھوٹی ذات اور خاندان کا آدمی سمجھنا۔ تکبر کی اس قبیح صورت میں آج کل

Marfat.com

کافی لوگ نظر آتے ہیں۔ حالانکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس صورت کو مسخ کر دیا ہے فتح مکہ کے موقعہ پر حضور نبی رحمت ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس میں خاص طور پر اس متکبرانہ صورت پر کاری ضرب لگائی تھی۔

ارشاد ہوتا ہے۔

"اس اللہ کا شکر ہے۔ جس نے تم سے جاہلیت کا عیب اور تکبر دور کر دیا۔ اے لوگو! تمام انسان بس دو طرح کے ہی لوگ ہیں۔ ایک نیک اور پرہیزگار جو اللہ کی نظر میں باعزت ہے۔ دوسرا فاجر اور شقی جو اللہ کے ہاں ذلیل ہے ورنہ سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔"

یہ ذات پات یہ قبیلے اور خاندان تو صرف اس لئے ہیں کہ تم پہچانے جاؤ۔ کہ فلاں آدمی فلاں ذات پیشے یا قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس پر تکبر اور فخر کرنے کا کیا جواز؟ اور اللہ کے ہاں تو صرف اسی کا مقام اور عزت ہے جو متقی ہے۔ اللہ کی ناراضی سے بہت ڈرتا ہے۔ خوف الٰہی ہر وقت اس کے ذہن میں اس کے دل میں موجود رہتا ہے اور جس کے دل میں خوف اللہ ہو وہ متکبر نہیں ہوتا وہ تو سر تسلیم خم کر دینے والا مسلمان ہوتا ہے۔

تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور حضرت آدم کو مٹی سے بنایا گیا تھا۔ جس کی سرشت میں عاجزی ودیعت کر دی گئی ہے۔ تمام انسانوں کا جد امجد صرف ایک آدم ہی ہیں۔ حقیقی طور پر ایک ہی خاندان اور رشتہ ہے۔ پھر اولاد آدم دور دور پھیلی، جغرافیائی حالات کی تبدیلی کی وجہ سے رنگ، عادات خدوخال۔ زبانیں اور بودوباش مختلف ہوگئے۔ اس میں تکبر والی کوئی بات نہیں ہے۔ کوئی اونچا نیچا نہیں ہے۔ آج ہم نے کچھ ذاتوں کو بلند کر رکھا ہے۔ اور کچھ ذاتوں یا خاندانوں کو کم تر سمجھ رکھا ہے۔ کچھ پیشوں کو افضل سمجھتے ہیں اور کچھ پیشوں کو گھٹیا تصور کرتے ہیں۔ ایک آدمی کو صرف اس لئے کم تر سمجھتے ہیں کہ وہ کپڑا بنتا ہے۔ جوتے سیتا ہے۔ کپڑے دھوتا ہے۔ بال کاٹتا ہے۔ یا کوئی

Marfat.com

اور کسب کرتا ہے اور ہم اس لئے افضل ہیں کہ ہم زمیندار ہیں کارخانہ دار ہیں۔ مال و دولت والے ہیں حالانکہ سوچا سمجھا جائے تو یہ پیشے جن کو ہم چھوٹا سمجھتے ہیں معاشرے میں بہت اہم، مفید اور محترم ہیں ہمیں ان لوگوں کا احسان مند ہونا چاہئے۔ جو ہمارے لئے کپڑا بنتے ہیں اور ہم پہنتے ہیں ہمارے جوتے سیتے ہیں۔ ہمارے بال تراشتے ہیں۔ ہمارے کھیتی باڑی کے اوزار مرمت کرتے ہیں اور ہم ہل چلانے کے قابل ہوتے ہیں۔ اللہ کے ہاں حلال کی روزی کمانے والا جولاہا، ترکھان، لوہار، موچی، دھوبی، حجام اور معمار اس شخص سے بدرجہا افضل و اعلیٰ ہے جو حلال حرام کی تمیز کیے بغیر کاشتکاری کرتا ہے۔ تجارت کرتا ہے یا کارخانہ چلاتا ہے۔ اور تکبر کرتا ہے خود بڑا بنتا ہے۔ دوسروں کو کم تر سمجھتا ہے، اسی طرح ذاتوں کا حال ہے فلاں ذات فلاں ہے افضل ہے۔ ہم کئی دفعہ بڑے فخر سے کہتے ہیں "اور چھوڑو اس کے ذکر کو وہ تو کمینی ذات کا آدمی ہے۔ اے انسان! تجھے کیا خبر اس کا اللہ کے ہاں کتنا مقام ہے۔ تُو کس بنیاد پر اسے کمینہ کہہ رہا ہے؟ رسالت مآب ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

"اللہ تمہاری صورتیں اور مال و دولت نہیں دیکھتا بلکہ وہ دلوں اور اعمال پر نظر رکھے ہوئے ہے۔" (مسلم و ابن ماجہ)

تکبر نام ہے اپنے آپ کو بڑا اور دوسرے کو حقیر اور چھوٹا سمجھنے کا۔ یہ ہزاروں برائیوں گناہوں اور فسادوں کی جڑ ہے۔ اللہ کے سوا کسی اور کو کبریائی کی صفت سے متصف ہونے کا حق نہیں۔ تکبر ہی کی بنیاد پر خدائی دعوے ہوئے۔ دوسروں پر ظلم و ستم ڈھایا گیا اللہ کی زمین پر اس کا بندہ خدا بن گیا۔ اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہو سکتا ہے۔ کسی بندے کا خدا بن جانا (تکبر کرنا) اللہ تعالیٰ کو کبھی نہیں بھاتا۔ متکبرین کا انجام بہت جلد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی اور برائی یا ظلم کرنے والے کو اتنی جلدی نہیں پکڑتا جتنی جلدی متکبر کو پکڑتا ہے۔ کیونکہ تکبر انسان کو سرکشی سکھاتا ہے۔ اور سرکشی سے

Marfat.com

معاشرے کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ تو یہ صفت مذمومہ ایک مسلمان میں کبھی نہیں ہو سکتی۔

۱۶۔ جو غیبت نہ کرے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو تم خود اس سے کراہت کرتے ہو۔ اللہ (کی ناراضی) سے ڈرو۔ بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔" (الحجرات:۱۲)

"جو لوگ پاک دامن، سیدھی سادھی (بے خبر، برائی سے لاعلم) مومن عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں۔ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے وہ اس دن (کو بھول نہ جائیں) جب ان کی اپنی زبانیں اور ان کے اپنے ہاتھ پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے۔" (النور:۲۳۔۲۴)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے۔ جو لوگ اس عادت سے باز نہ آئیں وہی لوگ ظالم ہیں۔" (الحجرات:۱۱)

"اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے بچو کہ بعض گمان (بدظنی) گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو (ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو)" (الحجرات:۱۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"غیبت یہ ہے کہ تُو اپنے مسلمان بھائی کا ذکر اس طرح کرے جو اسے ناگوار ہو۔ عرض

Marfat.com

بنا لیا۔ "اگر میرے مسلمان بھائی میں وہ بات پائی جاتی ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو اس صورت میں آپ کا کیا خیال ہے۔ فرمایا اگر وہ بات اس میں پائی جاتی ہو تو تُو نے غیبت کی اور اگر وہ بات اس میں نہ پائی جاتی ہو تو تُو نے اس پر بہتان لگایا۔" (رواہ مسلم، ابوداؤ، ترمذی)

قارئینِ کرام---!

اب میں ان باتوں کی نشاندہی کرتا ہوں جو ہمارے مسلم معاشرے میں عام ہیں اور ان باتوں پر جو نہایت مہلک اور نقصان دہ ہیں جن پر ہم بہت ہی کم توجہ دیتے ہیں بلکہ یوں سمجھئے کہ ان باتوں کی ہمیں عادت پڑ گئی ہے۔ حالانکہ ان کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے قرآن وسنت میں بڑی تنبیہ فرمائی ہے۔ اور ہمیں وقت سے پہلے باخبر کر کے احسان فرمایا ہے۔ کہ ہم ان بری باتوں سے بچ کر اپنی دنیا اور عاقبت سنوار لیں ورنہ ان بری باتوں کو چھوڑے بغیر مسلمان بھی کہلاتے جانا ہمیں اللہ کی پکڑ سے نہیں بچا سکے گا-- پہلی بری بات اور عادت جو ہم میں موجود ہے وہ ہے اپنے مسلم بھائی کی غیبت یعنی چغلی کرنا۔

غیبت کیا ہے؟

اس کی وضاحت حدیث رسول ﷺ سے کر دی گئی ہے کہ کسی مسلم بھائی کی برائی جو فی الواقعہ اس میں موجود ہو دوسروں کے سامنے بیان کرنا جبکہ وہ مسلم بھائی وہاں موجود نہ ہو غیبت کہلاتی ہے۔ دراصل یہ بات پردہ پوشی کے خلاف ہے دوسرا نقص اس میں یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی برائیوں کو عام کرنا، حالانکہ چاہئے یہ کہ اگر کوئی اپنے مسلم بھائی میں کوئی برائی دیکھے تو اسے علیحدگی میں سمجھا دے نہ کہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے نقائص کو عام کرتا پھرے کیونکہ ارشاد رسول ﷺ ہے۔

"جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی کرے گا۔"

Marfat.com

غیبت کرنا اس لئے بھی برا اور قبیح فعل ہے کہ یہ فعل حضور نبی رحمت ﷺ کے فرمان کے خلاف جاتا ہے اور مسلمان کی صفت کے بھی خلاف جاتا ہے -- کہ حضور ﷺ نے فرمایا "مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔"

چونکہ مسلمان کی زبان سے اس کے کسی دوسرے مسلمان بھائی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔ اس لئے جب کوئی مسلمان غیبت کرے گا تو جس کی غیبت کی جاتی ہے۔ اسے لازمی تکلیف پہنچے گی اور یہ بات رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی خلاف ورزی ہے۔ تو جو شخص رسول ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے اسے مسلمان کہلانے کا کیا حق ہے۔ جب تک کہ وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح نہ کرے۔

غیبت کرنے کا اس قدر رواج ہو چکا ہے کہ اب یہ قبیح فعل کوئی برائی نہیں سمجھا جاتا۔ حالانکہ یہ فعل اتنا برا ہے کہ خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی قباحت اور برائی کو ایک مثال دے کر سمجھایا ہے۔ کہ غیبت کرنے والے نے اس برے فعل کو ایسے ہی پسند کر لیا ہے جیسے وہ اپنے ہی مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کر لے۔

حالانکہ کوئی خواہ کتنا ہی غیر مہذب انسان ہو وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا کبھی بھی پسند نہ کرے گا اس کی کراہت اس قدر ہے کہ مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا لیکن جب وہ غیبت کرتا ہے تو وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھا لیتا ہے۔ اگر ہم اپنے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں تو ہمیں پتہ چل جائے گا کہ ہم روزانہ کتنی بار یہ ناپسندیدہ فعل کرتے ہیں اور کس ڈھٹائی سے کرتے ہیں۔

یہ بری عادت مسلم معاشرے کی خواتین میں اتنی زیادہ ہے کہ جہاں بھی کوئی اجتماع ہو یا مل بیٹھنے کا موقعہ ملے عادت سے مجبور خواتین ایک دوسرے کی غیبت کرنا شروع کر دیتی ہیں.......... ہمارے معاشرے میں اسلامی تعلیمات سے آگہی کا اتنا

Marfat.com

فقدان ہے کہ گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھا جارہا قرآن فہمی کا یہی فائدہ ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کا پورا پورا علم ہو جاتا ہے۔

آیئے تھوڑی دیر کے لئے قرآن فہمی پر غور کرلیں کہ تلاوت قرآن یعنی (قرآن فہمی) کیا ہے؟

قرآن فہمی۔۔۔۔ہم عرب نہیں ہیں۔ ہماری زبان عربی نہیں ہے۔ لیکن قرآن عربی میں نازل ہوا۔ اور قرآن کے احکامات پر عمل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے اسلامی تعلیمات سب کی سب قرآن میں موجود ہیں۔ جب تک ہم قرآن کو نہیں سمجھیں گے ہم قرآن اور اسلامی تعلیمات سے بے خبر رہیں گے۔ ان پر عبور حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم عربی سیکھیں۔ اپنے بچوں کو شروع ہی سے عربی سکھائیں۔ تاکہ بڑے ہو کر وہ قرآن کو سمجھ کر پڑھیں اور پکے سچے مسلمان بن کر اپنی دنیا اور دین سنوار سکیں۔ اگر عربی سیکھنے اور سکھانے میں ہمیں ذرا شرم آئے تو کم از کم قرآن اردو ترجمے کے ساتھ پڑھیں۔ خواہ روزانہ ایک صفحہ ہی پڑھیں لیکن باترجمہ پڑھیں اور ہر آیت کے ترجمے پر غور کریں اور احکامات کی آیات پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے عمل کریں۔

بسا اوقات ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ خواتین قرآن خوانی کے لئے ایک گھر میں بلائی گئی ہیں۔ ہر خاتون نے ایک ایک دو دو پارے پڑھے ہیں پڑھتے پڑھتے ذرا ستانے لگیں تو آپس میں باتیں شروع کر دیں، اور غیبت والی عادت بھی پوری کر دی۔ حالانکہ قرآن کی یہ آیت جس میں غیبت کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ بھی انہوں نے تلاوت کی ہے۔ لیکن صرف عربی میں آیت پڑھ دی ہے پتہ نہیں کہ کیا پڑھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس برے کام سے سختی سے روکا ہے۔ قرآن ختم کر کے وہ بڑے تقدس کے ساتھ واپس چلی جاتی ہیں ان کے دل میں یہ خیال تو ہے کہ ہم نے نیکی کا کام کیا ہے۔ کہ قرآن پڑھا ہے اور بظاہر کام تو بہت نیکی کا ہے۔ لیکن قرآن کے اوامر و نواہی سے وہ

Marfat.com

بالکل بے خبر ہیں۔ قرآنی الفاظ کے ایسے تکرار کو تلاوت قرآن نہیں کہتے جو شخص قرآنی الفاظ کا صرف تکرار کرتا ہے خواہ وہ ایک رات میں قرآن پڑھ لیتا ہو لیکن قرآن فہمی سے نابلد ہے اور نہ ہی وہ قرآن فہمی کی کوشش کرتا ہے۔ تو ایسا شخص اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مار رہا ہے۔ اللہ کے احکامات پڑھ کر بھی وہ حکم عدولی کرتا رہتا ہے۔

غیبت والی آیت پڑھ کر بھی وہ غیبت کرنے سے باز نہیں آتا تو وہ دوہرا مجرم ہے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ "قرآن پڑھو اور اس پر عمل کرو۔" صرف قرآن پڑھنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔ بغیر عمل کے بات نہیں بنے گی۔

آج کل جو یہ رواج ہو چکا ہے کہ رمضان میں ایک قرآن ختم کر لیا، گھروں میں قرآن ختم کرلئے یہ قرآن فہمی نہیں ہے۔ یہ تو لفظی تکرار ہے جو طوطے کی طرح ایک آدمی رٹ رہا ہے۔ اس سے وہ مقصد حاصل نہیں ہو رہا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ چاہتے ہیں۔

یہ جو حدیث ہے کہ تلاوت قرآن کرتے وقت ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے۔ لیکن یاد رکھیں وہ دس نیکیاں صرف اس صورت میں ملیں گی جب وہ قرآن کے الفاظ کو بامعنی سمجھتے ہوئے پڑھے گا۔ پھر وہ اس پر عمل بھی کرے گا۔ کیونکہ نیکی صرف عمل کرنے سے درج ہوتی ہے۔ ہم جو بھی عمل کرتے ہیں اسی پر ہمیں جزا یا سزا ملتی ہے۔ بغیر عمل کے کچھ نہیں لکھا جاتا البتہ نیک نیتی پر بھی نیکی ہے۔ لیکن یہ نیکی نیک عمل کے قوی ارادے پر ہی ملتی ہے صرف سرسری نیت کرنے سے نہیں ملتی۔

میں یہاں یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ تلاوت قرآن فہمی ہے نہ کہ محض قرآنی الفاظ کا تکرار۔ یہ بہت بڑا مغالطہ ہے جو اسلامی تعلیمات کی کم فہمی کی وجہ سے ہم میں

Marfat.com

موجود ہے۔ ہم تفقہ فی الدین نہیں کرتے دینی باتوں میں سوجھ بوجھ سے کام نہیں لیتے۔ قرآن اس لئے آیا ہے کہ اسے پڑھ کر اس کے احکامات کی پیروی کی جائے اور احکامات کی پیروی اسی صورت میں ہو گی جب ہم قرآن کو سمجھ کر پڑھیں گے اور سمجھیں گے تو صرف اسی وقت جب عربی میں مہارت حاصل کریں گے یا اردو ترجمہ اور تفسیر سے قرآن پڑھیں اسی لئے حضور نبی رحمت ﷺ نے فرمایا۔

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ

"تم میں بہترین وہ شخص ہے جس نے قرآن سیکھا اور دوسروں کو سکھایا۔" (صحیح بخاری)

یہاں غور کریں حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جس نے قرآن پڑھا اور دوسروں کو پڑھایا۔ صرف پڑھا ہی نہ جائے بلکہ قرآن سیکھا جائے یہی قرآن فہمی یا تلاوت قرآن کا مفہوم ہے۔ جب قرآن پڑھنا آجائے تو پھر ناظرہ قرآن پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے اس کے بعد اردو ترجمے تفسیر اور تفہیم کے ساتھ قرآن بار بار پڑھا جائے۔ اسے سمجھا جائے اس پر عمل کیا جائے اور پھر اسے دوسروں تک پہنچایا جائے۔ یہ ہے تلاوت قرآن پاک کا صحیح مفہوم۔

اب آئیے اپنے اصل موضوع کی طرف۔

مسلمان غیبت نہیں کرتا اور جو غیبت کرتا ہے اور اس سے توبہ بھی نہیں کرتا اسے مسلمان نہیں کہلانا چاہئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اسے اس کا حق بھی نہیں دیا یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ غیبت کی کچھ استثنائی صورتیں بھی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ ان صورتوں میں غیبت نہیں ہو گی۔

مثلاً ---(شرح مسلم۔ نووی)

---کسی شخص کی اصلاح کے لئے اس کی برائیوں یا غلطیوں کو ایسے لوگوں کے سامنے بیان کرنا جو باہم مل کر اس کی برائیوں کو دور کر سکتے ہوں۔

Marfat.com

---کسی ظالم شخص کی شکایت حاکم وقت کے سامنے یا کسی ایسے بااختیار آدمی کے سامنے کرنا جو اس کے ظلم کو روک سکے۔

---عوام الناس کو کسی شخص کے شر سے آگاہ کرنا تاکہ لوگ اس کے شر سے بچ سکیں۔

---جو شخص فاسق ہو۔ بدعات اور گمراہیوں کی تبلیغ کر رہا ہو اور فسق وفجور پھیلا رہا ہو ایسے شخص کے خلاف آواز بلند کرنا غیبت نہیں ہے۔

---فتویٰ لینے کے لئے کسی مفتی کے سامنے کسی شخص کے برے فعل کے بارے میں واقعہ بتانا غیبت نہیں ہے۔

یہ شرعی ضرورتیں ہیں۔ ان کے علاوہ کسی شخص کی برائی اس کی عدم موجودگی میں بیان کرنا غیبت ہے اور حرام ہے اور بہتان اس سے بھی بڑا جرم ہے کہ برائی نہ ہوتے ہوئے بھی برائی بیان کرنا۔ یہ سب باتیں ایک مسلمان میں ہرگز نہیں ہو سکتیں غیبت کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اس حرکت سے باز آجائے۔ پختہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کرے۔

حضرت ماعز بن مالک کو جب بدکاری کے جرم میں رجم کی سزا دی گئی تو راہ چلتے ایک آدمی نے دوسرے سے کہا۔ "اس شخص (ماعز بن مالک) کو دیکھو اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی مگر اس کے نفس نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا جب تک اسے کتے کی موت نہ مار دیا گیا، حضور رسالت مآب ﷺ نے ان دونوں کی یہ گفتگو سن لی۔ وہ کچھ دور آگے گئے تو وہاں گدھے کی لاش پڑی تھی، جو گل سڑ گئی تھی حضور ﷺ رک گئے ان دونوں کو بلایا اور فرمایا ادھر آؤ اور اس گدھے کی لاش کو کھاؤ۔

دونوں نے حیران ہو کر عرض کیا۔ "یارسول اللہ۔ اسے کون کھائے گا، آپ ﷺ نے ان کا جواب سن کر فرمایا۔ ابھی ابھی تم اپنے بھائی کی عزت پر جو ضرب لگا رہے تھے وہ اس گدھے کی لاش کھانے سے زیادہ بری تھی" --- استغفر اللہ --- دیکھیں غیبت

Marfat.com

کتنی بری چیز ہے اور ہم نے اسے کتنا معمولی فعل سمجھ رکھا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ اَخُوالْمُسْلِمِ لَایَظْلِمُهٗ لَا یَخْذُلُهٗ وَلَا یَغْتَابُهٗ وَلَا یَحْزُنُهٗ وَلَا یَحْرُمُهٗ

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر نہ ظلم کرتا ہے نہ اسے چھوڑ دیتا ہے نہ اس کی غیبت کرتا ہے نہ اسے غمگین کرتا ہے اور نہ اسے اپنے حق سے محروم کرتا ہے۔"

دوسرے مسلمان بھائی کا خیال رکھنا بہت بڑی نیکی ہے اور کسی کا دل دکھانا بہت بڑی برائی ہے۔ مسلم معاشرے کی خصوصیات میں سے ہے کہ اس معاشرے کے افراد باہم مل جل کر رہتے ہیں ایک جسم کی طرح جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

"آپس کے لطف و کرم، محبت، ہمدردی میں ایمان والوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے۔ جب اس کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بیقرار ہو کر جاگتا رہتا ہے۔ اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے مسلمان کی ایک اور صفت یہ بتائی ہے کہ وہ ایک دوسرے کا مذاق نہیں اڑاتے۔ (الحجرات:۱۱)

نہ مرد دوسرے مرد کا اور نہ عورت دوسری عورت کا۔ مذاق اڑانا کوئی اچھی بات نہیں اس فعل سے مسلمان بھائی کے احترام پر حرف آتا ہے۔ اس کی تضحیک ہوتی ہے اور مذاق کرنے والا اپنے آپ کو افضل اور دوسرے کو کم تر سمجھتا ہے دوسرے کی تذلیل و تحقیر کرنا بہت نازیبا حرکت ہے۔ جو ایک مسلمان نہیں کر سکتا۔ اسلام سے باہر ہو کر ہی ایسا کام کیا جا سکتا ہے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ مذاق مذاق میں بات بڑھ جاتی ہے اور اپنی اپنی عزت کے دفاع میں ایک دوسرے کو ختم کر دینے کی نوبت بھی آ جاتی

Marfat.com

ہے۔ اسلام کی یہ صفت ہے کہ وہ برائی کو نہیں بلکہ برائی کی جڑ کو اکھاڑ پھینکتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کی راہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کا مذاق اڑانے سے منع فرمایا ہے اور یہ عادت بھی ہم میں غیبت کی طرح عام ہے۔

پھر فرمایا آپس میں طعنہ زنی نہ کرو اور برے ناموں سے بھی ایک دوسرے کو نہ پکارو طعن و تشنیع اخلاق سے گری ہوئی باتیں ہیں۔ اس میں کسی کی ملامت کرنا خواہ کھلم کھلا ہو یا اشاروں کنائیوں سے سب شامل ہیں آج کل عام رواج ہے کہ ہم ایک دوسرے کو برے ناموں سے بلانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے مثلاً دوسروں میں جسمانی نقص کی بنا پر نام لینا اگر کسی کی آنکھ میں قدرتی طور پر ٹیڑھا پن ہے تو اسے "کانا" کہنا۔ کوئی لنگڑا تا ہو تو اسے "لنگڑا" کہنا۔ کسی کا رنگ کالا ہے تو اسے "او کالے" کہہ کر پکارنا یا صحیح نام کو بگاڑ کر لینا۔ مثلاً عبداللہ سے "ڈلا" کہنا، ان سب باتوں سے مسلمان کا تقدس مجروح ہوتا ہے۔ آپس میں فساد پیدا ہوتا ہے، جو مسلم معاشرے میں کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

طعنہ دینا، برے نام سے پکارنا، نام دھرنا، طنز کرنا وغیرہ یہ معمولی باتیں نہیں ہیں۔ جیسا کہ آج کل سمجھا جا رہا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ باتیں اتنی ناپسندیدہ ہیں کہ ارشاد ہوتا ہے۔

"ایمان والو! یہ باتیں مسلمان نہیں کر سکتا، بلکہ فاسق کو ہی ایسی باتیں زیبا ہیں اور اگر کوئی مسلمان ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو وہ فسق و فجور کی طرف راغب ہوگا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔" ایسا آدمی ہی ظالم ہوگا۔"

"اب اندازہ لگائیں کہ یہ باتیں کس قدر بری ہیں اور حیرت اس بات کی ہے کہ یہی باتیں ہم میں عام پائی جاتی ہیں ہم دھیان ہی نہیں کرتے کہ ایسا کیوں ہے؟--- ایسا اسلامی تعلیمات کو نہ جاننے کی وجہ سے ہے۔ ہماری تو یہ حالت ہے کہ ہم دنیا کے

Marfat.com

دھندوں میں اس قدر الجھ چکے ہیں کہ ہمیں قرآن پڑھنے یا حدیث پڑھنے کی فرصت ہی نہیں حالانکہ جن دھندوں میں ہم الجھے اور پھنسے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث پڑھنے کا وقت نہیں ملتا موت کا ایک جھٹکا ہی ہمیں ان دھندوں سے علیحدہ کر دینے کے لئے کافی ہوگا۔ پھر سوائے شرمندگی اور غضب الٰہی کے کچھ نہیں ملے گا اللہ تعالیٰ ایسی صورت حال سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے لیکن صرف دعاؤں سے کام نہیں چلے گا ہمیں بھی کچھ سوچنا ہوگا کہ ہمیں کس لئے دنیا میں بھیجا گیا ہے؟

اس کے بعد حکم آتا ہے۔ بدظنی سے بچو۔ تجسس نہ کرو ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ لگے رہو۔ دوسرے کے راز اور پوشیدہ باتیں جاننے کی کوشش نہ کرو۔ یہ بہت بری اور گناہ کی باتیں ہیں۔ ظن۔ یعنی گمان دو طرح کا ہوتا ہے۔ حُسنِ ظن اور سوء ظن -- دوسرے کے بارے میں اچھا گمان رکھنا۔ اس کی نیکی کی طرف توجہ کرنا اور اس سے نیکی ہی کی توقع کرنا حسن ظن ہے۔ بدظنی۔ برا گمان۔ یہ گناہ ہے کہ آدمی بلاوجہ دوسرے کے بارے میں برا گمان دل میں رکھے حالانکہ وہ شخص ایسا نہ ہو تحقیق کئے بغیر ہی کسی کے بارے میں غلط رائے قائم کر لینا اسلامی شعار کے خلاف ہے۔ اور مسلمان ہرگز ایسا نہیں کر سکتا۔

ہماری یہ بھی عادت ہوتی ہے کہ ایک دوسرے کے بارے میں خوامخواہ تجسس کرتے رہتے ہیں ٹوہ میں لگے رہتے ہیں دوسرے کی خفیہ باتیں معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔

"اے لوگو! تم زبان سے ایمان لے آئے ہو مگر ابھی تمہارے دلوں میں ایمان نہیں اترا۔ مسلمانوں کے مخفی حالات کی ٹوہ میں نہ رہا کرو کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیب تلاش کرنے کے درپے ہوگا اللہ اس کے عیوب کے درپے ہو جائے گا اس طرح وہ

Marfat.com

اپنے گھر میں ذلیل ہو جائے گا۔ (رواہ ابو داؤد)

لیکن بہتری اور اصلاح کی خاطر تجسس کرنا ممنوع نہیں اور یہ تجسس نیک نیتی پر ہونا چاہیے۔ نہ کہ کسی کی برائی کو ڈھونڈ کر انہیں عام کرنے کے لئے یہ سب باتیں بہت بری ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مسلمان کو ان باتوں سے پرہیز کرنے کے لئے کہا ہے۔ یہ باتیں فسق و فجور کی طرف لے جاتی ہیں اور مسلمان نہ فاسق ہوتا ہے نہ فاجر۔

۱۷۔ جو حد سے نہ بڑھے

حق تعالیٰ نے فرمایا۔

"اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو، بیشک حد سے بڑھنے والے اللہ کو پسند نہیں۔"
(الاعراف:۳۱)

"اور رشتہ داروں کو ان کا حق دو۔ اور مسکین اور مسافر (کو بھی ان کا حق دو) اور فضول خرچی نہ کرو بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔" (بنی اسرائیل:۲۶،۲۷)

"اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ (یعنی کنجوسی نہ کر) اور نہ پورا کھول دے حد سے بڑھ کر فضول خرچ نہ بن کہ تو بیٹھ رہے ملامت کیا ہوا تھکا ہوا بیشک تمہارا رب جس کے لئے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہے اندازے سے دیتا ہے بیشک وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا دیکھتا ہے۔" (بنی اسرائیل:۲۹،۳۰)

"(اور ایسے لوگ بھی اللہ کو ناپسند ہیں) جو کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی کنجوسی کی ہدایت کرتے ہیں اور جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اسے چھپاتے ہیں۔ ایسے کافر نعمت لوگوں کے لئے ہم نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (النساء:۳۷)

مسلمان حد سے نہیں بڑھتا۔ وہ اعتدال پسند ہوتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں وہ

Marfat.com

اعتدال کی روش اختیار کرتا ہے۔ کیونکہ دین اسلام ہے ہی اعتدال اور درمیانی راہ یہاں افراط و تفریط نہیں ہے اور نہ ہی اس کا حکم ہے۔

عبادت کو لیجئے --- مسلمان اس میں بھی اعتدال سے کام لیتا ہے۔ ویسے تو مسلمان کی زندگی کا ہر لمحہ جو رضائے الٰہی کے لئے گزرے عبادت ہے۔ لیکن عبادت کی بنیادی اشکال مثلاً نماز روزہ اور دیگر نفلی عبادتوں میں اس کا اعتدال نمایاں نظر آتا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو مدنظر رکھتا ہے۔

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے آگے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ (کی ناراضی) سے ڈرو۔ اللہ سب کچھ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ (الحجرات:۱)

وہ نفلی عبادات میں نہ تو اتنا بڑھ جاتے ہیں کہ رہبانیت کا گمان ہونے لگے اور نہ ہی اتنا دور ہٹ جاتے ہیں کہ دنیادار معلوم ہوں۔ عبادات میں بھی میانہ روی اور اعتدال کو نہیں چھوڑتے۔

اسی طرح خرچ کرنے میں حد سے نہیں بڑھتے۔ نہ تو کنجوسی کرتے ہیں اور نہ فضول خرچی۔ کنجوسی اللہ کو بالکل پسند نہیں اور فضول خرچ تو شیطان کا بھائی ہوتا ہے۔ تو یہ سب باتیں مسلمان میں کیسے ہوسکتی ہیں۔ مسلمان تمام حقوق پورے کرتا ہے وہ ایک حق کو پورا کرتا ہے تو دوسرے کو چھوڑتا نہیں ہے۔ اس کے تمام شعبہ ہائے زندگی میں اعتدال ہوتا ہے۔ اور یہی متوازن زندگی کا راز ہے اور اسلام ایسی ہی طرز زندگی کو اپنانے کی تاکید کرتا ہے۔ خوشی غمی خورد ونوش لباس اور دیگر لوازماتِ زندگی اور مشاغلِ حیات میں میانہ روی اختیار کرنے اور حد سے نہ بڑھنے پر زور دیا گیا ہے۔

خوشی کا اظہار اتنا بڑھ چڑھ کر نہ کیا جائے کہ راگ اور موسیقی کی محفلیں منعقد کی جائیں اور بات فحاشی، عریانی اور بے حیائی تک جا پہنچے اسی طرح غم بھی حد سے نہ بڑھے۔ ایسا نہ ہو کہ آہ و بکا چیخ و پکار اور سینہ کوبی پر اتر آئیں۔ کھانے پینے میں بھی

Marfat.com

اسراف نہ کیا جائے اور نہ حد درجے کی کنجوسی کی صحت متاثر ہو مردوں کو ریشمی لباس اور زیورات (سونا) پہننے سے منع کر دیا گیا۔ تاکہ تن آسانی اور کبر و فخر پیدا نہ ہو جائے۔ اسی طرح تمام شعبہ ہائے زندگی میں میانہ روی اور اعتدال اختیار کرنا ایک مسلمان پر واجب ہے اعتدال تو مسلمان کی عادتِ ثانیہ ہے۔ جس سے وہ اِدھر اُدھر نہیں ہوتا۔

۱۸۔ جو با اخلاق ہو

ارشاد الٰہی ہے۔

"البتہ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے۔"

(الاحزاب:۲۰)

"بیشک (اے رسول ﷺ) آپ اخلاق حسنہ کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں۔" (القلم:۴)

"(اے مسلمانو) یہ رسول ﷺ جو کچھ تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔" (الحشر:۷)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"مجھے اللہ تعالیٰ نے صرف اس لئے مبعوث کیا ہے کہ میں (دنیا میں) اخلاق حسنہ کو مکمل کر دوں" (کنز الاعمال)

"تم میں سے بہترین وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں۔" (بخاری شریف)

اسلامی دستورِ حیات کی باتیں حُسنِ اخلاق پر اٹھائی گئی ہیں اور اس کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کامل نبی رحمت حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور تمام بنی نوع انسان کو آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کی تاکید فرمائی۔ قرآن حکیم میں رسالت مآب ﷺ کی مدح کے سلسلے میں فرمایا۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

Marfat.com

"اور (اے رسول علیہ) آپ تو خُلقِ عظیم کے مالک ہیں۔"

(القلم:۴)

ایک مرتبہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ علیہ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا۔ ام المومنین نے ارشاد فرمایا کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن۔

"قرآن آپ علیہ کا اخلاق تھا۔" (مسلم، ابوداؤد، نسائی)

یہ بات بالکل حق ہے۔ کیونکہ رسول کریم علیہ نے دنیا کے سامنے صرف قرآنی تعلیمات ہی پیش نہیں کیں بلکہ خود ان کا مجسم نمونہ بن کر دکھایا۔ جس بات کا قرآن میں حکم دیا گیا۔ سب سے پہلے آپ علیہ ہی نے اس پر عمل کر کے دکھایا آپ علیہ چلتے پھرتے قرآن تھے۔ قرآن کی عملی تفسیر تھے۔

مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ سنت رسول علیہ سے سر مو بھی انحراف نہیں کرتا۔ حضور علیہ اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے اس لئے فرمایا۔ "تم میں سے بھی بہترین وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں۔"

جتنی بھی نیک صفات ہیں اگر اکٹھی کر دی جائیں تو ضابطہ اخلاق بنتا ہے۔

اخلاقیات --- صداقت، امانت دیانت شجاعت، سخاوت، صبر، اعتدال، ایثار، حیاء، وفائے عہد، اخوت و محبت پر مشتمل ہے اور ایک سچے اور پکے مسلمان میں یہ سب کچھ یوں سمو دیا جاتا ہے جیسے پھول میں خوشبو۔

اخلاق کا تعلق معاملات سے ہے باہمی معاملات، آپس میں برتاؤ، لین دین میں اخلاق سب سے زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ ایک شخص خواہ کتنا ہی ایماندار عادل اور صادق ہو مگر اس کا حُسنِ سلوک اچھا نہ ہو تو وہ پسندیدہ شخصیت نہیں بن سکتا۔ کسی میں سب صفتیں ہوں لیکن اس کا انداز گفتگو متکبرانہ ہو یا وہ خندہ پیشانی سے پیش نہ آئے تو اس کی سب صفتیں اس کی بدخُلقی تلے دب جائیں گی۔ حضور علیہ نے فرمایا اگر تُو اپنے

Marfat.com

مسلمان بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملتا ہے تو یہ بھی ایک صدقہ ہے۔ ہنس مکھ، نرم خُو اور خوش رو شخص سب کو اچھا لگتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ "بدترین انسان وہ ہے جس کے شر سے دوسرے انسان پناہ مانگیں۔"

مسلمان حُسنِ خُلق کا ایک ایسا نمونہ ہوتا ہے جس کو دیکھ کر مسلم اور غیر مسلم میں تمیز کی جاسکتی ہے اسلام کی تمام تعلیمات اخلاق حسنہ سے وابستہ ہیں۔ اسلام تلوار کے زور کی بجائے اخلاق کے زور سے پھیلا ہے۔ اور اب تو اس کی اشد ضرورت ہے۔

مسلمان کی زندگی کا ہر عمل چونکہ اسوہ حسنہ کے تابع ہوتا ہے اس لئے خُلقِ نبی ﷺ کی جھلکیاں مسلمان کے ہر پہلو سے نمایاں ہوتی ہیں۔ آج ہماری یہ حالت نہیں ہے۔ تو ہمارے اسلام اور ایمان میں انتہا درجے کی کمی ہے۔ مسلمان تو وہی ہوگا جو بااخلاق ہوگا بد خُلقی تو اسے اسلام سے دور کر دے گی ہمیں اپنے اخلاق اسی طرح سنوارنے چاہئیں جس طرح ہم اپنے جسموں اور لباس کو روزانہ سنوارتے رہتے ہیں۔

اگر ہمارا اندر کا انسان مسلمان ہو جائے تو یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔ باطنی اصلاح کی اشد ضرورت ہے۔ باطن کا پَرتو انسان کے ظاہر پر پڑتا ہے۔ ظاہر کا بہروپ اندر کے انسان کو زیادہ دیر تک چھپا کر نہیں رکھ سکتا اور مسلمان کا ظاہر و باطن یکساں ہوتا ہے۔

۱۹۔ جو نیکی میں تعاون کرے

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں (کسی سے) تعاون نہ کرو۔ اللہ کی (ناراضی) سے ڈرو، اس کی سزا بہت سخت ہے۔ (المائدہ ۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

Marfat.com

"جب تک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی حاجت روائی میں مصروف رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی فرماتا ہے۔ جو کسی مسلمان کی تنگی کو دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کی تنگی دور کرے گا۔ (ابوداؤد)

اسلامی معاشرہ باہمی تعاون، محبت واخوت بھائی چارے، ایثار و قربانی جیسے نیک جذبات کی عکاسی کرتا ہے اور یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اس کے افراد آپس میں ایک دوسرے کے مدد و معاون ہوں۔ مسلمان کے لئے حکم بھی یہی ہے کہ تم آپس میں تعاون کرو۔ لیکن تعاون دو قسم کا ہوتا ہے نیکی کے کاموں میں اور بدی کے کاموں میں۔ مسلمان کی پہچان صرف یہی ہے کہ جب تعاون کی بات آئے گی تو وہ صرف نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرے گا گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون کرنے سے صاف انکار کردے گا۔

معاشرے میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ ہم تعاون نیکی کی بنیاد پر نہیں کرتے بلکہ ہمارا تعاون مطلب پرستی، برادری کی سطح پر اور دنیاوی اغراض کے حصول کی خاطر ہوتا ہے۔ ہم تو بسا اوقات رشوت لینے اور دینے میں بھی تعاون کرتے ہیں کہ اس کا کام کروا دیا ہے۔ ہم تعاون کرنے میں یہ نہیں دیکھتے کہ ہمارا تعاون نیکی اور تقویٰ کی بنیاد پر ہے یا گناہ اور زیادتی پر۔ حالانکہ ہمیں چاہئے کہ اپنے بھائی کو کہیں کہ مجھ سے ایسا تعاون نہ کرائیں۔ جو شرعاً ناجائز ہے۔

ایسے ہی ناجائز تعاون کی کئی مثالیں ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں۔ مسلمان کو صرف نیکی اور رفاہ عامہ کے کاموں میں تعاون کا حکم ہے اور جو اس حکم سے روگردانی کرے گا اسے چاہئے کہ مسلمان کہلوانا چھوڑ دے یا اپنی اصلاح کرلے۔ ورنہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی سراسر ہلاکت اور گمراہی ہے۔

Marfat.com

۲۰۔ جو دین میں سوجھ بوجھ سے کام لے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"(رحمٰن کے بندے وہ ہیں) جنہیں جب ان کے رحمٰن کی آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ ان پر بہرے اور اندھے بن کر نہیں گرتے۔" (الفرقان: ۷۳)

"اللہ تعالیٰ تم سے اپنی آیتیں اسی طرح بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم غور و فکر کرو۔" (البقرہ: ۲۶۶)

"اور (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ ﷺ کی طرف ذکر (قرآن) اتارا تاکہ آپ لوگوں کو کھول کر بیان کر دیں جو ان کی طرف اترا تاکہ وہ سوجھ بوجھ سے کام لیں۔" (النحل: ۴۴)

"کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑ چکے ہیں؟ (محمد: ۲۴)

نبی آخرالزماں ﷺ نے فرمایا۔

تَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ

"دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرو۔"

رحمٰن کے وہ بندے جو سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں ان کی علامت اور پہچان یہ بھی ہے کہ وہ دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرتے ہیں وہ اللہ کی آیات پر بہرے اور اندھے بن کر نہیں گر پڑتے۔ بلکہ انہیں سن کر غور و فکر کرتے ہیں وہ اندھی تقلید نہیں کرتے۔ بلکہ عقل اور بصیرت سے کام لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم پر غور و فکر کرنے کے لئے بے حد تاکید فرمائی ہے کان اور آنکھیں بند کر کے یونہی قرآن سنتے جانا اور پڑھتے جانا مقصد نہیں ہے۔ آج کل تلاوت کا جو طریقہ ہم میں رائج ہے یہ بھی اندھے اور بہرے بننے والا معاملہ ہے۔ ہمیں کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ ہم کیا پڑھ رہے ہیں۔ اللہ کن باتوں کا حکم دے رہا ہے۔ اور کن باتوں سے روک رہا ہے ہم بہرے ہو کر سنتے ہیں

Marfat.com

اور بے توجہی سے پڑھتے ہیں۔ دل کی آنکھیں بند ہوتی ہیں جب ہمیں پتہ ہی نہ ہو گا کہ ہم کیا پڑھ رہے ہیں تو غور و فکر کس پر کریں گے؟ وہ نشانیاں ہمیں کہاں سے اور کیسے نظر آئیں گی۔ جو عقلمندوں کے لئے ہے۔ کیا واقعی ہمارے دلوں پر تالے نہیں پڑ چکے؟

مسلمان دین کے معاملات میں سوجھ بوجھ سے کام لیتا ہے۔ وہ سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔ اسے غور و فکر کرنے کی عادت ہوتی ہے اور اپنی بصیرت سے کام لیتا ہے۔ وہ دل کی آنکھیں کھول کر ذہن کو صاف کر کے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر نظر رکھتا ہے۔ وہ عقل کو کام میں لاتا ہے وہ علم دوست ہوتا ہے صاحبِ بصیرت اور فہم و فراست والا ہوتا ہے۔

قرآن کی سینکڑوں آیات ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے غور و فکر کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور جس بات کی تاکید اللہ اور اس کا رسول ﷺ فرمائے مسلمان تو لازمی طور پر اس بات پر توجہ کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے کیونکہ وہ سر تسلیم خم کر چکا ہے اب ہم خود ہی اپنا حساب لگا سکتے ہیں کہ ہم قرآن پر کس قدر غور و فکر کرتے ہیں اور دین کی باتوں پر کتنی سوجھ بوجھ حاصل کرتے ہیں اور جس مقصد کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب نازل کی ہے وہ مقصد ہم حاصل کر رہے ہیں۔ یا بس زندگی کھانے پینے ہی کا نام سمجھتے ہیں۔ دین کی سمجھ ہی وہ خیر کثیر ہے جس سے مسلمان اپنے دامن کو بھرتا ہے۔ دین ہی وہ دستور حیات ہے جس پر چل کر ہم دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکتے ہیں قرآن حکیم وہ آئین ہے جو ہماری زندگی کے تمام شعبوں میں ہماری راہنمائی کرتا ہے۔ آج کا مسلمان دنیوی زندگی میں ایسا پھنس گیا ہے کہ اسے قرآنی تعلیم حاصل کرنے کی فرصت ہی نہیں اور اگر فرصت مل ہی جائے تو ہم قرآن کو صرف حصولِ برکت کے لئے پڑھتے ہیں اصلاحِ اعمال کے لئے نہیں۔ حالانکہ برکت اس وقت نازل ہوتی ہے جب اعمال کی اصلاح ہو جائے۔ بد عملی اور بداعتقادی کے ہوتے ہوئے برکت کا نزول محال ہے۔

Marfat.com

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

''اس عبادت میں کوئی خیر نہیں جس میں دینی علم نہ ہو اور اس دینی علم میں کوئی خیر نہیں جسے آدمی سمجھا نہ ہو۔یا جس کے ساتھ تقویٰ نہ ہو اور قرآن کی اس تلاوت میں کوئی خیر و برکت نہیں جس میں انسان قرآن کے معنی اور مطلب میں غور و فکر نہ کرے۔''

ہم نے حصول برکت کے نئے نئے طریقے نکال لئے ہیں قرآن فہمی نہیں قرآن پر عمل نہیں لیکن برکت کے لئے قرآن خوانی کروائی جا رہی ہے۔ جس میں سوائے لفظی تکرار کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ قاری صاحب قرآن کی قرات کرتے ہیں سامعین میں سے صرف دو یا تین فیصد ایسے ''مسلمان'' ہوتے ہیں جو اللہ کے کلام کو سمجھ رہے ہوتے ہیں ایسی قرآن خوانی کا فائدہ---؟ اور خیر و برکت تو قرآن فہمی، اصلاح اعمال اور تقویٰ کے ساتھ وابستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بے شمار نشانیاں ہمارے ارد گرد موجود ہیں۔ لیکن ہم نے کبھی غور ہی نہیں کیا کبھی پھول کو دیکھ کر سوچا کہ اس کے اندر خوشبو کس طرح رچی بسی ہے؟ زمین سے جب پودا پھوٹتا ہے تو کبھی غور کیا کہ ننھے سے بیج کو پھاڑ کر اتنا تن آور درخت کون اگاتا ہے؟ جب ہم دودھ پیتے ہیں تو کبھی سوچا کہ گوبر اور خون کے درمیان سے اتنا صاف شفاف لذیذ اور پاکیزہ دودھ پیدا کرنے والا کون ہے؟

مسلمان اور کافر کے درمیان یہی فرق ہے کہ مسلمان اللہ کی نعمتیں کھا پی کر الحمد للہ کہتا ہے اللہ کو یاد کرتا ہے اس کا شکر ادا کرتا ہے اور غور و فکر کرتا ہے لیکن کافر لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تکبر کرتا ہے۔ اسے اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ یہ نعمت کہاں سے آئی ہے اور اس کا عطا کرنے والا کون ہے!

Marfat.com

۲۱۔ جو باقاعدہ نکاح کرے

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان (حضرت آدم) سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا۔ اور ان دونوں سے بہت مرد عورت (دنیا میں) پھیلا دیئے۔" (النساء:۱)

"(اے رسول ﷺ) ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بہت سے رسولوں کو بھیجا اور انہیں بیوی بچوں والا بنایا۔" (رعد:۳۸)

"(رحمٰن کے وہ بندے جو سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں) اللہ سے دعائیں مانگا کرتے ہیں۔ کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے (یعنی وہ ہمارے لئے موجب راحت و سرور ہوں) (الفرقان:۷۴)

"تم میں سے جو غیر شادی شدہ مرد ہوں اور تمہارے غلاموں اور کنیزوں میں سے جو صالح ہوں ان کے نکاح کر دو۔ اگر وہ غریب ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اللہ بڑی وسعت والا علیم ہے۔" (النور:۳۲)

محسن انسانیت ﷺ نے فرمایا۔

"نکاح میری سنت ہے جس نے اسے ترک کیا وہ میرے راستے سے ہٹ گیا۔" (صحیح بخاری)

"جو آدمی نکاح کی استطاعت رکھتا ہو اور نکاح نہ کرے اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔" (کنز العمال)

"اے جوانو! تم میں سے جو آدمی مہر اور نفقہ کی استطاعت رکھتا ہو وہ نکاح کرے۔ کیونکہ اس سے نگاہ پاک رہتی ہے اور اخلاق کی حفاظت ہوتی ہے۔ جو شخص نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو اسے چاہئے کہ روزے رکھے۔" (رواہ مسلم)

Marfat.com

"جس نے نکاح کیا اس نے اپنے نصف دین کی تکمیل کرلی۔ اسے چاہئے کہ باقی آدھے دین میں اللہ سے ڈرتا رہے۔" (رواہ بیہقی)

اسلام میں نکاح بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے نکاح کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور جس بات کی تاکید اللہ کی طرف سے ہو اس پر مسلمان بصدقِ دل عمل کرتا ہے۔ کیونکہ اطاعت صرف ایک حکم ہی میں نہیں ہے بلکہ مسلمان تو سراپائے اطاعت ہوتا ہے۔ نکاح کرنے کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ مسلمان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی سے بچ جاتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ سنت رسول ﷺ پر عمل ہوتا ہے۔ اور سنت پر عمل ہی مسلمان کا شعار ہے یہی شریعت کی پیروی ہے۔ ان فوائد کے علاوہ اخلاق و کردار کو سنوارنے میں نکاح کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ مجرد (غیر شادی شدہ) رہ کر نفس کی اصلاح (تزکیہ) کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں۔ تزکیہ نفس کے لئے شادی کرنا نہایت ضروری ہے شادی کے بغیر نفس کا تزکیہ ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ تزکیہ نفس کے لئے ایمان کا قوی ہونا ضروری ہے۔ ایمان جتنا قوی ہوگا نفس کی اصلاح اتنی ہی جلدی اور آسانی سے ہوگی جو شخص نکاح نہیں کرتا اس کا تو ایمان ہی ناقص اور کمزور رہتا ہے۔ بلکہ اس کا نصف دین ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے۔

"جس نے نکاح کیا اس نے اپنے نصف دین کی تکمیل کی۔" (بیہقی)

تجرد کی زندگی گزارنے کا نظریہ عیسائی راہبوں اور ہندو دھرم سے مسلمانوں میں داخل ہوا ہے۔ بہترین اور مقرب مسلمان وہ ہے جو نکاح کرے، اولاد کی بہترین تربیت کرے اپنا اور بیوی بچوں کا کردار سنوار کر اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے کوشاں رہے۔ بیوی بچوں میں رہ کر اوامر و نواہی پر کاربند رہنا ہزار درجہ مشکل ہے۔ بجائے اس کے کہ معاشرے سے کٹ کر جنگلوں میں تجرد کی زندگی بسر کرے۔

Marfat.com

اس لئے بغیر کسی جائز وجہ کے مسلمان غیر شادی شدہ رہ کر زندگی بسر نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ سنت کے خلاف ہے ایک مرتبہ جب چند صحابہ نے اپنے بیوی بچوں سے قطع تعلق کر کے دن رات عبادت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ "میں سید الانبیاء ہوں اور میری نو بیویاں ہیں۔"

اگر روحانیت کی بلندی اور کردار واخلاق کی معراج مجرد رہ کر حاصل ہوتی تو رسول اللہ ﷺ نکاح کرنے کو سنت نہ بناتے۔

سورۃ الروم میں ارشاد ہوتا ہے۔ "اور اس کی نشانیوں میں سے ہے۔ کہ تم ہی میں سے تمہارے لئے بیویاں پیدا کیں۔ تاکہ تم ان سے سکون پاؤ۔" (آیت:۲۱)

یہی وہ سکون ہے جو خاوند بیوی کو مل کر گھر بنانے پر مجبور کرتا ہے۔ میاں بیوی کے حسن سلوک سے جو سکون حاصل ہوتا ہے وہ دولت کے انبار سے بھی میسر نہیں ہو سکتا۔ کائنات ارضی کی یہ رونق وشادمانی اہلی زندگی کے دم قدم سے ہے۔ ورنہ تجرد کی زندگی سراسر وحشت، بے راہ روی اور مایوسی کی زندگی ہے۔

ایک شخص نے دریافت کیا۔ "یارسول اللہ ﷺ! بیوی کا حق شوہر پر کیا ہے؟ فرمایا جیسا کھائے ویسا اسے کھلائے۔ جیسا خود پہنے ویسا اسے پہنائے۔ نہ اس کے چہرے پر مارے نہ اس کو برا بھلا کہے اور نہ سزا کے طور پر اس کو گھر سے نکالے۔" (ابوداؤد)

ترمذی اور ابن ماجہ کی مشہور حدیث ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا۔ خیر کم خیرکم لاھلہ۔ "تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہے۔" اور قرآن نے تو خاوند بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی ستر پوشی کرتے ہیں، باہمی عزت ووقار کے محافظ ہوتے ہیں ایک دوسرے کی زینت اور خوبصورتی کا باعث بنتے ہیں۔ نکاح کی خیر وبرکت اس حد تک ہے کہ محسن انسانیت ﷺ نے فرمایا۔ "جو عورت پانچ وقت کی نماز ادا کرتی ہے، رمضان کے روزے رکھتی ہے اپنے

Marfat.com

آپ کو پاک دامن رکھتی ہے اور خاوند کی فرمانبرداری کرتی ہے تو ایسی عورت جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔" (بخاری و مسلم)

جو مرد یا عورت نکاح نہیں کرتے بھلا ایسی خوشخبریاں ان کے نصیب میں کہاں؟ حضور علیہ کا ارشاد ہے۔

"بہترین بیوی وہ ہے جب تُو اس کی طرف دیکھے تو تیرا جی خوش ہو جائے۔ جب اسے کسی بات کا حکم کرے تو فوراً بجا لائے اور جب خاوند گھر نہ ہو تو اس کے مال اور اپنے نفس کی حفاظت کرے۔" (بخاری و مسلم)

بیوی کو اپنے خاوند کے سامنے اظہار زینت کا بھی حکم ہے، حضور علیہ نے فرمایا۔ "عورت کو چاہئے کہ وہ خاوند کے لئے اپنے آپ کو بنا سنوار کر رکھے تاکہ خاوند کی نظر میں اچھی لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں پسند کرتا ہوں کہ عورت خاوند کو خوش کرنے کے لئے بناؤ سنگھار کرتی رہے۔"

اس سے ایک تو صاف ستھرا رہنے کی عادت پڑتی ہے دوسرے خاوند بیوی کے درمیان محبت بڑھتی ہے جو اہلی زندگی میں اور اولاد کی تربیت کے لئے بہت ضروری ہے۔ ترمذی کی حدیث میں حضور علیہ نے فرمایا۔ "جو عورت اس حالت میں وفات پائے کہ اس کا خاوند اس پر خوش ہو وہ جنت میں داخل ہو گی۔"

نکاح انسانی حقوق کا محافظ ہے۔ یہ تمام رشتہ داریاں، خاندان اور معاشرہ سب نکاح ہی کی وجہ سے ہیں۔ اسی کی بدولت ہم ایک دوسرے کے حقوق پہچانتے ہیں، ان کی حفاظت کرتے ہیں، بصورت دیگر انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اسلام ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی اور حفاظت کا حکم دیتا ہے اور نکاح کے بغیر فلاحی اسلامی معاشرہ قائم نہیں ہو سکتا ہے۔ ایسے دعوے تو سراسر غلط ہیں جو اللہ کے حکم اور رسول علیہ کی سنت سے دور لے جاتے ہیں کہ ہم مجرد رہ کر روحانیت کو بلند کرتے

Marfat.com

ہیں اور تزکیہ نفس کرتے ہیں مسلمان نہ ایسے دعوے کرتا ہے اور نہ غیر شادی شدہ رہ کر زندگی بسر کرتا ہے۔

۲۲۔ جو دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اور اس دن (کی رسوائی اور مصیبت) سے بچو۔ جس میں اللہ کی طرف واپس لوٹو گے تو ہر شخص کو اس کی کمائی (ہوئی نیکی یا بدی) کا بدلہ پورا پورا مل جائے گا اور کسی پر ہرگز ظلم نہ ہو گا۔" (البقرہ:۲۸۱)

"قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے۔ مَیں (اللہ) اس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں۔ تاکہ ہر کوئی اپنی کوشش کے مطابق بدلہ پائے۔" (طٰہٰ:۱۵)

"یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے (دنیا میں) سعی کی۔" اور یہ کہ اس کی سعی (اچھے یا برے کام کرنے کی کوشش) دیکھی جائے گی۔ پھر اس کی پوری جزا اسے دی جائے گی۔" (النجم:۳۸۔۴۱)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہونگے جس پر نہایت تند خو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے۔ جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں (اس وقت کہا جائے گا) اے کفر کرنے والو! آج معذرتیں پیش نہ کرو۔ تمہیں تو ویسا ہی بدلہ دیا جارہا ہے۔ جیسا عمل تم دنیا میں کرتے رہے ہو۔" (التحریم:۶۔۷)

"چھوڑ دو ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے۔ اور جنہیں دنیا کی زندگی فریب میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔ البتہ یہ (قرآن) سنا کر نصیحت اور تنبیہہ

Marfat.com

کرتے رہو کہ کہیں کوئی شخص اپنے عملوں کے وبال میں گرفتار نہ ہو جائے (اور گرفتار بھی اس حال میں ہو کہ) اللہ کے سوا کوئی حامی و مددگار اور سفارشی اس کے لئے نہ ہو اور اگر اپنے عوض سارے بدلے دے دیئے تو بھی ان سے قبول نہ کئے جائیں کیونکہ ایسے لوگ تو خود اپنی کمائی کے نتیجہ میں پکڑے جائیں گے انہیں تو انکارِ حق کے معاوضے میں کھولتا ہوا پانی پینے کو اور دردناک عذاب بھگتنے کو ملے گا۔ (الانعام: ۷۰)

"(لوگوں میں سے کوئی تو ایسا ہے جو) کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا ہی میں سب کچھ دے دے ایسے شخص کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور ان میں سے کوئی کہتا ہے اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ ایسے لوگ اپنی کمائی کے مطابق (دونوں جگہ) حصہ پائیں گے۔ اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔" (البقرہ: ۲۰۰۔ ۲۰۲)

ارشاد نبی رحمت ﷺ۔

اَلدُّنْیَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ

"دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔"

جو لوگ اس دنیا کو ایک امتحان گاہ نہیں سمجھتے وہ اپنی زندگیوں کو فضول گزار دیتے ہیں۔ انہیں علم نہیں کہ مرنے کے بعد اس زیست کا ہر لمحہ کس قدر اہم ثابت ہو گا۔ دنیا عمل کی جگہ ہے۔ بلکہ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق آخرت کی کھیتی ہے۔ یہاں عمل کا جو بیج بویا جائے گا آخرت میں اسی کا پھل کاٹا جائے گا اور وہی کچھ بدلہ ملے گا جو بویا تھا۔ ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہو گا اور نہ خالق کائنات نے یہ دنیا فضول پیدا کی ہے اور نہ ہی ہمیں یہاں بے مقصد بھیجا ہے۔ ہم اس دنیا کو فضول بنا لیں اور اپنی تخلیق کے مقصد کو بھول جائیں تو یہ ہمارا اپنا قصور ہے یہاں کیا ہوا ہر عمل لکھا جا رہا ہے ہماری نیتوں اور دل کے خیالات سے لے کر افعال و کردار تک ہر بات لکھی جا رہی ہے۔ جو روزِ قیامت

Marfat.com

ایک کتاب کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کر دی جائے گی۔ ہم پر امانت دار کاتبین مقرر کیے ہوئے ہیں۔

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝

(الانفطار: ۱۰، ۱۲)

"اور بیشک تم پر البتہ نگہبان ہیں معزز لکھنے والے۔ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔"

اب جس شخص کو یہ پتہ ہو کہ اس کا ہر عمل لکھا جا رہا ہے اور قیامت کے دن اس کی پرسش بھی ہو گی۔ بھلا وہ برائی کر سکتا ہے؟ لیکن دکھ کی بات تو یہ ہے کہ پتہ ہونے کے باوجود ہم گناہ کر جاتے ہیں۔ کیوں--؟ اس لئے کہ ہم کو اللہ کا خوف نہیں ہے۔

جب اللہ کی ناراضی کا ڈر نہ ہو گا تو انسان اس بے مہار شتر کی طرح ہے۔ جو جدھر چاہے منہ اٹھائے دوڑتا پھرتا ہے۔ ایسے شخص کا ایمان ناقص ہوتا ہے۔ کیونکہ روزِ قیامت کا یقین پختہ نہیں ہوتا۔ بس سن لیا کہ حساب کتاب کا دن آئے گا۔ یقین نہیں کیا اور ایمان کی تکمیل میں روز جزا پر ایمان لانا بھی نہایت ضروری ہے۔ جب انسان کو باز پرس کا خوف نہ رہے تو وہ جو جی چاہے کرتا پھرے۔ اسے نہیں معلوم کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے۔ بلکہ انسان کی ہر حرکت اللہ کے سامنے ہے کاش ہم قرآن کو سمجھتے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۔ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۔ (ق: ۱۶، ۱۸)

"تحقیق ہم نے انسان کو پیدا کیا۔ اور ہم اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو جانتے ہیں اور ہمارے اس براہ راست علم کے علاوہ دو کاتب اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ہر چیز ثبت کر

Marfat.com

رہے ہیں۔ کوئی لفظ اس کے منہ سے نہیں نکلتا (جسے محفوظ
کرنے کیلئے) ایک حاضر باش نگران موجود نہ ہو۔"

آیئے ذرا ان آیات پر غور کریں۔ سرسری طور پر پڑھ کر نہ گزر جائیں۔ جیسا کہ ہماری عادت بن چکی ہے کہ قرآن پڑھنے بیٹھے اور ایک ہی نشست میں چار پانچ پارے پڑھ دیئے اور پلے کچھ بھی نہ پڑا اور دل میں یہ خیال پیدا کر لیا کہ ہم نے اللہ کی کتاب پڑھ کر بہت بڑی نیکی کمائی ہے۔ نیکی تو اس وقت کمائی جائے گی جب قرآن کے الفاظ کو عملی جامہ پہنا کر احکامات الٰہیہ کی تعمیل میں سر تسلیم خم کر دیا جائے گا۔

قرآن میں ہم نے پڑھا---

وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ (الحجرات:۱۲)

"اور نہ جاسوسی کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے دو باتوں سے روکا ہے۔ ہمیں نیکی اس وقت ملے گی جب ہم ان دو باتوں سے رک جائیں گے۔ اگر پڑھ کر وہی کام کرتے جائیں گے جن سے اللہ تعالیٰ روک رہا ہے تو اس صورت میں ثواب کی امید نہیں رکھنی چاہئے۔ حالانکہ ہم نے قرآن پڑھا ہے لیکن صرف پڑھا ہے سمجھا نہیں کہ کیا پڑھا ہے؟ اور ثواب یا گناہ عمل پر ہوتا ہے۔ جب پڑھ کر عمل ہی نہ کیا جائے تو ثواب کیسا؟ اس لئے یاد رکھیں ہمیں قرآن فہمی کی ضرورت ہے۔ اور تلاوت کرنے کا بس یہی مطلب ہے صرف الفاظ پڑھ لینے سے بات نہیں بنے گی، یہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ کاش ہم اس طرف دھیان دیں۔ تو سورۃ قٓ کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں باخبر کر دیا ہے۔ کہ اے انسان اس دنیا میں ذرا سنبھل کے چل۔ پھونک کر قدم رکھ، عمل کرنے سے پہلے سوچ۔ یاد رکھ ایک تو میں (اللہ) خود تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ تیری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں دوسرے دو نگران فرشتے بھی تمہارے دائیں بائیں مقرر کر رکھے ہیں تاکہ وہ

Marfat.com

تمہارے اعمال کے گواہ بن کر قیامت کے دن گواہی بھی دیں اور تمہارے عملوں کا ثبوت نا قابل انکار شہادتوں سے فراہم ہو جائے۔ پھر اے انسان تُو بھاگ کر کہیں نہ جا سکے گا۔ کہیں شامت اعمال تمہیں اس جہنم میں نہ لے جائے جس کا ایندھن تم جیسے ہی انسان اور پتھر ہوں گے۔ اور بڑے تند خو اور سخت گیر فرشتے وہاں مقرر ہوں گے۔ وہ اللہ کا حکم بجالانے میں بڑے تیز ہیں۔ وہ لحاظ نہیں کریں گے۔ ان پر نہ تیرے واویلے کا اثر ہو گا اور نہ کسی معذرت کا۔ وہاں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور نیکی بدی کا بدلہ بھی پورا پورا ملے گا۔ کسی پر ظلم اور زیادتی نہیں ہو گی۔ تمہارے وہی عمل تمہارے سامنے ہوں گے جو اس دنیا میں کرتے رہے ہو۔ اس دنیا کو فضول نہ سمجھ اور نہ اپنی تخلیق کے مقصد کو بھول جا۔۔۔ اس دنیا کو آخرت کی کھیتی جان اور اچھا بیج بو۔ تاکہ تمہاری فصل خوب اگے اور تمہارے لئے فائدہ مند ہو۔ گناہوں کا بیج بوؤ گے تو وہ آگ کے ستون بن کر تمہیں گھیر لیں گے اور تمہارے دلوں تک چڑھ جائیں گے اپنی حرکتوں پر نظر رکھ اپنے عملوں کو دیکھتا رہ۔

اے انسان! تُو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ تُو کیسا مسلمان ہے؟ ہر روز اپنا محاسبہ کیا کر۔ سوتے وقت اپنے دن بھر کے عملوں کا جائزہ لیا کر، کتنے نیکی کے کام کئے ہیں کتنے گناہ کے کام کئے ہیں نیکی پر غرور نہ کیا کر اور گناہ کو معمولی نہ سمجھا کر نیکی پر شکر ادا کیا کر اور گناہ سے توبہ کیا کر۔ صرف لفظی استغفار ہی نہ کرنا۔ عملی طور پر اصلاح بھی کرنا تیرے عمل دیکھے جائیں گے۔ عمل کو سنوار لے تو خود سنور جائے گا۔ تیری دنیا سنور جائے گی اور جب دنیا سنور جائے گی تو آخرت سنور جائے گی۔۔۔ اور یاد رکھ اے انسان جس کی آخرت سنور گئی تو وہ ہمیشہ کے لئے چین اور سلامتی کی زندگی سے سرفراز کر دیا گیا اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

Marfat.com

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۙ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ۙ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ.

(الانفطار: ۱۳-۱۵)

"بیشک نیک (عمل کرنے والے) لوگ نعمتوں میں ہوں گے۔

اور بیشک بدکار لوگ جہنم میں جائیں گے جزا کے دن وہ اس میں داخل ہوں گے۔"

یہ دنیا دارالعمل ہے۔ اسی لئے اسے کھیتی کہا گیا ہے۔ اس کا پھل آخرت میں ملے گا۔ مسلمان یہاں اللہ کے آگے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے۔ وہ اللہ کا مطیع و فرمانبردار ہے وہ دنیاوی زندگی کے ہر لمحے کو قیمتی سمجھتا ہے۔ وہ صرف دنیادار ہی نہیں۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ اے میرے رب مجھے صرف دنیا ہی دے دے۔ بلکہ اس کی دعا تو یہ ہے کہ اے میرے رب اس دنیا کو میرے لئے بھلائی کی جگہ بنادے اور آخرت کو بھی۔ کیونکہ دنیا کی بھلائی آخرت کی بھلائی ہوتی ہے۔ مسلمان کا اس دنیا میں آنے کا یہ مقصد نہیں کہ وہ حیوانوں کی طرح آیا کھایا پیا اور چلا گیا نہیں وہ تو صرف اللہ کے حضور سر تسلیم خم کرنے کے لئے آیا ہے۔ اور یہی عبادت کی روح ہے۔

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے۔ دنیا بنفسہ اچھی جگہ نہیں ہے۔ جیسا کہ رحمت للعلمین ﷺ نے فرمایا۔

"دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے۔" (مسلم شریف)

مزید فرمایا۔ دنیا ایک مردار ہے اور اس کا چاہنے والا کتا ہے۔

مسلمان کی مثال اس دنیا میں ایسی ہے جیسے گدلے پانی میں کنول کا پھول۔ جس طرح کنول کا صاف ستھرا پاکیزہ پھول گدلے پانی میں اپنا دامن بچا کے رکھتا ہے۔ اسی طرح مسلمان بھی اس دنیا میں رہ کر اپنے دامن کو گناہ سے آلود نہیں ہونے دیتا۔ اللہ تعالیٰ کو نہ تو اس دنیا سے قطع تعلق پسند ہے کہ انسان اس کے جھنجھٹوں کو چھوڑ چھاڑ کر

Marfat.com

جنگلوں کا رخ کرے اور نہ یہ پسند ہے۔ کہ انسان صرف دنیا ہی کا ہو کر رہ جائے دنیا تو ایک سرائے ہے جس میں انسان چند روزہ زندگی گزار کر اپنی اصلی منزل کی طرف رواں ہو جاتا ہے۔ وہی منزل جو "انسان سے مسلمان تک" سفر مکمل کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے جس کا تو راہی ہے تو اسی سفر سے گزر رہا ہے۔ نہ تو اس سرائے کو چھوڑنے کا حکم ہے اور نہ اس میں دل لگا کر بیٹھ رہنے کا حکم ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

"اتنی جائیدادیں نہ بناؤ ورنہ تم دنیا ہی کے ہو کر رہ جاؤ گے۔"

دنیا کو مردار سے اس لئے تشبیہ دی ہے کہ یہ بندے کو اللہ تعالیٰ سے دور کر دیتی ہے۔ اور جب بندہ اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے تو وہ اس کتے سے بھی بدتر ہوتا ہے جو مردار میں منہ مار کر اس کے گلے سڑے بدبودار گوشت سے اپنا پیٹ بھرتا ہے۔ جن لوگوں نے اس دنیا کے لئے اپنے اللہ کو بھلا دیا ہے اگر ان لوگوں کا مشاہدہ کیا جائے تو وہ ایسے ہی کتے نظر آتے ہیں جو دن رات اس دنیا کے حرام گوشت کو ہڑپ کر جانے میں پاگل ہوئے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا آخرت کے پاکیزہ رزق میں کوئی حصہ نہیں ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"جو دنیا کی زندگی اور آرائش چاہتا ہو ہم اس (دنیا) ہی میں ان کے عملوں کا پورا پھل دیں گے اور اس میں کمی نہ ہونے دیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے لئے آخرت میں کچھ نہیں سوائے آگ کے اور ضائع گیا جو کچھ وہاں (دنیا میں) کرتے تھے اور نابود ہوئے ان کے وہ عمل جو (محض دنیاوی فوائد کے حصول کے لئے) کرتے تھے۔" (ھود:۱۵۔۱۶)

سورۃ آل عمران کی آیت ۱۸۵ میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کے بارے میں کتنی واضح بات بتا دی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔

Marfat.com

"ہر شخص کو آخر کار مرنا ہے اور تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے روز پانے والے ہو۔ (اس روز) کامیاب تو دراصل وہ ہے جو وہاں آتش دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے رہی یہ دنیا یہ تو محض فریب اور کھلا دھوکا ہے۔"

اسی لئے مسلمان صرف دنیا طلب نہیں کرتا بلکہ آخرت کی بھلائی کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھلائی کا طلبگار بھی ہوتا ہے تاکہ اس دنیا کی کھیتی میں نیکی کا بیج بو کر آخرت میں اس کا پھل یعنی جنت حاصل کی جائے یہی مسلمان کی دعا ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ☆

(البقرہ:۲۰۱)

"دنیاوی کاموں میں جب تک اسلامی تعلیمات سے راہنمائی حاصل نہ کی جائے انسان فریب خوردہ رہتا ہے اور یہی دنیا کا فریب ہے، جسے وہ اپنے حال کے لئے بہتر سمجھ کر اس کے جال میں پھنستا چلا جاتا ہے انسان کو چاہئے کہ وہ شریعت حقہ پر قائم رہ کر دنیا میں زندگی بسر کرے اپنے ہر عمل کو صرف شریعت کی کسوٹی پر پرکھے۔ جو بات مطابقت میں ہو وہ کرے اور جو خلاف ہو اسے ترک کر دے۔ باقی رہے اس کے دنیا میں رہ کر نتائج تو ان پر نظر نہ کرے بعض لوگ انہی کو دیکھ کر اپنے صحیح اور غلط ہونے کا اندازہ لگاتے ہیں۔ حالانکہ ایسی حقیقت نہیں مثلاً ایک شخص بہت مالدار ہے۔ اسے بہت خوشحالی حاصل ہے۔ کوئی فکر فاقہ نہیں پورا آرام حاصل ہے۔ تو یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہ حق پر ہے اور اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہے اور اسی طرح اگر کوئی شخص مفلس ہے مصائب اور مشکلات میں مبتلا ہے تو یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہ بے راہ ہے اور اللہ اس پر ناراض ہے۔ ایسے نتائج کو دیکھ کر کسی کے نیک و بد یا حق و باطل پر ہونے کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا یا کسی کی موت کی کیفیت کو دیکھ کر ہم اس کے نیک اور بد ہونے کا قیاس کر لیں۔ یہ سب اندازے اور قیاس غلط ہوتے ہیں اور یہی فریب دنیا ہے۔ اصل

Marfat.com

معیار شریعت محمدی ہے جو اس پر جتنا چل رہا ہے اور جتنا دور ہے۔ اسی پر اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر شریعت پر عمل کرتے ہوئے بھی وہ کبھی مصائب میں گھر جائے تو یہ اس کی آزمائش ہوگی اور اگر شریعت کی مخالفت کرتے ہوئے بھی اسے دنیا میں کسی قسم کی تنگی اور مصیبت نہیں آتی تو وہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ اسے گمراہی اور برائی میں ڈھیل دے رہا ہے اور جب اس کی گرفت ہوگی تو بڑی شدید ہوگی۔

۲۳۔ جو چھوٹے پر رحم کرے اور بڑے کا احترام کرے

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"(اے انسان) پھر تو ان لوگوں میں شامل ہو جا جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر اور (خلق خدا پر) رحم کی تلقین کی۔" (البلد: ۱۷)

(جنت تو ایسے پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے) جو غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں اور محسنین اللہ کو محبوب ہیں۔" (سورہ آل عمران ۱۳۴)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"وہ شخص جو ہم میں سے نہیں جس نے ہمارے چھوٹے پر رحم نہیں کیا اور بڑے کا احترام نہیں کیا۔" (ترمذی شریف)

آداب معاشرت کا ایک زریں اصول نبی رحمت ﷺ کے اس فرمان میں موجود ہے حضور ﷺ نے ہر اس شخص کو اپنے طریقے سے ہٹا ہوا قرار دیا ہے۔ جو چھوٹوں کے ساتھ شفقت اور رحم سے پیش نہیں آتا اور اپنے سے بڑے کی عزت نہیں کرتا۔ آپ کا ارشاد ہے لیس منا۔ "وہ ہم میں سے نہیں ہے" ایسے شخص نے میرا طریقہ چھوڑ دیا ہے۔ میری سنت کا تارک ہو گیا۔ اللہ کا نافرمان ہوا۔ خود حضور ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آپ ﷺ کی رحمت والی صفت کو نمایاں فرمایا ہے۔

Marfat.com

وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین۔ (سورہ الانبیاء:۱۰۶)

''اور ہم نے تو آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

پھر فرمایا۔ ''رسول ﷺ تو مومنین کے لئے رؤف اور رحیم ہیں۔'' (التوبہ:۱۲۸)

نبی رحمت ﷺ نے اپنی رحمت کی صفت کو امت میں فروغ دینے کی سعی جمیلہ فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کے بہت سے ارشادات رحم کرنے کے بارے میں موجود ہیں۔ احترام میں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کائنات میں اور کون ہو سکتا ہے؟ آپ کی محفل میں جب کسی قوم کا کوئی سردار آجاتا ہے تو آپ ﷺ اس کی عزت کرتے اپنی چادر تک بچھا دیتے اور اس کے مقام کے مطابق جگہ دیتے۔ اسی طرح بچوں اور چھوٹوں کے ساتھ آپ ﷺ کی شفقت بھی مثالی تھی۔ آپ ﷺ بچوں کو گود میں بٹھا لیتے انہیں پیار کرتے۔ سواری کے وقت اپنے پیچھے بٹھا لیتے۔ آپ ﷺ گلی میں سے گزرتے تو بچے آپ ﷺ کے دامن سے لپٹ جاتے اور آپ ﷺ ٹھہر جاتے۔

حضور ﷺ نے اپنے سے چھوٹے اور بڑے کے لئے کوئی تخصیص نہیں فرمائی جو بھی چھوٹا ہو اور جو بھی بڑا ہو خواہ رشتہ دار ہو یا اجنبی۔ کوئی بھی ہو۔ کسی قوم یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو یہ صرف دین اسلام کی وسعت ہے ورنہ شاید ہی ایسا حکم کسی اور مذہب میں موجود ہے۔

یہاں غلاموں، کنیزوں، یتیموں سے شفقت کرنے کا بھی سبق ملتا ہے ان پر رحم کرنے کا حکم ہے بڑوں میں والدین، رشتہ دار۔ بزرگ اور عمر میں بڑے لوگ شامل ہیں جیسا کہ ارشاد رسول کریم ﷺ ہے۔

ان من اجلال اللہ اکرام ذی الشیبۃ المسلم

''بوڑھے مسلمان کا احترام کرنا اللہ کے جلیل ہونے کا اعتراف

Marfat.com

کرنا ہے۔"

گویا جو شخص کسی بوڑھے مسلمان کی عزت کرتا ہے وہ اپنے دل میں اللہ کی عظمت و کبریائی پر پورا ایمان رکھتا ہے اگر اسلامی معاشرے میں بزرگوں کی عزت کا خیال نہ رہے تو بے راہ روی پھیل جائے گی۔ بزرگوں کے احترام اور ان کے تجرباتِ زندگی سے فائدہ اٹھانے کا جذبہ ختم ہو جائے گا بزرگ جوانوں سے تجربے علم اور عمر میں فائق ہوتے ہیں۔ اور نیک ہونے کی صورت میں اعمال کے لحاظ سے بھی وہ جوانوں سے آگے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا اونچا مقام ہے۔ اس لئے بزرگ مسلمان کی توقیر اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اعتراف ہے۔

رحمت اللعلمین ﷺ نے ہمیں رحم کرنا سکھایا ہے اور ارشاد ہے۔

مَنْ لَاْ یَرْحَمْ لَاْیُرْحَمْ (بخاری)

"جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔"

سختیاں ہر انسان پر آسکتی ہیں۔ اگر ایک آدمی کسی مجبور اور بے بس پر رحم نہیں کرتا تو کل وہ بھی مجبور اور بے کس ہو سکتا ہے۔ جو شخص رحم نہ کرے وہ متکبر ہوتا ہے اور متکبر کی سزا انتہائی بری ہے۔ اس کے دل میں ایمان نہیں ہوتا۔ ایمان کی حلاوت رحم سے ہے۔ تکبر سے نہیں جہاں تکبر ہو گا ایمان نہیں ہو گا۔ اسی لئے تو ہمیں نبی آخر الزمان ﷺ نے آگاہ فرمادیا۔ خبردار

لَایَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ کِبْرٍ۔ (مسلم شریف)

"وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہو گا۔"

کیونکہ تکبر حقارت سکھاتا ہے متکبر شخص دوسرے کو حقیر سمجھتا ہے اور اپنے کو بڑا۔ اس میں بھلا رحم والی صفت کہاں سے آئے گی؟ اس لئے ایمان کی علامت رحم و

Marfat.com

رم کا جذبہ ہے جو ایمان کی حلاوت ہے اور یہی جذبہ اکرام آدمیت کا سبق دیتا ہے اس لئے یاد رکھئے مسلمان تو وہی ہو گا جو اپنے سے چھوٹے پر رحم کرے گا اور بڑے کی عزت و توقیر کرے گا اپنا اپنا حساب لگاتے جایئے۔ ہمیں اپنے کردار کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی غلطی، راہ سے بے راہ کر دے۔ اور منزل تک نہ پہنچ سکیں۔ اے انسان ان اصولوں کو اپناتا جا اور اسلام میں پورے کا پورا داخل ہو کر منزل تک رسائی حاصل کر لے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

۲۴۔ جو علم دوست ہو جاہل نہ ہو

حق تعالیٰ نے فرمایا۔

"(اے رسول ﷺ) دعا کیجئے۔ کہ اے میرے رب! مجھے مزید علم عطا فرما۔" (طٰہٰ:۱۱۴)

"اے نبی ﷺ! ان سے پوچھو۔ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ نصیحت تو عقلمندی ہی قبول کرتے ہیں۔" (الزمر:۹)

"تم میں سے جو ایمان والے ہیں اور جنہیں علم عطا کیا گیا ہے اللہ انہیں بلند درجات عطا فرمائے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔" (المجادلہ:۱۱)

"یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں مگر ان کو اہل علم ہی سمجھتے ہیں۔"

(العنکبوت:۴۳)

"اللہ جسے چاہے حکمت (دانائی) عطا فرماتا ہے۔ اور جسے حکمت ملی اسے خیر کثیر مل گئی اور نصیحت تو عقل و دانش رکھنے والے ہی مانتے ہیں۔" (البقرہ:۲۶۹)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔" (ابن ماجہ)

"ماں کی گود سے قبر تک (ساری زندگی) علم حاصل کرو۔" (مشکوٰۃ)

Marfat.com

"جو شخص حصول علم کے لئے سفر کرے اللہ تعالیٰ اس کی بدولت اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دے گا اور جب لوگ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر (مسجد) میں جمع ہو کر قرآن کی تلاوت کریں اور ایک دوسرے کو اسکی تعلیم دیں ان پر تسکین اترے گی۔ اور اللہ کی رحمت ان کو ڈھانپ لے گی اور فرشتے ان کو گھیر لیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے قریبی فرشتوں میں ان کا ذکر کرے گا۔" (رواہ مسلم)

مسلمان علم دوست ہوتا ہے۔ جاہل نہیں ہوتا، علم ایک نور ہے اور اسے حاصل کرنے والا بھی اس کی روشنی سے منور ہوتا ہے جس سے جہالت کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔ انسان میں قوت ادراک اور فہم و بصیرت نمایاں ہو جاتی ہے۔ علم سے اللہ کی پہچان ہوتی ہے۔ علم رحمت ہے۔ عالم با عمل (ولی اللہ) کا قرب رحمت الٰہیہ کے حصول کا موجب بنتا ہے۔ علم سے عقل ملتی ہے اور یہی انسانیت کی سب سے بڑی خوبی اور صفت ہے۔ علم روشنی کا مینار ہے اور عقل انسان کی پیشانی پر چمکتا ہوا تارا۔ یہی صفت انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہے اس لئے جاہل اور بے وقوف انسان کو جانور سے تشبیہہ دی گئی ہے۔

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور (حکم) سن کر اس سے نہ پھرو اور ان جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے کہا ہم نے سنا اور وہ (درحقیقت) نہیں سنتے۔ بیشک سب جانوروں میں بدتر اللہ کے نزدیک وہ (حیوان نما انسان ہیں) جو بہرے گونگے ہیں جن کو عقل نہیں۔" (الانفال: ۲۰، ۲۲)

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو سب سے زیادہ علم عطا فرمایا پھر بھی ارشاد ہوتا ہے اے میرے پیارے نبی ﷺ دعا کیجئے۔

رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً۔ علم کی وسعت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا اور انسان کو تو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود علم کا شمار اور وسعت ممکن نہیں۔

Marfat.com

ابتدائی وحی میں سب سے پہلا لفظ اقرا ہے یعنی "پڑھ" اس لئے تعلیم و تدریس اسلامی تعلیمات کی بنیاد ہے۔ یہ قرآن بغیر علم کے تو نہیں سمجھا جا سکتا اور قرآن فہمی کے بغیر مسلمان کی نجات مشکل ہے اس لئے مسلمان کے لئے تو لازمی طور پر علم کا حصول بنیادی حیثیت رکھتا ہے اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمان مرد اور عورت دونوں کے لئے تحصیل علم کو فرض قرار دیا ہے اور اس کے حصول کے لئے موت تک کوشاں رہنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ خواہ اس کے لئے دور دراز کا سفر ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔"

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ عرب کے ہر قبیلے کا ایک گروہ نبی کریم ﷺ کے پاس آتا اور آپ ﷺ سے دینی مسائل دریافت کرتا اور دینی فہم و ادراک حاصل کرتا۔

حضرت ملکؓ بن حویرث نے مدینے میں آکر بیس روز قیام کیا اور ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کی۔ جب واپس جانے لگے تو حضور ﷺ نے فرمایا۔

"اپنے خاندان میں واپس جاؤ اور ان میں رہ کر دینی مسائل سکھاؤ اور جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا اسی طرح نماز پڑھو۔" (بخاری)

اسلام نے ہر اس علم کے حاصل کرنے کی اجازت دی ہے جس سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچے۔ جو علم انسانیت کی تباہی اور بربادی کا باعث بنے اس کا حصول جائز نہیں۔ آج دنیا میں وہی قومیں ترقی کر رہی ہیں جو حصولِ علم کے لئے کوشاں ہیں اور جنہوں نے جہدِ مسلسل اور غور و فکر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ علم دینی ہو یا دنیاوی دونوں کو حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ قرآن ایک ایسی جامع کتاب ہے جس میں تمام دینی و دنیاوی سائنسی طبی، معاشی، معاشرتی، عمرانی، تاریخی جغرافیائی، سیاسی ہر طرح کے علوم شامل ہیں۔ ہمارے پاس سب کچھ ہے لیکن سب کچھ ہوتے ہوئے بھی آج ہم تہی دامن ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ یہی توجہ طلب مسئلہ ہے۔

Marfat.com

حصول علم میں ایک بات کا خاص خیال رکھنا چاہیئے وہ یہ کہ دل میں خلوص نیت ہو اور اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ نافع علم کی دعا کرتے رہنا چاہیئے۔ علم وہی نافع ہوتا ہے جو انسان کو صراط مستقیم پر قائم رکھے ایسا علم جو گمراہی کی طرف راہنمائی کرے اس سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیئے -- یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے۔ کہ علم گمراہ بھی کرتا ہے قرآن علم کا خزینہ ہے لیکن ان علوم سے بہرہ مند تو صرف ایسے لوگ ہی ہوتے ہیں جو دل میں خوف الٰہی رکھتے ہیں خلوص نیت سے اس طرف رجوع کرتے ہیں۔ ویسے تو قرآن تمام مخلوقات کے لئے ہدایت ہے لیکن اس سے ہدایت تو صرف متقین ہی حاصل کرتے ہیں جن کی نیتوں میں خلوص ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے "اس قرآن میں دو طرح کی آیات ہیں) محکمات جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات۔ جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا (بخلاف اس کے) جو لوگ علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں ہمارا ان پر ایمان ہے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور سچ یہ ہے کہ کسی چیز سے صحیح سبق صرف عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں (وہ اللہ سے دعا کرتے رہتے ہیں) اے ہمارے رب جب تُو ہمیں سیدھے رستے پر لگا چکا ہے تو پھر کہیں ہمارے دلوں میں کجی (ٹیڑھ پن) پیدا نہ کر دینا۔ ہمیں اپنے خزانہ فیض سے رحمت عطا کر کہ تو ہی فیاضِ حقیقی ہے۔" آل عمران: ۷۔۸)

اس لئے علم کی تحصیل میں خلوص نیت نہایت ضروری ہے۔ ورنہ انسان بہک سکتا ہے اور ساتھ ساتھ نافع علم کے لئے دعا کرنا بھی اہل علم کا شیوہ ہے۔ تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ انسان ملک و قوم کے لئے مفید ثابت ہو جاہل اور کم علم انسان اسلامی معاشرے پر ایک بوجھ ہوتا ہے۔ تعلیم آداب زندگی سکھاتی ہے جو تعلیم اخلاقی اقدار کو نہ

Marfat.com

سنوارے اور سیرت کو نہ نکھارے وہ تعلیم نہیں جہالت ہے۔ اگر ایک طالب علم ملک کی اعلیٰ درس گاہ میں علم حاصل کر رہا ہے۔ لیکن وہ آدابِ زیست سے ناواقف ہے یا وہ علم اس کی سیرت کو نہیں سنوارتا تو اس طالب علم اور جاہل آدمی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا علم نافع نہیں ہے نہ اپنی ذات کیلئے نہ معاشرے کیلئے وہ علم جو اعمال پر مثبت انداز میں اثر انداز نہ ہو مہلک ہے۔ جس کے پاس کسی چیز کا بھی علم ہو اسے چاہئے کہ اسے دوسرے تک پہنچائے۔ تاکہ عوام اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

حضور علیہ کا ارشاد ہے۔

انما بعثت معلماً

"مجھے تو معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہے۔" (ابن ماجہ)

اس بات کی تصدیق قرآن کرتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔

"وہ اللہ ہی کی ذات ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول علیہ بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔" (الجمعہ: ۲)

اسلام کی سب سے پہلی درسگاہ مسجد نبوی، سب سے پہلے معلم نبی کریم علیہ سب سے پہلے شاگرد اصحابِ رسول رضوان اللہ علیہم تھے۔ دین کا علم حاصل کر کے صحابہ کرام دنیا کے دور دراز ممالک میں پھیل گئے۔ پھر یہ علم ان کے شاگردوں نے دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچایا۔ پھر اسی علم سے غور و فکر اور تحقیق مسلسل کے بعد آج کل کے جدید علوم سے دنیا بہرہ ور ہوئی۔ جس قوم نے بھی قرآن حکیم کے اس علم سے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کی اسے وہی کچھ مل گیا اگر درس و تدریس کا یہ سلسلہ جاری نہ رہتا تو

Marfat.com

دنیا جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں بھٹکتی رہتی۔ نبی رحمت ﷺ کا طریقہ درس و تدریس ہی ہے اور جو شخص اس طریقہ پر چلے گا وہی مسلمان کی صفات اپنے اندر پائے گا اور مسلمان کے لئے حکم بھی یہی ہے کہ "پنگوڑے سے لے کر لحد تک علم حاصل کرو۔" زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہ گزر جائے جو حصولِ علم سے خالی ہو اور علم کا منبع اور سر چشمہ قرآن حکیم ہے۔ اس سر چشمہ سے دنیا کے تمام علوم کی نہریں جاری ہوتی ہیں اس سر چشمہ سے سیراب ہونے والے لوگ ہر قسم کے علوم میں دسترس حاصل کر سکتے ہیں اور ان کا حاصل کیا ہوا علم خواہ سائنسی ہو یا غیر سائنسی وہ نافع ہوتا ہے۔ اپنے لئے بھی اور بنی نوع انسان کے لئے بھی۔ اگر آج سائنس کی یہ ترقی مسلمانوں کے ہاتھوں ہوتی تو مثبت ہوتی بنی نوع انسان کو ہلاک کرنے کے سامان نہ بنتے اور ایٹمی ٹیکنالوجی کی حامل سپر طاقتیں ایک منٹ میں ساری دنیا کو نیست و نابود کر دینے کا دعویٰ نہ کرتیں انہوں نے یہ سب کچھ قرآن سے لیا۔ لیکن قرآن کی تعلیمات کو تسلیم نہیں کیا۔ اگر تسلیم کرتے تو مسلمان ہوتے۔ انہوں نے قرآن کو محض ایک کتاب سمجھا اور سائنسی علوم کے بنیادی اصول اس سے لے لئے۔ پھر ان پر تحقیقات کی جہد مسلسل سے آخر کار کامیابی حاصل کر لی۔ لیکن ان کی کوشش اور سعی ساری کی ساری مثبت نہ رہی۔ بلکہ اس کا نصف سے زیادہ حصہ منفی ہو گیا۔ ہر انسان کی کوشش اس کی نیت کی عکاسی کرتی ہے۔ اور اس کی کوشش کا رخ اسی طرف مڑتا ہے جس طرف اس کی نیت ہوتی ہے اس کی نشاندہی بھی قرآن نے کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى

"بیشک تمہاری کوششیں مختلف قسم کی ہیں۔"

کفر و شرک اور الحاد جیسی بیماریوں میں مبتلا مریض سائنسدان جو اسلامی تعلیمات کو دل

Marfat.com

ت تسلیم نہیں کرتے ان سے ایسی امید کم ہی ہو سکتی ہے۔ کہ وہ بنی نوع انسان کی بہتری سوچیں۔ اگر انہوں نے کوئی بہتری سوچی ہے تو صرف اپنے لئے جس سے آج ہم بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ سائنس کی نت نئی نئی ایجادات جو ہمیں زندگی کی ہر آسائش بہم پہنچا رہی ہیں۔ یہ مسلمانوں کیلئے ایجاد نہیں کی جا رہی ہیں بلکہ انہیں اپنی قوم کا مفاد پیش نظر ہے۔ پھر مسلسل کامیابیوں نے ان کے اندر تحقیق و تجسس کا اتنا جذبہ پیدا کر دیا ہے کہ رات دن اپنی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن جہاں ان کے ہاتھوں بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے کچھ بنتا ہے اس سے بہت زیادہ انسان کی تباہی کا سامان بھی تیار ہو رہا ہے۔

اللہ کے ہاں کسی عمل کی مقبولیت کی سند اس کا ایمان ہے۔ ایمان کے بغیر کسی عمل (ایجاد) کا اجر اسے صرف دنیا میں ملے گا۔ اس کی شہرت ہو گی لیکن آخرت میں اسکا کوئی حصہ نہیں ہو گا۔ مثلاً سٹیفن سن نے ریل گاڑی ایجاد کی۔ جس سے سفر کرنا آسان ہو گیا، بنی نوع انسان کو سہولت ملی، لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ نیکی اتنی پسند آئے گی کہ وہ اسے اس نیکی کی بدولت بخش دے گا تو یہ خیال باطل ہے۔ یا غیر مسلم سائنسدانوں نے مہلک بیماریوں سے صحت یابی کے لئے جو ادویات تیار کی ہیں اور ان کے استعمال سے لاکھوں انسان بچ گئے ہیں یہ بظاہر کتنی بڑی نیکی ہے لیکن اس کا اجر انہیں دنیا میں مل رہا ہے۔ صرف ان کی شہرت کی صورت میں آخرت کی کامیاب ابدی زندگی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ وہاں شرط ایمان کی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (سورہ النحل: ۹۷)

Marfat.com

"جو شخص نیک عمل کرے (اپنے لئے یا بنی نوع انسان کے لئے)
خواہ وہ مرد ہو یا عورت (لیکن شرط یہ ہے) کہ وہ مومن ہو اسے
ہم اچھی زندگی دیں گے اور انہیں ضرور اس کا بدلہ دیں گے جو
ان کے عمل سے بہتر ہوگا۔"

یہ آیت اس بات کی پوری پوری وضاحت کرتی ہے کہ آخرت میں اجر و ثواب صرف مومن ہونے کی صورت میں ہے۔ خدمت خلق سے بڑھ کر اور کونسی نیکی ہو سکتی ہے لیکن اس نیکی کے مقبول ہونے میں بھی شرط ایمان کی ہے۔

کاش ہم قرآن پہ غور و فکر کرتے۔ سائنسی علوم میں مکمل دسترس حاصل کرتے اور آج بنی نوع انسان کی ان غیر مسلم سائنسدانوں سے بہتر خدمت کرتے لیکن ہمیں تو وقت ہی نہیں ہے کہ ہم قرآن سمجھیں۔ اس کی آیات پر غور کریں کیا ہمارے دلوں پر واقعی تالے پڑ چکے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ حکومت اور سلطنت سے اسی قوم کو نوازا ہے جو علم و عمل میں دوسری اقوام کے مقابلے میں بہتر تھی۔ ذرا تاریخ عالم پر نظر ڈالیں تو یہی اصول کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ اہل یونان جب علمی لحاظ سے بہت آگے تھے تو سکندر اعظم مشرق و مغرب میں دنیا کو تاراج کرتا نظر آتا ہے۔ مسلمانوں نے جب قرآن و سنت پر عمل پیرا ہو کر علمی میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور مدینہ سے نکل کر مصر، بغداد اور قرطبہ میں صدہا درسگاہیں اور یونیورسٹیاں قائم کیں تو کوئی قوم ان کا مقابلہ نہ کر سکی۔ قیصر و کسریٰ ان کے دبدبے سے کانپتے تھے۔ بحر ظلمات میں ان کے گھوڑے دوڑتے تھے۔ افریقہ کے جنگلات ان کے نعرہ ہائے تکبیر سے تھرا اٹھتے تھے۔ ان کے مجاہدین کے گھوڑوں کے سموں تلے اندلس کی وادیاں تھیں۔ اس وقت اہل یورپ اپنی

Marfat.com

جہالت کی تاریکیوں میں ٹکریں مار رہے تھے۔ اندلس میں علم کے چراغ روشن دیکھتے تو ادھر کا رخ کرتے۔ اندھی آنکھوں کو بینا کرتے۔ لیکن یہ اہل یورپ ایسے سیانے نکلے کہ علم کی جو روشنی اپنے ساتھ لے جاتے اس سے چراغ پر چراغ جلاتے جاتے۔ ادھر اہل اسلام نے جب ملک پر ملک فتح کیے تو علم و عمل کو چھوڑ کر عیش و طرب میں پڑ گئے۔ تحقیق کا مادہ ختم ہوا تو اندھی تقلید شروع ہو گئی۔ غور و فکر اور جہد مسلسل کے فقدان نے انہیں بے عمل کر دیا۔ علماء سوء اور گمراہ آئمہ دین کے ٹھیکیدار بن گئے۔ اختلافات رونما ہوئے تو انہوں نے ایک دوسرے کے گریبان پکڑ لیے غیر مسلم وحشی تاتاری حملہ آور ہوئے اور مسلمانوں کی مرکزیت ختم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام پر ان قوموں کو حاکم بنا دیا جو علم و عمل میں فائق تھیں۔ انگریز، فرانسیسی اور پرتگالی اقوام ان پر مسلط ہو گئیں اور مسلمان ان کے غلام بن کر رہ گئے علم و عمل سے روگردانی کا یہ نتیجہ نکلا کہ اہل یورپ نے مسلمانوں کی جگہ لے لی اور علمی دنیا میں حیران کن ترقی کر کے صرف علم کی بدولت ساری دنیا پر چھا گئے۔ آج وہ علم کی وجہ ہی سے کائنات کو مسخر کرنے کے لئے تگ و دو میں مصروف ہیں اور ہم چھوٹی سے چھوٹی ٹیکنالوجی کے لئے بھی ان کے محتاج ہیں۔ جو قوم بھی محنت اور جہد مسلسل کو اپنا شعار بنا لیتی ہے اور علم حاصل کر کے اس پر تحقیق کرتی ہے اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق وہ ضرور ابھرتی ہے اور اپنی علمی برتری کی وجہ سے دوسری اقوام پر حکومت کرتی ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی قید نہیں ہے۔ آیئے آج ہم عہد کریں کہ ہم اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کریں گے۔ علمی اور عملی میدانوں میں آگے بڑھیں گے۔ ورنہ ترقی یافتہ اقوام کی غلامی سے نجات حاصل کرنا مشکل ہو جائے گا اور ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ انہی کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔

Marfat.com

معلم کتاب و حکمت کا ارشاد گرامی ہے

"علم حاصل کرو۔ اللہ کے لئے علم حاصل کرنا نیکی ہے۔ علم کی طلب عبادت ہے اس میں مصروف رہنا تسبیح اور غور و فکر اور تحقیق کرنا جہاد ہے۔ علم سکھاؤ۔ تو صدقہ ہے۔ علم تنہائی کا ساتھی، فراخی اور تنگدستی میں رہنما غم خوار دوست اور بہترین ہم نشین ہے۔ علم جنت کا راستہ بتاتا ہے اللہ تعالیٰ علم ہی کے ذریعے اقوام کو سر بلندی عطا فرماتا ہے لوگ علماء حق کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ دنیا کی ہر چیز ان کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہے۔ کیونکہ علم قلوب کی زندگی ہے اور اندھوں کے لئے بینائی، علم جسم کی توانائی اور قوت ہے۔ علم کی بدولت انسان فرشتوں کے اعلیٰ درجات تک پہنچتا ہے۔ علم میں غور و خوض کرنا روزہ رکھنے کے برابر ہے۔ اور اس میں مشغول رہنا نماز کے برابر ہے۔ علم ہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی صحیح اطاعت اور عبادت کی جاتی ہے۔ انسان علم سے معرفت الٰہی حاصل کر سکتا ہے اس کی بدولت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرتا ہے، علم ایک پیش رو اور رہبر ہے اور عمل اس کا تابع، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو علم حاصل کرتے ہیں اور بد نصیب ہیں وہ جو اس سعادت سے محروم رہتے ہیں۔"

یہ ہیں حکمت کی وہ باتیں جو معلم انسانیت حضور ﷺ نے حصول علم کے بارے میں ارشاد فرمائی ہیں۔ زندگی کے اس انوکھے سفر میں باعثِ تقویت اور باعثِ ہدایت و راہنمائی ہیں۔ حصولِ منزل کے لئے یہ راہ کی آسانیاں پیدا کرتی ہیں۔

۲۵۔ جو محنتی ہو کاہل نہ ہو

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں محنت کرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔" (المائدہ: ۳۵)

"جو لوگ ہماری خاطر جدوجہد کریں گے انہیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے اور یقیناً اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔(العنکبوت:۶۹)

''جو شخص بھی مجاہدہ (جہدِ مسلسل) کرے گا وہ اپنے ہی بھلے کے لئے کرے گا یقیناً اللہ تعالیٰ دنیا جہان والوں سے بے نیاز ہے۔''(العنکبوت:۶)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

الْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ

''محنت و مشقت سے کمانے والا اللہ کا حبیب ہوتا ہے۔''

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکَسَلِ وَالْھَرَمِ

''اے میرے اللہ! میں سستی اور کاہلی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

حضرت فضالہ بن عبید کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں زیادہ آرام طلبی سے منع فرمایا کرتے تھے اور ہمیں حکم دیتے تھے کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں بھی چلا کرو۔''

(رواہ ابو داؤد)

جدوجہد محنت اور مستعدی مسلمان کی خصوصیات میں سے ہیں۔ اسلام میں سب سے ناپسندیدہ انسان وہ ہے جو کاہل اور سست ہے کیونکہ کاہلی اور سستی دکھانا منافقین کا طریقہ ہے اور یہ ناپسندیدہ عمل کمزور ایمان کی نشاندہی کرتا ہے ایسے انسان کے دل میں خوف الٰہی نہیں ہوتا۔ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنے والے اللہ کے دوست نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ایمان لانے کے بعد اللہ کا خوف دل میں رکھتے ہوئے اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ اور کوئی واسطہ ذریعہ یا وسیلہ بیٹھے بٹھائے نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلنا پڑتا ہے اور جو کوئی بھی اللہ کی راہ میں جدوجہد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے آسانیاں پیدا کر دیتا ہے۔ اسے سلامتی اور کامیابی کی نئی نئی راہیں دکھاتا ہے۔ جہدِ مسلسل ہی تو مسلمانوں کی اعلیٰ صفات میں سے ابتدائی صفت ہے۔ اسی سے مسلمان اس مقصد کو حاصل کرتا ہے جس مقصد کے لیے اس کی تخلیق کی گئی ہے۔ کاہل

Marfat.com

اور ست انسان اپنے تخلیقی مقصد کو فراموش کر دیتا ہے اور اس مقصد کو فراموش کر دینا ہی ہلاکت ہے۔یاد رکھیے مسلمان کا انجام ہلاکت تو نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو کامیاب و بامراد ہوتا ہے۔اس کا انجام بخیر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی جدوجہد قابل قبول ہے جو اس کی اطاعت میں ہو اس کی اطاعت سے باہر ہو کر جو بھی کوشش یا مجاہدہ کیا جائے گا۔اس میں کامیابی تو ممکن ہے۔ لیکن قبولیت کا امکان ہر گز نہیں ہو گا۔ انسان کو وہی کچھ ملے گا جس کی کوشش کرے گا۔(قرآن مجید)۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے لفظ "انسان" استعمال کیا ہے۔ مومن یا مسلمان کا لفظ استعمال نہیں کیا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان خواہ کافر ہو یا مسلمان دونوں کو وہی کچھ ملے گا۔ جس کی وہ کوشش کریں گے۔ کفار و مشرکین کی کوششیں آپ کے سامنے ہیں ان کی کامیابیاں بھی آپ کے سامنے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر دنیا حیرت میں پڑی ہوئی ہے۔ یہ انسان کی کوشش ہے یہاں کفر و اسلام کا کوئی واسطہ تعلق نہیں ہے۔ لیکن کفار کی یہ کوششیں قابل قبول نہیں ہیں۔اللہ کے ہاں ان کا کوئی اجر نہیں ہے، کیونکہ اس کی اطاعت سے باہر ہو کر کی گئی ہیں--- لہٰذا وہی جہاد قابل قبول ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رہ کر کیا جائے۔اسی لئے فرمایا۔

"جو لوگ ہماری خاطر جدوجہد کریں گے ہم انہیں اپنے راستے دکھائیں گے۔"

(العنکبوت:٦٩)

وہی راستے جو ابدی زندگی کی کامیابی کی خاطر راہنمائی کرتے ہیں۔ سلامتی کے راستے یہاں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے وہ اس لئے کہ جدوجہد کسی ایک شعبے میں نہیں ہوتی زندگی کے ہر شعبے میں ہوتی ہے۔"اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رزق حلال کمانے میں کوشاں ہے تو یہ زندگی کے ایک شعبے میں جدوجہد ہو گی۔ اگر کوئی ملک و قوم کی بہتری کے لئے دن رات کام کرتا ہے تو یہ الگ شعبہ ہو گا۔اسی طرح کوئی علم کے

Marfat.com

حصول کے لئے کوشاں ہے کوئی اللہ کی راہ میں دین کو قائم کرنے میں تگ و دو کر رہا ہے۔ کوئی بنی نوع انسان کی سلامتی اور بہتری کے لئے جہد مسلسل میں لگا ہوا ہے۔ کوئی جہاد بالنفس اور کوئی جہاد بالمال کرتا ہے۔ ڈاکٹر بیمار کی صحت کے لئے کوشاں ہے۔ استاد طلباء کی اصلاح کے لئے رات دن مصروف کار ہے۔ مسلمان سائنسدان اللہ تعالیٰ کی کائنات میں غور و فکر کر کے ایسی ایجادات بنا رہا ہے۔ جو بنی نوع انسان کی فلاح کے لئے ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔ مسلمان ماہرین طبقات الارض زمین کو کرید کرید کر معدنیات کا پتہ لگا رہے ہیں۔ مسلمان کاریگر ہتھیار اور اوزار بنا رہے ہیں۔ جن سے نظام دین کے قیام میں مدد مل سکے اور کفار کے حملوں سے اپنے دین اور ملک و قوم کو محفوظ رکھا جا سکے۔ ہنر مند مسلمان مشینیں چلا رہے ہیں۔ کارخانوں میں کام کر رہے ہیں کہیں اشیاء صرف بن رہی ہیں کہیں مفید کتابیں چھپ رہی۔ یہ سب کچھ کیا ہے۔ مجاہدہ ہے اللہ کی راہ میں کوشش ہے اور یہی مسلمان کی شان ہے۔ جس کے لئے فرمایا گیا۔

"اے ایمان والو اللہ (کی ناراضی) سے ڈرو۔ اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں محنت کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ (المائدہ:۳۵)

وسیلہ کیا ہے؟

ایسا ذریعہ جس سے منزل کی طرف راہنمائی حاصل کی جا سکے مسلمان کی منزل کیا ہے؟ --- معرفت الٰہی۔ یہاں وسیلہ سے مراد شخصی وسیلہ یعنی مرشد کامل کی ذات بھی ہے۔ جو مسلمان کو اس کی منزل تک راہنمائی کرتی ہے اس کا دوسرا معنی اطاعت الٰہی میں رہ کر دنیا میں جدو جہد کو آگے بڑھانے کا ذریعہ بھی ہے۔ وہی مجاہدہ قابل قبول ہے جو اطاعت الٰہیہ میں رہ کر کیا جائے۔ اطاعت سے باہر ہو کر جو کوشش کی جائے گی اس میں کامیابی تو ممکن ہے۔ لیکن قبولیت کا ہرگز کوئی امکان نہیں۔ جب قبولیت نہ

Marfat.com

ہو گی تو فلاح بھی نہیں ملے گی۔ اللہ کی اطاعت کیا ہے وحی الٰہیہ کی پیروی۔ وحی الٰہیہ کیا کہتی ہے؟ --- رسول کی اطاعت کرو کیوں ---؟ اس لئے کہ جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی --- (النساء:۸۰)

رسول ﷺ کی اطاعت کیا ہے ---؟

رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر:۷)

"اور رسول ﷺ جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں رک جاؤ۔"

رسول ﷺ کی اطاعت کے بغیر اللہ کی اطاعت ممکن نہیں۔ رسالت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے احکامات عملی طور پر نافذ ہوں۔ اللہ کا وجود ہمارے سامنے عیاں نہیں رسول ﷺ کا وجود ہمارے سامنے موجود ہے اللہ تعالیٰ کے لامحدود وجود کا انسانی آنکھ احاطہ نہیں کر سکتی۔ لیکن رسول ﷺ کے ظاہری وجود کو انسانی آنکھ دیکھ سکتی ہے، رسول ﷺ کے وجود مسعود کو انسانی صورت میں ڈھالا ہی اس لئے گیا ہے کہ اس وجود کو دیکھ کر نمونے کے طور پر اس کی سیرت اور اسوۂ حسنہ کو اپنایا جائے سب سے پہلے وحی الٰہی کا اطلاق رسول ﷺ کے وجود پر ہوتا ہے، پھر یہ وجود مسعود اطاعت الٰہیہ کا مظہر بنتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ـــــ "میں ہی سب سے پہلے سر تسلیم خم کرنے والا ہوں۔"

اس کے بعد رسول ﷺ کے وجود سے جو احکامات صادر ہوتے ہیں وہی امت کے لئے قابل اطاعت ہوتے ہیں۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۞ (النجم)

Marfat.com

اس وجود سے جو بات بھی نکلتی ہے وہ تو صرف وحی الٰہی ہوتی ہے کیونکہ اس وجود کی مرضی تو اللہ کی رضا میں گم ہو چکی ہے۔ اس لئے کہ سب سے پہلے سر تسلیم خم کرنے والے تو وہی ہیں۔ پس رسول ﷺ کا وجود سراپائے اطاعت و اتباع اور منبع رشد و ہدایت بن جاتا ہے۔ یہ بات مصدقہ ہے کہ رسول ﷺ کی اتباع کے بغیر اطاعت الٰہی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی ایسی اطاعت قابل قبول ہے اور نہ ایسی اطاعت میں کی ہوئی جدوجہد قابل قبول ہو گی۔ پس وسیلہ سے مراد حضور نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات بھی ہے۔ اور یہ سب سے پہلا وسیلہ ہے باقی تمام وسیلے اس کے تابع ہیں۔ اگر مرشد کا وسیلہ ہے تو وہ بھی حضور ﷺ کی اتباع میں وسیلہ ہے ورنہ بے فیض ہے۔

"اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو" پہلے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ سنت پر عمل کرو جس کام کا حکم نبی کریم ﷺ نے دیا ہے اسی میں جدوجہد کرو اور جس کام سے منع کیا اس میں ہرگز ہرگز کوشش نہ کرو۔ دعا میں بھی ہمارے وسیلہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور عمل میں بھی ہماری کوشش میں راہنمائی صرف اسوہ رسول سے مل سکتی ہے۔ اور کسی کی زندگی میں ہمارے لئے نمونہ موجود نہیں اس لئے ہم پر کسی اور کی پیروی بھی واجب نہیں۔ مرشد یا اولی الامر کی پیروی بھی دراصل رسول ﷺ کی پیروی کے تابع ہے۔ کیونکہ یہ دونوں سنت سے باہر نہیں جاتے۔

ہم جب بھی کسی کام میں جدوجہد کرنے کا ارادہ کریں گے تو سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کی سنت کو دیکھیں گے اگر اس کے مطابق ہو گا تو کوشش کریں گے اگر مطابقت نہ ہو گی تو اس جدوجہد کو ترک کر دیں گے کیونکہ وہ ایک ایسی جدوجہد ہو گی جو قابل قبول نہ ہو گی۔ اس لئے فرمایا۔ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

Marfat.com

"اے ایمان والو! (اپنی کوشش شروع کرنے سے پہلے) اس (اللہ) کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔" یہ دیکھ لو کہ میری یہ سعی سنت کے مطابق ہے کہ نہیں۔ اگر ہے تو کوشش کرو مجاہدہ کرو جہد مسلسل کرو۔ فلاح پاؤ گے۔ اس دنیا میں بھی اور اگلے جہان میں بھی۔ اور تمہاری یہ سعی رائیگاں نہیں جائے گی، بے اثر نہیں رہے گی۔ ضرر رساں نہیں ہو گی۔ بنی نوعِ انسان کی ہلاکت و تباہی کا موجب نہیں بنے گی بلکہ انسانی بھلائی اور بہتری کا باعث بنے گی۔ ایسی کوشش سے تمہیں جو پھل ملے گا وہ بے مثال ہو گا اللہ کے ہاں اعلیٰ درجات ہوں گے۔ تمہاری خطائیں معاف ہوں گی۔ تم نعیم ابدی کے ایسے باغات میں داخل کئے جاؤ گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ رہائش کے لئے نفیس اور عمدہ مکانات ہوں گے۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہو گی۔

اس لئے اس کی راہ میں جب بھی کوشش کرو پہلے نبی کریم ﷺ کا وسیلہ حاصل کرو اطاعت رسول ﷺ کے ذریعے جہد مسلسل کرو گے تو کبھی بے مراد نہ رہو گے۔ رسول ﷺ ہی امت کے لئے واحد وسیلہ ہے یہی وہ ذات مقدس ہے جس کے طفیل ہمیں ایمان جیسی دولت ملی اور دنیا جہاں کی نعمتیں ملیں۔

--- ہم مسلمان بنے۔ دنیا سنوری آخرت سنوری ہم جہنم سے بچ گئے عذاب الیم سے بچ گئے۔ وہ محسنِ انسانیت آئے تو انسانیت کو سکون ملا۔ وہ رحمت للعلمین ﷺ ہیں اور پیکر جود و سخا ہیں۔ اللہ کی طرف لے جانے کا حقیقی ذریعہ۔ واحد وسیلہ صرف اور صرف نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات ہے کہ اس راہ کے راہی کے لئے یہی "زادِ راہ" ہے---

آج ہم نے اس وسیلہ کو چھوڑ دیا ہے۔ ہم دوسرے وسائل کے پیچھے بھاگ رہے ہیں یہی بات ہماری ناکامیوں اور تباہیوں کا سبب بن رہی ہے۔ کاش! ہم اللہ کی طرف جانے کا صرف ایک وسیلہ پکڑ لیں۔ واحد وسیلہ رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کا وسیلہ اے

Marfat.com

کاش!! مرشد کا وسیلہ اس حقیقت کا مجاز ہے۔ جو سنت کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ سورۃ المائدہ میں یہ جو فرمایا کہ۔ "اس کی راہ میں محنت کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔" اس سے مراد یہی ہے کہ اللہ کی رضا کے لئے ہم جو بھی کام کریں گے وہ عبادت ہوگی۔ اسی میں فلاح ہوگی مثلاً ایک مسلمان اللہ کی رضا کے لئے محنت مزدوری کر کے رزق حلال کماتا ہے تو یہ رزق کمانا بھی اس کے لئے عبادت میں لکھا جائے گا۔ اس لئے زندگی کے تمام شعبوں میں جدوجہد کرنے کا حکم ملا ہے۔ مسلمان محنتی ہوتا ہے۔ کاہل نہیں ہوتا کیونکہ کاہلی اور سستی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو بالکل پسند نہیں۔

۲۶۔ جو ریاکار نہ ہو

اللہ کا فرمان ہے۔

"(اور ہلاکت و بربادی ہے) ان لوگوں کے لئے جو (ہر کام میں) ریاکاری سے کام لیتے ہیں۔ (الماعون:٦)

"بیشک منافقین (بظاہر) اللہ تعالیٰ کو دھوکا دیتے ہیں اور وہی انہیں (ان کی منافقت کی وجہ سے) غافل کر کے رہے گا۔ اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو (بادل نخواستہ) سستی سے کھڑے ہوتے ہیں اور لوگوں کو دکھلاتے ہیں اور اللہ کی یاد بہت تھوڑی کرتے ہیں، تذبذب میں ہیں نہ ادھر کے نہ ادھر کے اور جسے اللہ (ان کے کرتوتوں کی بنا پر) گمراہ کرے تو اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا۔" (النساء:١٤٢۔١٤٣)

"اور جو لوگ اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور (درحقیقت) وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور جس کا مصاحب شیطان ہوا (وہ تو بھٹک چکا کیونکہ شیطان تو) بہت برا مصاحب ہے۔" (النساء:٦)

نبی رحمت ﷺ نے فرمایا۔

Marfat.com

مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ شرک اصغر کا ہے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ۔ شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ "ریا" (مسند احمد)

جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا۔ جس نے دکھاوے کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا۔ جس نے دکھاوے کے لئے صدقہ خیرات کیا۔ اس نے شرک کیا۔" (مسند احمد)

ہادی برحق علیہ ﷺ نے ریا کو شرک اصغر فرمایا ہے نیکی کا کوئی کام جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی بجائے کسی دوسرے کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ریا کہلاتا ہے۔ چونکہ مومن کا ہر وہ عمل جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہوتا ہے۔ عبادت کہلاتا ہے اس عبادت میں جب خلوص نہ رہے تو عبادت قبول نہیں ہوتی اس لئے ریا شرک میں سے ہے اس میں شرک کی کثافت شامل ہو جاتی ہے۔ اس لئے ریاکاری مسلمان کے لئے مہلک ثابت ہوتی ہے۔

ریاکاری منافقین کا طریقہ ہے۔ منافق جب بھی کوئی نیکی کرے گا دل سے نہیں کرے گا۔ بادل نخواستہ کرے گا مجبور ہو کر اور پھر لوگوں کو دکھاتا پھرے گا۔ لوگوں میں اس کا تذکرہ کرے گا یہی عادت کئی "مسلمانوں" میں بھی نظر آتی ہے۔ وہ باتوں میں اپنے نیک اعمال کا تذکرہ کرتے ہیں نیت یہ ہوتی ہے کہ لوگ انہیں متقی خیال کریں۔ بعض لوگ جب نماز ادا کر رہے ہوتے ہیں تو کسی کے آنے پر اپنی نماز کی ادائیگی سنوارنے لگتے ہیں۔ لمبے سجدے، ٹھیک ٹھاک قیام، پروقار رکوع لیکن اکیلے میں وہ بے ترتیبی سے جلدی جلدی نماز ادا کرتے ہیں ایسی حرکت بھی ریا ہے۔ تعمیر مسجد یا کسی کے لئے کوئی رقم بھیجیں تو مسجد میں اعلان ضرور کرواتے ہیں۔ اگر اعلان نہ کیا جائے تو دل میں خیال کرتے ہیں کہ اعلان ضرور ہونا چاہئے تھا۔ ایسی باتیں بظاہر معمولی لگتی ہیں لیکن نیکی کو ضائع کر دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتیں یہی حال ہر نیک

Marfat.com

کام کا ہے۔ عبادت میں خلوص نہایت ضروری چیز ہے کیونکہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ اس لئے بربادی ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو نیکی کے کاموں میں دکھاوا کرتے ہیں اس سے ایک سچے مسلمان کو ضرور بچنا چاہئے۔ ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن اعمال نامے میں کوئی نیکی نہ ہو اور گمان یہ ہو کہ دنیا میں ہزاروں نیکیاں کر رکھی ہیں لیکن ہر نیکی دکھاوے کی نذر ہو چکی ہو۔ لہٰذا مسلمان ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ وہ ریاکاری سے مکمل اجتناب کرتا ہے خیرات اس لئے کرنا کہ لوگ سخی کہیں۔ حج اس لئے کرنا کہ لوگ "حاجی صاحب" کہیں۔ یہی ریا اور دکھاوا ہے جس سے ہمیں بچنا چاہئے۔

۲۷۔ جو صابر و شاکر ہو

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اے ایمان والو! صبر کرو۔ صبر کی تلقین کرو اور مل جل کر ربط و ضبط سے کام لو اور اللہ سے ڈرو۔ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔" (آل عمران:۲۰۰)

"اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ساتھ (اللہ سے) مدد مانگو۔ بیشک اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہے۔" (البقرہ:۱۵۳)

"اور البتہ ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے۔ کچھ ڈر اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور ثمرات کے نقصان سے اور (اے نبی ﷺ) صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیں، وہ لوگ کہ جب انہیں کچھ مصیبت پہنچے تو کہیں ہم تو اللہ کے لئے ہیں اور ہم اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ایسے ہی لوگوں پر اپنے رب کی عنایتیں اور رحمتیں ہیں اور وہی سیدھی راہ پر ہیں۔" (البقرہ:۱۵۴۔۱۵۵)

"(اے نبی ﷺ) نیکی اور بدی برابر نہیں ہے۔ آپ بدی کو نیکی سے دور کریں۔ پھر

Marfat.com

دیکھئے جس کے ساتھ آپ کی عداوت تھی وہ گہرا دوست بن گیا ہے۔ یہ صفت تو صابرین ہی کو نصیب ہوتی ہے اور یہ مقام تو بڑے نصیب والے کو حاصل ہوتا ہے۔"

(حٰم السجدہ ۳۴،۳۵)

"اگر تم نے شکر ادا کیا تو ہم تمہیں اور دیں گے اور اگر ناشکری کی تو بے شک میرا عذاب بڑا سخت ہے۔ (ابراہیم:۷)

"ہم نے اس (انسان) کو راستہ دکھادیا ہے خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔"

(الدھر ۳)

محسن انسانیت ﷺ نے فرمایا۔

"جو شخص صبر کرنے کی کوشش کرے گا اللہ اسے صبر بخشے گا اور صبر سے زیادہ بہتر اور بہت سی بھلائیوں کو سمیٹنے والی بخشش اور کوئی نہیں۔" (بخاری و مسلم)

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ

"جو شخص (مصیبت کے وقت) اپنے چہرے کو پیٹے، گریبان چاک کرے اور جاہلیت کی سی آواز بلند کرے (بین اور واویلا کرے) وہ ہم میں سے نہیں۔"

(بخاری ج ۱)

"اللہ اپنے اس بندے سے راضی ہوتا ہے جو صبح و شام کھانا تناول کرکے اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔" (صحیح مسلم)

"اے عمر رضی اللہ عنہ! شکر کرنے والا دل، ذکر کرنے والی زبان اور مومنہ عورت کو جمع کرنے کی کوشش کرو۔" (الحدیث)

مسلمان صابر ہوتا ہے۔ وہ مشکلات سے گھبراتا نہیں مصیبت کے وقت بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ زمانہ جاہلیت والی رسموں سے کنارہ کش رہتا ہے۔ بال نہیں نوچتا۔ گریبان پھاڑ کر واویلا نہیں کرتا۔ اس سے ایسی حالت سرزد نہیں ہوتی جس سے اس کی صابرانہ طبیعت میں تبدیلی پیدا ہو۔ کیونکہ اس کے سامنے قرآنی احکامات ہوتے

Marfat.com

ہیں۔ محسن انسانیت کا اسوہ حسنہ ہوتا ہے۔ وہ صابر و شاکر نبی کا امتی ہوتا ہے۔ وہ نبی کریم ﷺ جو ۲۳ سال تک طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ کمال صبر و استقلال سے کرتے رہے جنہوں نے طائف میں پتھر کھا کر بھی دعائیں دیں سخت سے سخت وقت میں بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ مکہ میں تیرہ سال مسلسل کفار کی اذیتیں برداشت کرتے رہے۔ لیکن ایک دن بھی اللہ سے شکوہ نہ کیا۔ کفار کے حق میں کوئی بد دعا نہ کی۔ بلکہ فرمایا۔ اے اللہ انہیں ہدایت عطا فرما۔ یہ عقل نہیں رکھتے۔ بھلا ایسے صابر و شاکر نبی ﷺ کا امتی بے صبری کا مظاہرہ کر سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ کیونکہ وہ تو سنت پر چلنے کا عادی ہو چکا ہے۔ وہ اپنے وسیلے کو ہمیشہ تھامے رکھتا ہے۔ اطاعت رسول اور اتباع نبی ﷺ اس کے سراپے میں رچ بس گئی ہے۔

صابر و شاکر نبی رحمت ﷺ کے امتی شروع ہی سے صبر جیسی صفت سے متصف رہتے ہیں۔ صحابہ کرام کی پاکیزہ زندگیاں ہمارے سامنے ہیں ان پر اذیتوں کے پہاڑ توڑے گئے۔ انہیں نیزوں سے چھلنی کیا گیا۔ تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر بھاری پتھر رکھے گئے۔ دہکتے کوئلوں کو ان کے جسم کے خون سے ٹھنڈا کیا گیا۔ انہیں مارا پیٹا گیا، قتل کیا گیا۔ پھانسی پر لٹکا دیا گیا بدر، احد، خندق اور حنین میں بڑے بڑے سخت وقت آئے۔ لیکن صابر و شاکر نفوس قدسیہ کے پائے استقلال میں ذرہ برابر بھی لغزش نہ آنے پائی۔ انہوں نے قوم موسیٰ کی طرح اپنے نبی ﷺ سے یہ نہ کہا کہ "جائیں آپ اور آپ کا اللہ ان سے لڑیں۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں۔" بلکہ عرض کیا۔ اے اللہ کے سچے رسول ﷺ! ہم آپ کے آگے سے پیچھے سے دائیں اور بائیں سے لڑیں گے۔ ہم ہر حالت میں آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔

ایسے ہی صبر کا مظاہرہ میدان کربلا میں ہوا۔ جہاں پیکر صبر و رضا نواسہ رسول سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام کنبے کو ایک ایک کر کے اپنے سامنے شہید

Marfat.com

ہوتے دیکھا لیکن واویلا نہ کیا۔ یہاں تک کہ آپ کے اہل بیت نے بھی خیموں سے نکل کر نہ بال نوچے نہ گریبان پھاڑے نہ بین کیے۔ بلکہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں سر تسلیم خم کیے رکھا۔ اگر وہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے تو آج ان کا نام اس تقدس سے نہ لیا جاتا۔ اور ان کی قربانیاں رنگ نہ لاتیں۔ لیکن ان کی تربیت رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی۔ اور سیدنا علی المرتضیٰ کے سایہ شفقت میں پروان چڑھے تھے۔

اس کے بعد بھی مسلمانوں پر ایسی سختیاں آتی رہیں۔ تقسیم ہند کے وقت بھی مسلمانوں پر جو بیتی وہ ایک لرزہ خیز داستان تھی۔ لیکن رسول ﷺ کے سچے امتیوں نے کمال صبر واستقلال کا مظاہرہ کیا۔ ہند کے کفار و مشرکین نے مسلمان بچوں کو نیزوں پر اچھالا۔ باپ کے سامنے بیٹوں بیٹیوں کو ذبح کیا۔ املاک کو نذر آتش کر دیا گیا۔ مسلمانوں کی عزت وناموس پر حملے کیے گئے۔ قتل وغارت اور درندگی کا اس قدر مظاہرہ ہوا کہ الامان۔ لیکن کوئی ایسی مثال نہ ملی کہ موت کے خوف سے کسی نے ہندومت اختیار کر لیا ہو۔ اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے ہر طرح کی قربانیاں کمال صبر و استقامت سے دی گئیں۔ یہی مسلمان کی شان ہے اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا۔

”جو شخص (مصیبت کے وقت) اپنے چہرے کو پیٹے اور گریبان چاک کرے اور جاہلیت کی سی آواز بلند کرے (بین اور واویلا کرے) وہ ہم میں سے نہیں۔“ (رواہ بخاری)

آج یہ جہالت ہم میں موجود ہے۔ کئی موقعوں پر یہ رسمیں اور بے صبری کے مظاہرے دیکھنے میں آتے ہیں۔ یہ سب ایمان کی کمزوریاں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے دوری اور اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔ ہمارا معمول تو یہ ہے کہ بس کلمہ پڑھ لیا اور دنیاوی کاروبار میں جت گئے اور بڑے فخر سے اپنے آپ کو ”مومن اور مسلمان“ کہلاتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ دوسروں کو کافر، منافق،

Marfat.com

مشرک اور بے دین بھی سمجھتے رہے۔ چند بزرگ ہستیوں کا نام لے کر اس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ ہماری ان ہستیوں سے محبت ہے۔ ہم ان کے ماننے والے ہیں۔ بس بخش دیئے جائیں گے ان ہستیوں کے ساتھ کچھ رسومات کو منسوب کر کے پورا کرتے رہے اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ قوی ایمان والے سمجھتے رہے اور اس بات پر کبھی غور نہ کیا کہ ان ہستیوں کا اپنا طرز عمل کیا تھا۔ انہوں نے کیسے زندگی گزاری۔ ان کے اقوال کیا ہیں؟ بس ہماری ان سے محبت ہے اسی سے بخش دیئے جائیں گے۔ عمل کی کیا ضرورت! یہ سمجھنے کی باتیں ہیں جن پر ہم دھیان نہیں دیتے۔

یہ دنیا کی زندگی ایک کڑی آزمائش ہے۔ یہاں قدم قدم پر امتحان ہے۔ جنت کی نعمتیں یوں ہی نہیں ملیں گی۔ اللہ ہمیں آزماتا ہے۔ خوف اور بھوک سے جان و مال اور کاروبار میں نقصان سے۔ تاکہ دیکھے کہ کون میرا بندہ ہے اور کون خواہشات نفس کا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب خوشحالی ہوتی ہے تو ہم کہتے اللہ کا بڑا فضل و کرم ہے اور یہ سب کچھ اللہ کا ہے۔ لیکن جب رزق کی تنگی آتی ہے تو واویلا کرنے لگتے ہیں اللہ سے گلے شکوے کرنے لگتے ہیں اور بے ادبی کے کئی فقرے بھی بول دیتے ہیں۔ طبیعت چڑچڑی ہو جاتی ہے اگر ایسی آزمائش آجائے تو صبر سے کام لینا چاہئے بے صبری تکلیف کو دوگنا کر دیتی ہے۔ کم نہیں کرتی۔ خواہ مخواہ شور مچا کر اپنے اجر میں کمی کر لیتے ہیں۔ اس وقت صبر کر کے اور نماز پڑھ کر اللہ سے مدد کی دعا کرنی چاہئے اور رزق حلال کے لئے تگ و دو کرتے رہنا چاہئے اور رزق کی تنگی کی وجوہات پر غور کر کے ان اسباب کو دور کرنا چاہئے۔ نہ کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر شکوے اور شکایتیں کر کے اپنے ایمان کو برباد کر لیں۔ یہ کام تو کافی مشکل ہے۔ لیکن صبر کرنے والوں کا اجر کچھ کم نہیں بے صبری کا مظاہرہ کریں گے تو کیا مصیبت ٹل جائے گی؟ نہیں بلکہ دگنی ہو جائے گی۔ مصیبت تو ٹلے گی صبر کرنے سے اللہ کو یاد کرنے سے اور جو نقائص اپنے آپ میں پیدا ہو چکے ہیں انہیں

Marfat.com

ور کرنے سے۔ مصیبت میں گھبرانا مصیبت کو بڑھانا ہے۔

بہر حال حالات جیسے بھی ہوں مسلمان صابر رہتا ہے کیونکہ اسے ایسا ہی حکم ہے۔
تسلیم خم کر دینے والے کی کیا مجال کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی حکم عدولی کرے
جو حکم عدولی کرتا ہے اس کا اسلام کیا؟ اور ایمان کیا--؟

صبر کے ساتھ شکر ادا کرنا بھی مسلمان کی صفت ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی
ت طیبہ شکر الٰہی کا پیکر تھی۔ آپ ﷺ ہمہ وقت ذکر و شکر میں مشغول رہتے۔
لمان تو سنت رسول ﷺ ہی کو اپناتا ہے نا اس لئے وہ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتا
ہے۔ جب دل کے اندر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا احساس و اعتراف پیدا ہوتا ہے۔
ں یقین کے ساتھ کہ یہ سب نعمتیں خالق ارض و سماء کی طرف سے ہیں اور یہ
داقت انسانی قلب و ذہن پر چھا جاتی ہے تو انسان سراپائے شکر بن جاتا ہے۔ یہ قلبی
عتراف ہے اللہ تعالیٰ کے احسانات کا۔ جس کی نشاندہی قرآن حکیم میں اس طرح
رائی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں پیدا کیا کہ تم کچھ
بھی نہ جانتے تھے اور اس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تا کہ تم شکر
ادا کرو۔"

سورۂ والضحیٰ میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی رحمت ﷺ کو خود ارشاد فرمایا۔ وَاَمَّا
بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ۔ "اور اپنے رب کی نعمت کا ذکر کرو۔"

یہ قولی شکر کا ایک نمونہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتیں عطا ہوں ان کا
تذکرہ کرنا بھی شکر ادا کرنے کے زمرے میں آتا ہے۔ پھر اس کا اظہار مسلمان کے
عمل سے بھی ہو کہ تمام اعضائے انسانی اللہ کی اطاعت میں لگ جائیں۔

مسلمان ناشکرا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور سر تسلیم خم کیا ہوا

Marfat.com

ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ رب اپنے بندے سے صرف دو باتوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ ایک ایمان دوسری شکر۔ پورے کا پورا دین صرف ان دو باتوں پر محیط ہے۔ ایمان لانے کے بعد شریعت میں جو کچھ ہے وہ شکر ہے تمام عبادتیں شکر کے دائرے میں داخل ہیں۔ نماز کا ادا کرنا روزہ رکھنا، حج اور زکوٰۃ کا ادا کرنا سب کچھ شکرانے کے طور پر ہے۔ اللہ کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک اور نیک برتاؤ کی حقیقت بھی شکر ہی ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب حضور نبی کریم ﷺ کو کثرت کے ساتھ راتوں کو عبادت کرتے دیکھا تو عرض کیا۔ "یارسول اللہ ﷺ۔ آپ کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ تو آپ ﷺ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں؟" حضور ﷺ نے جواب دیا۔

اَفَلَآ اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا؟ "کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟"

مومن کو سنت نبوی ﷺ سے محبت ہوتی ہے اس لئے وہ ایمان کے ساتھ اللہ کا شکر بھی ادا کرتا ہے پس سر تسلیم خم کرنے والا بندہ، ناشکرا نہیں ہو سکتا، وہ اللہ کا شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ کے بندوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے۔ وہ مجازی طور پر بھی احسان فراموش نہیں ہوتا۔

۲۸۔ جس کا ظاہر و باطن ایک ہو

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں۔" (الصف:۲،۳)

"یہ (منافق) لوگ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔" (الفتح:۱۱)

Marfat.com

"منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک جیسے ہیں۔ برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے روکتے ہیں اور بند رکھتے ہیں اپنے ہاتھ (خیر و بھلائی سے) انہوں نے اللہ کو بھلا دیا ہے اللہ نے بھی انہیں فراموش کر دیا ہے۔ بیشک منافق ہی نافرمان ہیں۔" (التوبہ: ٦٧)

ہادی برحق ﷺ نے فرمایا۔

"مومن کے سینے میں دو دل نہیں ہوتے۔"

"دین خیر خواہی کا نام ہے۔ پوچھا گیا کس کے لئے؟ فرمایا اللہ کے لئے اور اس کی کتاب کے لئے اور اس کے رسول ﷺ کے لئے اور مسلمانوں کے حاکموں کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے۔" (صحیح مسلم)

"روز قیامت تم لوگوں میں بدترین اس دو چہروں والے (منافق) شخص کو پاؤ گے جو ایک چہرے کے ساتھ ایک (گروہ) کے پاس آتا ہے اور ایک چہرے کے ساتھ دوسرے (گروہ) کے پاس آتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

"جو شخص دنیا میں دو رُخا پن اختیار کرے گا قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔" (ابوداؤد)

خیر خواہ تو وہی ہوتا ہے جس کا ظاہر و باطن ایک ہو---

دین اسلام کی بنیاد خیر خواہی اور خلوص پر قائم ہے۔ جب حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ یہ خیر خواہی اور خلوص کس کے لئے ہے تو ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے یعنی اللہ تعالیٰ پر تیرا ایمان اخلاص پر مبنی ہو یہاں خیر خواہی یہ ہے کہ تُو اللہ تعالیٰ کی خالصتاً عبادت کرے۔ اس میں کسی دوئی کی کثافت نہ ہو۔ پھر فرمایا اس کی کتاب کے لئے کہ کتاب اللہ پر ایمان ہو۔ اور اس کے حقوق ادا کئے جائیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے اس کے رسول ﷺ کے لئے۔ کہ تُو رسول ﷺ پر ایمان لائے سنت کی اتباع کرے اور دل عشقِ رسول ﷺ سے آباد رہے۔ کہ منزل تک رسائی حاصل کرنے کے لئے عشق

Marfat.com

رسول ﷺ ہی "زادِ راہ" ہے۔ اگر یہ کم ہو گیا یا ختم ہو گیا تو پھر منزل تک رسائی مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ کہ یہی بنیاد ہے تیرے سفر کی۔ جس کا تُو راہی ہے پھر فرمایا۔ مسلمانوں کے حاکموں کے لئے۔ کہ تُو حاکم وقت کی اطاعت کرے اگر وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں حکم دے۔ اور آخر پر فرمایا کہ تمام مسلمانوں کے لئے کہ تیرا رویہ ہر مسلمان کے ساتھ خیر اور بھلائی کا ہو۔ تُو اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ مخلص ہو۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس پر ظلم نہیں کرتا نہ اس کا ساتھ چھوڑتا ہے اور نہ اس کی تذلیل کرتا ہے۔ ایک آدمی کے لئے یہی شر کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔" (مسند احمد)

مسلمان کا ظاہر و باطن ایک ہوتا ہے۔ اس کا ایک ہی رخ ہوتا ہے۔ وہ دورخوں والا نہیں ہوتا کہ دنیا میں لوگوں کو دھوکا دیتا رہے اور قیامت کے دن بدترین لوگوں میں شمار ہونے لگے وہ بہروپیے کی طرح کئی روپ نہیں بدلتا۔ وہ خود غرض نہیں ہوتا۔ وہ اپنے مفاد کی خاطر دوسروں کا نقصان نہیں کرتا۔ بلکہ تنگی ہو یا فراخی ہر حال میں دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہے کیونکہ اس کے سامنے یہ دنیا ہیچ ہوتی ہے وہ صرف آخرت کا خیال رکھتا ہے دنیاوی مال و متاع اس کی کمزوری نہیں بنتے۔ مسلمان تو ایک شیشے کی مانند ہوتا ہے وہ نہ کسی کو دھوکا دیتا ہے اور نہ ہی دھوکا کھاتا ہے۔ جیسا کہ رہبر کامل ﷺ نے فرمایا۔ "مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔" (بخاری و مسلم) چونکہ وہ نیک نیت ہوتا ہے اس لئے وہ ہر معاملے میں تدبر اور فراست سے کام لیتے ہوئے مثبت سوچ رکھتا ہے کہ مسلمان کی یہی شان ہے ایک مرتبہ حضور رسالت مآب معلم انسانیت ﷺ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے فرمایا۔

"اے ابوذر تدبر کے برابر کوئی عقل نہیں اجتناب واحتیاط سے زیادہ کوئی تقویٰ نہیں اور خوش خُلقی سے بہتر کوئی حسب نہیں۔" (بیہقی شریف)

Marfat.com

نفاق ایک مہلک بیماری ہے۔ جو ایمان کو ختم کر دیتی ہے۔ جہاں نفاق ہو گا وہاں ایمان نہیں ہو گا اور جہاں ایمان ہو گا وہاں نفاق نہیں ہو سکتا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اس لئے مسلمان منافق نہیں ہو سکتا اور منافق مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جہاں یہ نفاق دینی عقائد میں مہلک ہے وہاں روزمرہ کے معاملات میں بھی اتنا ہی ہلاکت خیز ہے۔

مسلمان کو یہ بات روا نہیں کہ وہ بظاہر کچھ ہو اور باطن میں کچھ اور ہو۔ جب تک ظاہری کیفیت باطنی (اندرونی) کیفیت سے مطابقت نہ رکھتی ہو ایمان ناقص رہتا ہے یہی صورت حال مسلمان کو اس خوش فہمی میں مبتلا رکھتی ہے کہ میں مسلمان ہوں اور میرے دل میں جو ایمان ہے وہ کامل ہے۔ حالانکہ اس کے اعمال اس کے عقائد کا ساتھ نہیں دے رہے ہوتے۔ ایسے عقائد تو مفروضے ہوتے ہیں حقائق نہیں ہو سکتے۔

نفاق کی بیماری میں مبتلا نام نہاد مسلمان جہاں دوسروں کو دھوکا دیتا ہے وہاں وہ اپنے آپ کو بھی زبردست دھوکا دے رہا ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے میں دوسروں کو بے وقوف بنا رہا ہوں اور میرا پتہ بھی نہیں چل رہا کہ میں یہ داؤ لگا رہا ہوں ایسا شخص دوسروں کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن اپنی عاقبت ضرور برباد کر لیتا ہے۔ آپ کو بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جن کا بس یہی کام ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہوتے ہیں۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ اے ایمان والو وہ بات ہرگز نہ کرو جس پر خود تمہارا اپنا عمل نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایمان ضائع ہو جائے اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔ آیئے ذرا سوچئے اپنا محاسبہ کیجئے۔ اپنے ایمان کو ٹٹولئے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ نفاق کی مہلک وبا پھوٹ پڑی ہو۔ کیونکہ یہ ایمان کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ سوکھے پتوں کو بھسم کر دیتی ہے۔ مسلمان کو اپنا ظاہر و باطن ایک رکھنا ہو گا ورنہ وہ اپنے دعوئ ایمان میں جھوٹا ہو گا۔

Marfat.com

۲۹۔ جو اختلافی امور میں نہ پڑے اور سیدھی راہ پر ہو

حق تعالیٰ نے فرمایا۔

''اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم مانو۔ اور آپس میں مت جھگڑو۔ ورنہ بزدل ہو جاؤ گے۔ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (الانفال:۴۶)

''جن لوگوں نے اپنے دین میں راہیں نکال لیں اور بہت سے گروہ بن گئے (اے رسول ﷺ) یقیناً ان لوگوں سے آپ ﷺ کا کوئی واسطہ نہیں۔ ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے وہی ان کو بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔'' (الانعام:۱۵۹)

''اور یہ کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے تم اسی پر چلو۔ اور دوسرے راستوں پر مُنہ چلو۔ کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کر دیں گے یہ ہے وہ ہدایت جو تمہارے رب نے تمہیں کی ہے۔ تاکہ تم کج روی سے بچو۔'' (الانعام:۱۵۳)

''اس کے بعد (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ ﷺ کو دین کے معاملہ میں ایک شریعت پر قائم کیا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ اسی پر چلیں۔'' (الجاثیہ:۱۸)

ہادی کامل ﷺ نے فرمایا۔

''آپس میں اختلاف برپا نہ کرو۔ ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پڑ جائے گا۔''

''تمہارا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا۔ جب تک تمہارا ہر عمل اس کے مطابق نہیں ہو جاتا جو میں لایا ہوں یعنی قرآن اور میری سنت۔'' (کتاب الحجہ)

''میرا ہر امتی جنت میں جائے گا۔ سوائے اس کے جو انکار کر دے عرض کیا کہ انکار کرنے والا کون شخص ہو گا؟ ارشاد فرمایا جو شخص میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو میری نافرمانی کرے گا وہی انکار کرنے والا ہو گا۔'' (صحیح بخاری)

Marfat.com

مسلمان کا تعلق کسی فرقے سے نہیں ہوتا۔ وہ شریعت کی سیدھی راہ پر ہوتا ہے۔ وہ فرقہ بندی کو اسلام میں حرام سمجھتا ہے اور نہ وہ اختلافی امور میں الجھتا ہے۔ وہ ہمیشہ سنت کی پیروی کرتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں اختلاف میں پڑا تو میرا اللہ اور میرے محسن رسول ﷺ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔ ان کا میرے ساتھ پھر کوئی تعلق نہیں رہے گا اور جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ تعلق ٹوٹ جائے اس کا ٹھکانہ تو پھر جہنم ہی ہو سکتا ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں سمجھانے کے لئے ایک (سیدھی) لکیر کھینچی۔ اور فرمایا۔ "یہ اللہ کا راستہ ہے۔" پھر اس سیدھے خط کے دائیں بائیں اور چند لکیریں کھینچ کر فرمایا۔ یہ بھی راستے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک راستے پر شیطان بیٹھا ہوا ہے۔ جو اپنی طرف بلاتا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ ہے۔ "اور یہ کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے۔ تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کر دیں گے۔" مسلمان کے سامنے تو صرف ایک ہی سیدھا راستہ ہے۔ صراط مستقیم۔ جو اسے منزل کی طرف لے جا رہا ہے جس کے دائیں بائیں بے شمار پگڈنڈیاں ہیں۔ یہ سب شیطان کے گورکھ دھندے ہیں شیطان ہر راہ پر بیٹھ کر دلفریب جال بنتا رہتا ہے۔ لیکن اس راہ کا راہی اپنے مرشد کی راہنمائی میں قرآن و سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنے "زادِ راہ" کے ساتھ منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ وہ ادھر ادھر دھیان نہیں دیتا۔ وہ شریعت کا عصا ہاتھ میں لئے طریقت کے راستے پر چلتا ہے وہ قرآن و سنت کے علاوہ کسی تیسری چیز کا اتباع نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کا اس بات پر یقین ہوتا ہے کہ قرآن و سنت کو چھوڑ کر اس کا ایمان قائم نہیں رہے گا۔ وہ اپنے ہر عمل کو قرآن و سنت کے مطابق رکھتا ہے۔

Marfat.com

اس سے جب پوچھا جاتا ہے کہ تم کون ہو؟ تو اس کا جواب ہوتا ہے۔ "مسلمان" پھر سوال ہوتا ہے۔ کیسے مسلمان ہو؟ وہ جواب دیتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں سر تسلیم خم کر دینے والا مسلمان۔ سوال کرنے والا اس جواب سے مطمئن نہیں ہوتا۔ وہ اس سے کچھ اور کہلوانا چاہتا ہے۔ لیکن مسلمان اپنے اس جواب سے آگے نہیں بڑھتا سوال کرنے والا حیران ہوتا ہے کہ عجیب بات ہے --- یہ کیسا مسلمان ہے؟ مسلمان اٹھ کر چلنے لگتا ہے۔ تو وہ پیچھے سے آواز دیتا ہے۔ بھائی ذرا وضاحت تو کرتے جاؤ کہ تمہارا کس فرقے سے تعلق ہے؟ مسلمان مسکراتا ہے۔ اور قدرے حیرت سے جواب دیتا ہے۔ "اللہ کے بندے! مسلمان اور فرقہ بندی؟--- یہ تو دو متضاد چیزیں ہیں۔ مسلمان کا تو کسی فرقے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔"

کوئی تعلق نہیں ہوتا--؟ سوال کرنے والا حیران و پریشان ہے وہ بڑبڑاتا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مسلمان جا چکا ہوتا ہے اور اپنے دل میں سورۂ فرقان کی اس آیت کو تلاوت کرتا ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا

"اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام ہو۔"

۳۰۔ جو اپنے مسلمان بھائی کیلئے وہی پسند کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

فرمان الٰہی ہے۔

"اور جو ان (مہاجرین کی آمد) سے پہلے ایمان لا کر اس شہر (مدینہ) میں مقیم تھے۔ یہ ان

Marfat.com

لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے اور جو کچھ بھی انہیں دیا جائے اس کی ذرا بھی حاجت اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ خواہ وہ خود محتاج ہوں اور جو اپنے دل کی تنگی سے بچایا گیا۔ (یعنی جسے وسعت قلبی عطا کی گئی) تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور جو لوگ ان کے بعد آئے۔ وہ کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان سب (مسلمان) بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لئے کوئی بغض نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! تو بڑا مہربان ہے اور رحیم ہے۔" (الحشر۔۹:۱۰)

"ایمان والے تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست رکھا کرو۔ اور اللہ (کی ناراضی) سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔" (الحجرات:۱۰)

"بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔" (آل عمران:۱۳۴)

رحمت للعلمین ﷺ کے ارشادات عالیہ:

حضرت جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے تین باتوں پر بیعت لی۔ پہلی یہ کہ نماز قائم کروں گا دوسری یہ کہ زکوٰۃ دیتا رہوں گا۔ تیسری یہ کہ ہر مسلمان کا خیر خواہ رہوں گا۔" (بخاری۔ کتاب ایمان)

"مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے۔" (بخاری و مسند احمد)

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر نہ ظلم کرتا ہے نہ اس کا ساتھ چھوڑتا ہے اور نہ اس کی تذلیل کرتا ہے ایک آدمی کے لئے یہی شر بہت ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔" (مسند احمد)

"ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان، مال اور عزت حرام ہے۔" (مسلم۔ ترمذی)

Marfat.com

"ایمان والوں کی مثال آپس کی محبت، وابستگی اور ایک دوسرے پر رحم وشفقت کے معاملہ میں ایسی ہے۔ جیسے ایک جسم کی حالت ہوتی ہے کہ اس کے کسی حصے کو بھی تکلیف ہو تو سارا جسم اس پر بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔" (بخاری، مسلم)

"ایمان والے تو ایک دوسرے کے لئے ایک دیوار کی اینٹوں کی طرح ہوتے ہیں کہ ایک دوسرے سے تقویت پاتے ہیں۔" (بخاری، مسلم)

"دین (مکمل طور پر ہر مسلمان بھائی کے ساتھ) خیر خواہی کا نام ہے۔" (مسلم شریف)

لا یومن احدکم حتیٰ یحب لا خیہ مایحب لنفسہٖ

"تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی کچھ نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔" (بخاری۔ جلد ا)

آئیں --- ہم اپنے ایمان کو رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے ترازو میں تولیں۔ اور اپنے ایمان کا اندازہ لگائیں، مسلمان بچے کی یہ آخری شرط اتنی جامع اور مفید ہے کہ اس کے بغیر حقیقتاً نہ تو ایمان کی تکمیل ہوتی ہے اور نہ ہی اسلامی فلاحی معاشرے کی تشکیل دنیا کے تمام مذاہب اور ادیان اکٹھے کر لئے جائیں ہر ایک کے اصولوں کو پرکھا جائے لیکن بنی نوع انسان کی خیر خواہی کی تاکید جس قدر اسلام میں کی گئی ہے اور کسی مذہب یا دین میں نہیں کی گئی۔ بلکہ یہاں تو خیر خواہی کی انتہا ہو گئی ہے اے مسلمانو! ذرا ہوش کرو، تدبر کرو۔ اے راتوں کو قیام کرنے والو اے دن کو روزہ رکھنے والو -- اے پانی کی طرح خیرات کرنے والو اے حاجیو۔ اے دن رات تبلیغ کرنے والو۔ اے مجاہدو! اے مومنو! اپنی نیکیوں پر گھمنڈ نہ کرنا۔ چھوٹے گناہ کو بھی معمولی نہ سمجھنا۔ دیکھ لینا۔ کہیں ایسا تو نہیں؟

--- کہ ہم نے نماز پڑھ کر کسی مسلمان بھائی کا دل دکھایا ہو ---؟

Marfat.com

---روزہ رکھ کر ہمسایہ کو ایذا دی ہو؟

---تہجد پڑھ کر یتیم یا سوالی کو جھڑکا ہو؟

---حج کر کے لوگوں کے ساتھ ترش روئی سے پیش آئے ہو؟

---اپنی عبادت کے گھمنڈ میں بھوکے کو کھانا نہ کھلایا ہو؟

---چھوٹے پر رحم نہ کیا ہو؟

---مظلوم اور بے کس کی مدد نہ کی ہو؟

---محتاج کی حاجت پوری نہ کی ہو؟

شاید کبھی ایسا بھی ہوا ہو---کہ اللہ کی راہ میں سائل کو اپنے پرانے کپڑے دے دیئے ہوں!

---جوتے ٹوٹ گئے ہوں تو کسی غریب کو دے دیئے ہوں؟

---سالن باسی ہو چکا ہو بچے منہ نہ لگاتے ہوں تو غریب ہمسایہ کے ہاں بھجوا دیا ہو۔

---گندی نالی کا رخ اپنے دروازے سے موڑ کر ہمسائے کے دروازے کی طرف کر دیا ہو۔

---اپنے کھیت سے مویشی نکال کر کسی مسلمان بھائی کے کھیت میں ہانک دیئے ہوں۔

---اپنی جان چھڑانے کے لئے کسی دوسرے کو جھوٹے مقدمے میں پھنسا دیا ہو۔

---پھر غور کر لیتے ہیں---شاید!

---کسی کو خوشحال دیکھ کر جل گئے ہوں!

---کسی کی عزت ہوتے دیکھ کر اس کے نقائص تلاش کرنے کی کوشش کی ہو۔

---شاید کسی رفیق کار کی محنت کو پھلتا پھولتا دیکھ کر دل کڑھنے لگ گیا ہو اور خواہ مخواہ اس کے بارے میں بدظنی پیدا ہو چکی ہو۔

---کیا ہر وقت دل یہی تو نہیں چاہتا کہ دوسرے کا مذاق ہی اڑاتے رہیں؟ طعنہ زنی

Marfat.com

کرتے رہیں؟ اور از راہ تفنن برے نام ہی رکھتے رہیں۔

کہیں ہم اتنے بے حس تو نہیں ہو گئے---؟

---کہ ہر وقت اپنے مردہ بھائی کی لاش نوچنے کو دل کرتا رہتا ہو؟ اور ہمیں ذرا بھی گھن نہ آتی ہو؟

---کہیں ہم اپنی ذات یا قبیلے پر اتنا زیادہ تو نہیں اترانے لگے کہ دوسرے ہماری نظروں میں کمتر ہو چکے ہوں اور ہم دوسرے مسلمان بھائی کو محض اس وجہ سے حقیر سمجھنے لگے ہوں کہ وہ کپڑے بنتا ہے۔ جوتے گانٹھتا ہے یا بال تراشتا ہے۔

یہ صحیح ہے نا؟ کہ جب ہم گھی، مرچ، ہلدی اور دوسری اجناس میں ملاوٹ کرتے ہیں تو وہ ملاوٹ شدہ اشیاء اپنے گھر میں استعمال نہیں کرتے۔

آئیں---ذرا تھوڑی دیر کے لئے ان باتوں پر غور کر لیں بظاہر یہ باتیں بہت معمولی نظر آتی ہیں۔ لیکن اپنے اندر بڑے گہرے اور دور رس اثرات رکھتی ہیں اور یہی باتیں دائمی ہلاکت کا باعث بن سکتی ہیں۔ اللہ نہ کرے "عبادت گزار" ہوتے ہوئے بھی نجات نہ مل سکے۔ حقیقت میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور تمام نفلی عبادتیں ہمیں انہی عبادتوں کو اپنانے کا حکم دیتی ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ان باتوں کو دور کئے بغیر نہ نماز قبول ہوتی ہے، نہ روزہ، نہ حج نہ زکوٰۃ اور نہ کسی قسم کی نفلی عبادتیں اگر ہم تھوڑا سا غور کریں تو پتہ چلے گا کہ ہم عبادت کی ظاہری صورت کا تو خیال رکھتے ہیں لیکن باطنی صورت اور کیفیت کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور یہ بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ اَلدِّیْنُ نَصِیْحَۃٌ (دین ہے ہی خیر خواہی کا نام) اگر خیر خواہی نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ یہی عبادات کی روح ہے میں نے اس گفتگو کے آغاز میں سورۃ الحشر کی دو آیات (۱۰،۹) پیش کی ہیں۔ جن میں مہاجرین اور انصار مدینہ کے ایثار و قربانی کا ذکر ہے۔ کہ وہ آپس میں کس طرح اپنی ذات پر دوسرے کو ترجیح دیتے تھے خود تنگ رہ کر دوسرے کو

Marfat.com

خوشحال دیکھنا پسند کرتے تھے یہی ایثار ہے۔ وسعت قلب رکھنے والے خوش نصیب ہی ایسا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ جسے دل کی تنگی اور نفس کے لالچ سے بچالے وہی کامیاب و کامران ہوتا ہے۔ اور یہ بہت بڑی سعادت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ''اب تمہارے سامنے ایک ایسا شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے۔'' آنے والے انصار میں سے ایک صاحب تھے دوسرے روز پھر آپ ﷺ نے ایسے ہی ارشاد فرمایا اس روز بھی انصار میں سے ایک صحابی حاضر ہوئے۔ تیسرے روز پھر ایسا ہی ہوا۔ یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ آخر یہ ایسا کونسا عمل کرتے ہیں جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے بار بار ان کے بارے میں بشارت سنائی ہے۔ چنانچہ وہ تین روز تک مسلسل ان کے ہاں جا کر رات گزارتے رہے۔ تاکہ ان کی شب بیداری کا حال دیکھیں لیکن ان کی عبادت میں کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی۔ آخر ناچار حضرت عبداللہ نے خود ہی پوچھ لیا کہ میرے بھائی آپ ایسا کونسا عمل کرتے ہیں جس کی بنا پر رسول اللہ ﷺ سے ہم نے یہ بشارت سنی ہے۔ انہوں نے جواب دیا میری عبادت کا حال تو آپ نے دیکھ ہی لیا ہے ایک بات ہے۔ جو شاید اس کی موجب بنی ہو۔

وہ یہ ہے۔

لا فی نفسی غلاً لاحد مِنَ المسلمین ولا احسده علی خیرِ اعطاه اللہ تعالی ایاه۔ (رواہ نسائی)

مَیں اپنے دل میں کسی مسلمان کے خلاف بغض نہیں رکھتا اور نہ کسی ایسی بھلائی پر حسد کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی ہو۔ سبحان اللہ--!

ایمان کی دولت سب سے بڑی دولت ہے۔ ایمان والا اس کی قدر کرتا ہے اور جو

Marfat.com

لوگ اس دولت سے مالا مال کیے گئے ہیں مسلمان اس کی بھی ویسے ہی قدر کرتا ہے جیسی وہ اپنی کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے مسلمان بھائی کی قدر نہیں کرتا اس کی خیر خواہی نہیں چاہتا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ایمان کی قدر نہ کر کے ناشکری کرتا ہے اور ناشکر گزار بندہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

"شُحِّ نفس (تنگ نظری، تنگ دلی، کم حوصلگی) سے بچو، کیونکہ اسی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا۔ اسی نے ان کو ایک دوسرے کو خون بہانے اور دوسروں کی عزتوں کو اپنے لئے حلال کر لینے پر اکسایا۔ اسی نے ان کو ظلم پر آمادہ کیا اور انھوں نے ظلم کیا فجور کا حکم دیا تو انہوں نے فجور کیا قطع رحمی کے لئے اکسایا تو انہوں نے قطع رحمی کی۔"

(مسلم، مسند احمد، ابوداؤد، نسائی)

رحمت دو عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

"ایمان اور دل کی تنگی کسی مسلمان کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔"

(نسائی، بیہقی فی شعب الایمان)

اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ مسلمان تنگ دل نہیں ہو سکتا اور تنگ نظری اس کی فطرت میں شامل نہیں ہو سکتی۔ مسلمان تو وسیع القلب، کشادہ رو اور بلند نظر ہوتا ہے۔

ساتھ ساتھ ہمیں دیکھتے بھی جانا چاہئے کہ یہ خصلتیں ہم میں موجود بھی ہیں اگر نہیں تو کیا ہم مسلمان---؟

اور سنئے --- نبی کریم ﷺ فیصلہ فرما رہے ہیں۔ "دو خصلتیں ایسی ہیں جو کسی مسلمان کے اندر جمع نہیں ہو سکتیں بخل اور بد خُلقی" (رواہ بخاری، ترمذی، ابوداؤد)

دل کی تنگی، نفس کا لالچ (شُحِّ نفس) ہی ایسی صفتِ بد ہے جو بغض حسد، غیبت، بہتان، بدظنی، تعصب، فسق و فجور، ظلم، تکبر، احساس برتری، لعن طعن، بخل اور

Marfat.com

بد خُلقی جیسے برے خصائل کو جنم دیتی ہے تو یہ بد صفت ایک مسلمان کے اندر کیونکر پیدا ہو سکتی ہے اور جس شخص کے اندر یہ موجود ہے وہ مسلمان کہلانے کا حقدار نہیں ہے اس کی کوئی نیکی قبول نہیں ہے۔

ہم نے کبھی یہ اندازہ لگایا کہ ہم جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں آیا وہی اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی پسند کرتے ہیں؟

روزمرہ زندگی میں ہمیں ہزاروں ایسی باتوں سے واسطہ پڑتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر اپنے آپ کو پرکھنے کی وجہ بنتی ہیں۔ اگر ہم اسی ایک بات پر اپنا محاسبہ کر لیں تو ہمیں اپنے ایمان کا اندازہ ہو جائے گا۔ دراصل ہمیں مسلمان کہلانے کا بہت شوق ہے اس کے بغیر چارہ بھی تو نہیں! ہم میں سے کتنے ہیں جو اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی پسند کرتے ہیں جو وہ اپنے لئے پسند کرتے ہیں؟

ہمارے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے قارئین ذرا رک جائیں تھوڑی دیر کے لئے کتاب بند کر دیں۔ آنکھیں بند کر کے دل کی طرف متوجہ ہو جائیں ذہن کو صاف کر کے ایمانداری سے اپنے اندر جھانکیں۔ ہمیں اپنے اندر کا انسان نظر آ جائے گا۔ بلند بانگ دعوؤں کا خول جو ہم نے اپنے اوپر چڑھا رکھا ہے اتر جائے گا ذرا غور سے دیکھیں ہمارے اندر کا انسان باہر آ کر شرمندہ تو نہیں؟

وہ لوگوں کی نظروں کے سامنے آ کر ہچکچا تو نہیں رہا۔ آئیں--- ابھی سے فکر کریں۔ ایسا نہ ہو وہ گھڑی آ جائے جس کو کوئی ٹال نہیں سکتا وہ وقت آ جائے جو معین ہے جب روح اس جسدِ خاکی کا ساتھ چھوڑ جائے گی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

(آل عمران:۱۰۲)

"اے ایمان والو! اللہ (کی ناراضی) سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا

Marfat.com

حق ہے۔(ایسا کوئی فعل سرزد نہ ہونے پائے جو اسلامی اصولوں سے باہر اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث بنے)اور ہر گز نہ مرنا مگر مسلمان بن کر۔"

کیسا مسلمان---؟

صرف کلمہ پڑھ کر اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جانے والا مسلمان---؟ کہ میں مسلمان ہوں؟ نہیں ہر گز نہیں ایسا مسلمان جو ان شرائط پر پورا اترتا ہو جو ان اصولوں کا سختی سے پابند ہو جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے عائد کیے ہیں۔

علامہ محمد اقبالؒ نے سچ کہا ہے۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

قرآن ہم سے کہہ رہا ہے:

کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنی بات پر چھوڑ دیئے جائیں کہ وہ کہیں "ہم ایمان لے آئے ہیں" اور ان کی آزمائش نہ ہو گی۔؟(یہ تو محض ان کی خوش فہمی ہے۔ جس میں وہ مبتلا ہیں کہ ہم نے کلمہ پڑھ لیا ہے۔ اور ہماری نجات ہو گئی، جنت ہماری ملکیت میں دے دی گئی۔ نہیں ہر گز نہیں بلکہ صورت حال یہ ہے کہ) بیشک ہم نے ان سے اگلوں کو جانچا۔ اللہ تو ضرور دیکھتا ہے کہ (اپنے ایمان میں) سچے کون ہیں۔ اور (محض برائے نام مسلمان کہلانے والے) جھوٹے کون ہیں۔" (العنکبوت:۲،۳)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ۔ (آل عمران:۱۳)

"بیشک اس میں صاحب بصیرت لوگوں کے لئے سامان عبرت ہے۔"

Marfat.com

آئیں--- ہم صاحب بصیرت بنیں۔ یہ سب کچھ پڑھ کر عبرت حاصل کریں۔ خوش فہمی کے اس خول سے باہر نکل کر حقیقت کی دنیا میں آئیں اور ایسے مسلمان بنیں جیسا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بننے کا ہمیں حکم دیا ہے تاکہ جب ہمیں موت آئے تو ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں سر تسلیم خم کر دینے والے پکے اور سچے مسلمان ہوں۔ ہمیں اپنا محاسبہ کر لینا چاہئے ابھی وقت ہے۔

Marfat.com

ماشاءاللہ --- "انسان سے مسلمان تک" کا سفر بیت رہا ہے۔

یہ تمیں اصول، ضابطے اور شرائط --- پہلے تو اِن کا علم ہی نہیں تھا! میں تو یہ سمجھتا تھا کہ کلمہ پڑھنے کے بعد نماز پڑھ لی، رمضان کے روزے رکھ لئے کچھ خیر خیرات کر دی اور بس -- مگر یہ تو واقعی ایک دشوار گزار گھاٹی ہے، مسلمان بننا کوئی آسان کام نہیں۔

آج علامہ محمد اقبال علیہ الرحمتہ کے اس شعر کی صحیح ترجمانی ہوئی ہے۔

چوں مے گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لاالٰہ را

آج --- مسلمانی کا راز کھلا ہے۔ سرِ تسلیم خم رکھنا بہت بڑی بات ہے۔ پس جنہوں نے "زادِ راہ" کی حفاظت کی۔ دین میں خلوص کو قائم رکھا اور صرف خالق کی رضا کے لئے چل نکلے ان کے لئے تو مشکل، مشکل نہ رہی۔ اور پھر اس پر جو اجرِ عظیم خالق عنایت فرماتا ہے --- بے حد و حساب!! وہ تو اس کریم کی عطا ہے۔

--- اے انسان اب تُو مسلمان ہے --- اب تیرے سامنے تیری منزل ہے۔ لیکن ایک سنگِ میل ابھی باقی ہے۔ جس سے منزل کی قربت نصیب ہو جاتی ہے۔ حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور معرفت کا حصول ہوتا ہے۔ جہاں سب حجابات دور ہو جاتے ہیں انسانی عقل و شعور کو حقیقتِ اشیاء کا ادراک ہو جاتا ہے۔

اس راہ کے مسافر --- آ

شریعت و طریقت کے بعد حقیقت اور معرفت تجھے نصیب ہونے والی ہے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

آ --- تجھے منزل تک پہنچا دوں۔

آ --- کہ تجھے تیری منزل مبارک ہو۔

Marfat.com

باب 6

منزل شناس

---اولیاءاللہ---

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ.
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ۔ (یونس:۶۲۔۶۳)

”خبردار۔ بے شک اللہ کے ولی (مطیع و فرماں بردار بندے) وہ
ہیں جنہیں نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ وہ
لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (ہمیشہ) پرہیزگاری کرتے رہے۔“

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ. ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً
مَّرْضِيَّةً. فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ. وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ۔

(الفجر:۲۷۔۳۰)

”اے اطمینان والی جان! واپس چلو اپنے رب کی طرف اس حال میں
کہ تو اس سے راضی (اور) وہ تجھ سے راضی۔ پس شامل ہو جاؤ
میرے (خاص) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔“

Marfat.com

☆ منزل شناس ----!

ہاں ہاں منزل شناس ----- وہ جو منزل کو پہچانتے ہیں۔

جو اس راہ سے واقف ہیں جو منزل کی طرف جاتی ہے۔

☆ عباد الرحمٰن ----!

رحمٰن کے برگزیدہ، اطاعت شعار مخلص بندے۔

جن پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا۔ وہ نفس کی غلامی سے آزاد ---- بلکہ نفس کے گھوڑے پر سوار، تقویٰ کا چابک ہاتھ میں لئے صراط مستقیم پر رواں دواں۔

اکیلے ہی نہیں ---- زیر تربیت ساتھیوں کو ساتھ لئے منزل تک راہنمائی کرتے ہیں۔

☆ اولیاء اللہ ----!

اللہ ان کا حامی و سرپرست۔

وہ اللہ کے مطیع و فرماں بردار۔

اور آپس میں ایک دوسرے کے مددگار۔

یہ اللہ کے قریبی کون ہیں ----؟

ان کی پہچان کیا ہے ----؟

ان کی صحبت کیوں ضروری ہے ----؟

اے منزل کے متلاشی ----!

آ ---- آئیں تجھے بتادوں ----!!

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے مطیع وفرماں بردار برگزیدہ نفوس

قرآن میں ''ولی'' کالفظ تین معنوں میں آیا ہے۔

ا۔ محافظ وسرپرست

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (آل عمرآن:٦٨)

''اور اللہ مومنین کا سرپرست ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا محافظ ہے اور اس ولایت میں اللہ تعالیٰ واحد اور لاشریک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی دوسرا حفاظت اور سرپرستی کرنے والا نہیں۔ کہ حقیقی سرپرستی اللہ ہی کی ہوتی ہے۔ باقی سب سہارے مجازی، عارضی اور وقتی ہوتے ہیں۔ جو اللہ مسبب الاسباب خود مہیا کرتا ہے۔

ب۔ مطیع و فرماں بردار: مثلاً ولی اللہ ---- ''اللہ کا فرماں بردار۔'' جب اس کی اضافت اللہ کی طرف ہوتی ہے تو اس کے معانی مطیع وفرماں بردار کے ہوتے ہیں۔ اور اس کی جمع اولیاء اللہ ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (سورہ یونس:٦٢)

''خبردار۔ بے شک اللہ کے مطیع وفرماں بردار بندوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

ج۔ دوست ومددگار:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ۔ (سورۃ توبہ: ٧١)

''مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں۔''

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی ولایت کا ذکر ہوگا تو اس کا معنی ''سرپرستی اور کارسازی

Marfat.com

ہو گا۔ مثلاً سورۃ الکہف میں اللہ تعالیٰ نے دو ایسے آدمیوں کی مثال بیان فرمائی ہے جن کے باغات تھے۔ ایک کو اللہ تعالیٰ نے خوشحالی عطا فرمائی تو وہ متکبر بن گیا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی پرستی اور کارسازی کا منکر ہوا تو اس کی خوشحالی خاک میں مل گئی۔ اس کے بعد ارشاد ربانی اس طرح ہوتا ہے:

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ. هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا۔ (آیت:۴۴)

"اس وقت معلوم ہوا کہ حقیقی سرپرستی اللہ ہی کے لئے ہے۔ جو انعام وہ بخشے وہی بہتر ہے۔ اور انجام وہی بخیر ہے جو وہ دکھائے۔"

لغوی تحقیق کرنے سے ایک بات اور واضح ہوتی ہے۔ مثلاً وَلْیٌ کا معنی "قرب اور نزدیکی" ہے۔ اور وَلِیٌّ اس سے اسم ہے۔ جس کا معنی ہوتا ہے "قریب"۔ قاموس میں اس کی وضاحت یوں ہے: الولی القرب والدنو والولی اسم منه بمعنی القریب والمحب الصدیق و انصیر۔ تو اس کی رو سے وَلِیٌّ کے معنی قریب، محب، صدیق اور مددگار کے بھی ہیں۔ لیکن ان سب کی وضاحت انہی تین معنوں میں ہو گی جو اوپر بیان کئے گئے ہیں۔

جو مسلمان جس قدر زیادہ اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار ہو گا۔ اتنا ہی اللہ کے زیادہ قریب ہو گا اور جو جس قدر نافرمان ہو گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے دور ہو گا۔ مثلاً ہادی برحق ﷺ فرماتے ہیں۔

لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احببته فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به (رواہ البخاری عن ابی ھریرہؓ)

"(اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے) کہ بندہ نفلی عبادات سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو

Marfat.com

میں ہی اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں ہی
اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔"

جب ایسے مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربت نصیب ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ پھر اس میں دو صفات نمایاں نظر آتی ہیں۔ پہلی صفت یہ کہ وہ صدیق ہوتا ہے۔ ہمیشہ سچ بولتا ہے اور ہمیشہ حق کی تصدیق کرتا ہے، دوسری صفت یہ کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ فی اللہ تعاون اور دوستی کرتا ہے۔ ممدو معاون ثابت ہوتا ہے رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ والی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ امام مالک، احمد اور طبرانیؒ نے حضرت معاذؓ بن جبل سے روایت کی ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں ان لوگوں سے ضرور محبت کرتا ہوں جو آپس میں میری وجہ سے محبت کرتے ہیں میری رضا جوئی کے لیے ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور میری خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں۔"

صحیح مسلم میں نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے۔ "جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے۔ اے جبریل! میں اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں۔ تُو بھی اس سے محبت کر۔ پس جبریل بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ پھر وہ آسمان میں منادی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہے۔ تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر سب اہل آسمان اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین پر اس کی مقبولیت کا چرچا ہو جاتا ہے (اور لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں)۔

اسی طرح جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے تو جبریل کو بھی اسے ناپسند کرنے کا حکم ملتا ہے۔ پھر جبریل آسمان میں اس کے مبغوض اور ناپسندیدہ ہونے کی منادی کرتا ہے آسمان والے اس سے بغض کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین میں اس کے متعلق نفرت و بغض کا جذبہ بڑھنے لگتا ہے۔"

Marfat.com

یہ تو "ولی" کا مختصر سا مفہوم تھا۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مسلمان اللہ کا ولی کس طرح بن سکتا ہے۔اور اسے کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔

سب سے پہلے اسے صحیح معنوں میں مسلمان بننا چاہئے اور ان شرائط پر پورا اترنا چاہئے جو پچھلے باب میں بیان کی گئی ہیں۔ان سے مسلمان کے ایمان میں جب پختگی اور استحکام پیدا ہو جائے تو دل میں تقویٰ پیدا ہو جاتا ہے جب تقویٰ پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنے قرب کی راہیں آسان کر دیتا ہے۔پھر صراط مستقیم کی مشکلات اس کے لیے کٹھن نہیں رہتیں۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا (الطلاق ۴)

"اور جو اللہ (کی ناراضی) سے ڈرے (اللہ) اس کے لیے اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔" اس کے ساتھ ہی مسلمان کے لیے منجانب اللہ دو باتیں اور بھی ہوتی ہیں پہلی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے نیک اور صالح اعمال کی وجہ سے اس کی برائیاں دور کر دیتا ہے۔دوسری بات یہ کہ ان صالح اعمال کی بدولت اس کی اخروی زندگی بہتر ہو جاتی ہے۔مثلاً فرمایا۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا (الطلاق:۵)

"اور جو اللہ (کی ناراضی) سے ڈرے گا۔اللہ اس سے اس کی برائیوں کو دور کر دے گا۔اور اسے بڑا اجر دے گا۔"

جب متقی (مومن) کی برائیاں دور ہو جاتی ہیں تو اس کی سیرت اور اخلاق و کردار نکھر جاتے ہیں۔اور وہ اس نکھار (پاکیزگی و طہارت) کا اثر اپنے قلب و ذہن میں پاتا ہے۔ دل کی تمام بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔روح میں لطافت پیدا ہوتی ہے۔دل کے اندر ہر قسم کے بت ٹوٹ جاتے ہیں۔ماسواہ کی یاد یکسر ختم ہو جاتی ہے۔صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی یاد سے اس کے قلب کی بستی آباد ہوتی ہے اور اس کا ظاہر و باطن ایک ہو جاتا

Marfat.com

ہے۔ اسے نیکی سے شدید محبت اور بدی کے تصور سے بھی شدید نفرت ہونے لگتی ہے۔ یہ ساری تبدیلی صرف اس وجہ سے ہوتی ہے کہ مسلمان کا اللہ رب العزت کی ذات بابرکات پر پختہ اور غیر متزلزل یقین ہوتا ہے وہ خالص اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی اتباع میں شریعت کی پیروی اس حد تک ہوتی ہے کہ اس کا ہر عمل سنت رسول کی عکاسی کرتا ہے۔ وہ شریعت کے سیدھے راستے سے بال برابر بھی ادھر ادھر نہیں ہوتا۔ پھر کیا ہوتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت اس مومن پر ہونے لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اور جس سے اللہ محبت کرے پھر اسے تو کوئی خوف اور غم نہیں ہوتا۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ۔ (یونس: ۶۲۔۶۳)

"خبردار! بیشک اللہ کے مطیع و فرمانبردار بندے (اولیاء کرام) وہ لوگ ہیں جنہیں نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ انہیں کوئی غم ہوگا۔ یہ وہی لوگ تو ہیں جو (پختہ) ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا۔"

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔

"(اور یہ بھی یاد رکھو کہ) ان کے لیے دنیاوی زندگی میں بھی خوش خبری ہے اور آخرت (کی ابدی زندگی) میں بھی (ایسا ہی ہے کیونکہ) اللہ کی باتیں بدلتی نہیں ہیں۔ یہی بہت بڑی سعادت و کامیابی ہے"۔۔۔۔۔۔ کیا اتنی بڑی سعادت اور کامیابی ایسے ہی مل گئی ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ صحیح معنوں میں ایمان لایا۔ پھر تقویٰ اختیار کیا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں سر تسلیم خم کیا۔ سنت کو مضبوطی سے تھاما۔ کیونکہ یہی وہ سیڑھی ہے جو مسلمان کو اللہ تک لے جاتی ہے۔ قرآن کے حقوق ادا کرتے ہوئے اس

Marfat.com

پر عمل کیا۔ یعنی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ کر ملتِ اسلامیہ کا ساتھ دیا۔ یہی وہ وسیلہ ہے جس سے معرفتِ الٰہی اور قربِ الٰہی کے دروازے کھلتے ہیں۔ ہادی برحق ﷺ نے فرمایا۔

"تمہارا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک تمہارا ہر عمل اس کے مطابق نہیں ہو جاتا جو میں لایا ہوں۔ یعنی قرآن اور میری سنت۔"

اس حدیث کی تائید میں اللہ تعالیٰ نے بھی وضاحت فرمائی ہے۔

"فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔" (البقرہ:۳۸)

"پھر جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے اسے نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ غم۔"

یہاں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ حزن و خوف سے محفوظ رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہدایت الٰہی (قرآن حکیم) کی پیروی کی جائے۔ اللہ کے احکامات پر عمل کیا جائے۔ چونکہ اولیاء اللہ کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ انہیں کسی قسم کا خوف اور غم نہیں ہوگا اس لئے اس سے ثابت ہو گیا کہ اولیاء اللہ وہ برگزیدہ نفوس ہوتے ہیں جو ہدایت الٰہیہ پر عمل کرتے ہیں اور اللہ کے احکامات کی صحیح معنوں میں تعمیل کرتے ہیں۔ ہدایت الٰہیہ کا حکم کیا ہے؟------

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ (الحشر:۷)

"اور جو کچھ رسول ﷺ تمہیں دیں وہ لے لو۔ اور جس (بات) سے منع کریں رک جاؤ۔ اور اللہ (کی ناراضی) سے ڈرو۔ بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔"

Marfat.com

ہادی برحق نبی رحمت ﷺ نے خود ارشاد فرمایا۔ "جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو اپنی استطاعت بھر اس پر عمل کرو اور جس بات سے روک دوں اس سے رک جاؤ۔" (بخاری و مسلم) ہدایت الٰہیہ کب ملے گی۔۔۔۔؟ قرآن اس کا حل بتاتا ہے۔ وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا۔ "اور اگر تم نے (اس رسول ﷺ) کی اطاعت کی تو ہدایت پر آ جاؤ گے۔" ہدایت یافتہ لوگ جو اللہ کی ہدایت کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت میں سنت کی اتباع کرتے ہیں انہیں اس دنیا میں نہ تو کوئی خوف اور غم ہوتا ہے اور نہ آخرت کی ابدی حیات میں۔

منزل کی طرف جانے والا دشوار گزار راستہ

لیکن۔۔۔۔۔۔ خلوص نیت سے جدوجہد کرنے والوں کے لئے آسان تر۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ۔

(حم السجدہ: ۳۰۔۳۲)

"بیشک وہ لوگ جنہوں نے کہا۔ اللہ ہمارا رب ہے۔ پھر اس پر ثابت قدم رہے۔ ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔ (اور وہ ان سے کہتے ہیں) نہ خوف کھاؤ، نہ غم کرو۔ اور خوش ہو جاؤ۔ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست ہیں اور آخرت میں بھی وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا۔ اور جس چیز کی تمنا کرو گے وہ تمہاری ہو گی۔ یہ ہے سامانِ ضیافت اس ہستی کی طرف سے جو غفور اور رحیم ہے۔"

Marfat.com

اللہ کو اپنا رب کہہ دینا جتنا آسان ہے۔ اس قول پر ہر حالت میں پورا اترنا اتنا ہی مشکل ہے۔ ایمان باللہ کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ایک ایسا واحد سہارا سمجھ کر بایقین توکل کیا جائے کہ کسی اور سہارے کا تصور بھی دل میں پیدا ہونے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ پھر اس ایمان پر ڈٹ جاؤ۔ جیسا کہ ہادی برحق کا ارشاد گرامی ہے۔"

قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔

"کہہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس عقیدے پر ڈٹ جا۔" (رواہ مسلم)

اس کے لیے ٹھوس قوت ارادی کی ضرورت ہے۔ جو خلوص نیت سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ انسان جب کسی نیک کام کے کرنے کی خلوص کے ساتھ نیت کرتا ہے اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسانیاں پیدا کر دیتا ہے۔ اور اگر کوئی صراط مستقیم سے ہٹ جائے تو ارشاد ہوتا ہے۔ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى (النساء: ۱۱۵) "ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے۔"

کیونکہ جدھر کوئی مڑتا ہے۔ ہم اسے ادھر ہی موڑتے جاتے ہیں۔ اگر کوئی نیکی کی طرف جدوجہد کرتا ہے اور اپنی نیت کو خالص رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور عنایت اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ اسے اللہ کی طرف سے استقامت اور تسکین ملتی ہے۔ اس کا ذوق شوق بڑھتا ہے۔ وہ اپنے دل میں روحانی لطافت محسوس کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے نفس کی کثافت کی تاریکی سے نکال کر روح کی لطافت کی روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت تو یہ ہے کہ کوئی آئے میرے قریب۔ کوئی ارادہ تو کرے۔ کوشش تو کرے۔ پھر دیکھے میری رحمت کس طرح اسے چاروں طرف سے گھیرتی ہے۔ اے انسان! میری طرف آ۔ میں تیرا خالق ہوں مالک ہوں اور رحیم و کریم بھی ہوں۔ تیرا اپنا ہوں۔ اپنے کو چھوڑ کر بیگانوں کی طرف کیوں بھاگتا ہے؟ یہی تو افسوس کی بات ہے میرے بندے ذرا مجھے پکار کے دیکھ۔ مَیں تیری شہ رگ سے بھی قریب ہوں۔ اتنا

Marfat.com

قریب اور تو کوئی نہیں ہو سکتا۔ آ میری طرف آ۔"

...... آج ہم لوگ پریشان ہیں۔ منتشر ہیں۔ اندر سے ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں۔ آئیں ذرا دل کی بستی میں جھانک کر دیکھیں۔

وہاں گھپ اندھیرا ہے۔ اوہو۔ یہ بستی تو بڑی ویران ہے۔ کھنڈرات نظر آ رہے ہیں اس میں۔ یہاں تو کئی بت ہیں۔ خواہشات کے بت۔ انا کے بت۔ شخصیات کے بت۔ اپنے اپنے فرقوں کے بت۔ یہاں تو نفس نے ڈیرہ جما رکھا ہے۔ طمع، حرص، بغض، عناد، کینہ، تعصب سب نے مکڑی کی طرح جالے بُن رکھے ہیں۔ اور نفس کی ڈراؤنی صورت ایک عفریت کی طرح ان سب پر حکمرانی کر رہی ہے۔ ہو کا عالم ہے۔ گھپ سناٹا ہے...... ڈر گئے کیا؟ خیر دل کا دریچہ بند کر دو۔ دیکھ لیا اپنے اندر کا انسان؟ کتنا بھیانک ہے۔

اے انسان! کیا اللہ نے تمہیں اس لیے پیدا کیا تھا؟ افسوس کبھی اپنے خالق کو یاد ہی نہیں کیا۔ یہ اندھیرے تمہیں لے ڈوبیں گے۔ لیکن اے انسان! مایوس نہ ہو۔ مایوس تو کافر ہوتا ہے۔ تُو تو مسلمان ہے۔ سن اپنے اللہ کی بات!

قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

(البقرۃ:۲۵۶)

"بیشک راہِ ہدایت گمراہی سے الگ کر دی گئی ہے۔ پس جو طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر (ٹھوس) ایمان لائے یقیناً اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا نہیں۔ (اور یاد رکھو) اللہ سب کچھ سننے والا اور ہر بات کا علم رکھنے والا ہے۔"

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ. (البقرۃ:۲۵۷)

Marfat.com

"اللہ محافظ و سرپرست ہے ایمان والوں کا۔ وہ انہیں (کفر و شرک
و ضلالت کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی کی طرف
سے جاتا ہے۔ اور جنہوں نے کفر اختیار کیا اس کے ساتھی شیطان
ہیں۔ جو انہیں نور سے اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں یہی
لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔"

اے مسلمان! دیکھا تم نے! سنی اپنے اللہ کی بات! سیدھی اور صاف بات۔ پختہ ایمان والے کو اللہ کا مضبوط سہارا مل جاتا ہے۔ اللہ کی ولایت (سرپرستی) حاصل ہو جاتی ہے۔
لیکن جو لوگ اللہ کی سرپرستی کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے ان کی مثال تو مکڑی جیسی ہے۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَوْلِیَآءَ کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا وَاِنَّ اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ۔
(العنکبوت:۴۱)

"جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرست بنا لیے ہیں۔
ان کی مثال مکڑی جیسی ہے۔ جو اپنا ایک گھر بناتی ہے۔ اور سب
گھروں سے کمزور گھر تو مکڑی ہی کا ہوتا ہے۔ کاش یہ لوگ (اس
حقیقت کو) جانتے!"

عقائد و اوہام باطلہ اور اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی سرپرستی یہ تو مکڑی کے گھر ہیں۔ مکڑی یہ سمجھتی ہے کہ میں نے بڑا مضبوط گھر بنایا ہے جو آفات و مصائب سے مجھے بچا لے گا۔ لیکن یہ جالے کا گھر ------؟ ہادی کامل ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "بہت سے لوگوں نے اللہ کو اپنا رب کہا۔ مگر ان میں سے اکثر کافر ہو گئے۔ ثابت قدم وہ شخص ہے جو مرتے دم تک اسی عقیدے پر جما رہا۔" (نسائی شریف) مضبوط سہارے کے لئے استقامت کی ضرورت ہوتی ہے۔ استقامت کے بارے میں سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے

Marfat.com

فرمایا۔ "جب تُو کہہ دے کہ اللہ میرا رب ہے تو پھر اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنا۔ اور کسی دوسرے (جھوٹے) معبود کی طرف توجہ نہ کر۔" (ابن جریر)

سیدنا عمرؓ بن خطاب فاروق اعظم نے فرمایا۔ "اللہ کی قسم۔ استقامت اختیار کرنے والے وہ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر مضبوطی سے قائم ہو گئے۔ لومڑیوں کی طرح ادھر ادھر دوڑتے نہ پھرے۔" (ابن جریر) سیدنا عثمان غنیؓ نے ارشاد فرمایا۔ "استقامت یہ ہے کہ تُو اپنے عمل کو اللہ کے لئے خالص کر لے۔" (تفسیر کشاف)

سیدنا علی المرتضیٰؓ نے فرمایا۔

"استقامت اس چیز کا نام ہے کہ تُو اللہ کے عائد کردہ فرائض فرمانبرداری سے ادا کرے۔" (تفسیر کشاف)

یہ ہے وہ استقامت جو اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ اس کے لیے دو باتیں ہیں۔ پہلی بات یہ کہ طاغوت کو چھوڑ دیا جائے، سرکشی اور فساد کی تمام شیطانی قوتوں کو توڑ دیا جائے۔ نفسانی خواہشات کو مٹا دیا جائے پھر ایمان باللہ پر ڈٹ جائے۔ اس سے تقویٰ پیدا ہو گا۔ مومن جوں جوں تقویٰ کی بلندیوں کو چھوئے گا۔ اس کے درجات اسی حساب سے بلند ہوتے جائیں گے۔ ایک درجہ آئے گا کہ مومن کا شمار مقربین میں ہو جائے گا۔ جو ولایت کا بلند مقام ہے قیامت کے دن لوگ تین گروہوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ دائیں طرف والے، بائیں طرف والے۔ اور مقربین۔ تمام مخلوق بارگاہ الٰہیہ میں حاضر ہو گی۔

دائیں طرف۔ صالحین کا گروہ ہو گا۔ بائیں طرف فاسقین کا گروہ ہو گا۔ اور بارگاہ الٰہیہ کے قریب مقربین کا مقدس گروہ ہو گا۔

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۞ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ۔

"اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے وہی مقربین ہیں۔

Marfat.com

نعمت بھری جنتوں میں۔" (الواقعہ: ۱۰۔۱۲)

مقربین بارگاہ ------ ہی اولیائے کرام ہیں۔ اللہ کی ولایت کے ماتحت سب اعلیٰ مقام رکھنے والے برگزیدہ نفوس۔ یہ مقربین کیسے وہاں تک پہنچے۔

یہ وہی ہیں جو نیکی اور حق پرستی میں سب پر سبقت حاصل کرتے رہے بھلائی کے ہر کام میں آئے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں سب سے آگے۔ سب سے زیادہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے والے۔ ان کی سب سے بڑھ کر جس خوبی کا اظہار نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ وہ وہی ہے جو پچھلے باب میں بیان کی گئی ہے۔ جس سے بڑھ کر شاید ہی کوئی نیکی ہو۔

"یعنی تم اس وقت تک ایمان والے نہیں بن سکتے جب تک اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی کچھ پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔" ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ نے لوگوں سے پوچھا۔ "جانتے ہو قیامت کے دن کون لوگ سب سے پہلے اللہ کے سایہ میں جگہ پائیں گے؟" لوگوں نے جواب دیا۔ "اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا۔ "وہ لوگ کہ جب ان کے سامنے حق پیش کیا گیا انہوں نے فوراً قبول کر لیا۔ جب ان سے حق مانگا گیا انہوں نے ادا کر دیا۔ اور دوسروں کے معاملے میں ان کا فیصلہ وہی کچھ تھا جو خود اپنی ذات کے معاملے میں تھا۔" (مسند احمدؒ)

انسانی فطرت کی تین صورتیں: انسانی فطرت کی تین صورتیں ہیں جنہیں نفس کی تین اقسام بھی کہا جاتا ہے۔ انہی تین اقسام میں قیامت کے دن تمام مخلوقات بٹ جائے گی۔

۱۔ **نفسِ امارہ (مردہ ضمیر): انسانی فطرت کی مسخ شدہ تصویر:** نفس امارہ کے حامل وہ بدکار ہوتے ہیں جن کا ضمیر یعنی اندر کا انسان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مردہ ہو چکا ہوتا ہے۔ اور وہ گناہ کو گناہ تصور ہی نہیں کرتے۔ یہ گروہ فاسق و فاجر اور کفار کا ہوتا

Marfat.com

ہے۔اس میں کچھ ایسے نام نہاد مسلمان بھی آسکتے ہیں جو ساری عمر نیکی کا کوئی کام بھی نہیں کرپاتے۔

۲۔ نفسِ لوّامہ:(زندہ ضمیر)انسانی فطرت کی دھندلی تصویر: نفس لوامہ کے حامل وہ مسلمان ہوتے ہیں جو برائی کریں توان کا ضمیر جوزندہ ہوتا ہےانہیں ضرور ملامت کرتا ہے۔وہ گناہ پر شرمندہ ہوتے ہیں اور فوراً اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر سچی توبہ کرتے ہیں۔ایسا نفس بھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔سورہ القیمٰہ آیت ۲ میں نفس لوامہ کی قسم کھائی گئی ہے۔ارشاد ہوتا ہےوَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۔"اور نہیں۔میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی۔''اس گروہ میں مسلمان صالحین شامل ہوتے ہیں جو داہنی طرف والے ہیں۔ ان کے لئے جنت میں بلند مقام ہے۔نفس لوامہ کے حامل لوگوں کی فطرت خیر کی طرف راغب ہوتی ہے۔وہ سلیم الفطرت ہوتے ہیں۔انسانی ضمیر اخلاقی اور غیر اخلاقی افعال کو پرکھنے کی ایک بہت بڑی کسوٹی ہے۔انسان جب گناہ کی طرف بڑھتا ہےیاگناہ کرلیتاہے تواس کا ضمیر اسے بلامت کرتا ہے۔کہ تم اچھا کام نہیں کررہے۔ضمیر زندہ ہو تو مسلمان گناہ سے بچارہتا ہے۔اگراس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ فوراً توبہ کرکے اپنی اصلاح بھی کرتارہتا ہے۔

۳۔ نفسِ مطمئنہ(روشن ضمیر)انسانی فطرت کی واضح تصویر: نفس مطمئنہ کے حامل وہ برگزیدہ لوگ ہیں جو گناہ کے تصور کو بھی براجانتے ہیں۔وہ اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ان کا ضمیر روشن ہوتا ہے۔یہ اللہ کے مطیع وفرماں بردار بندے(اولیاء کرام)ہوتے ہیں۔جنہوں نے مکمل طور پر اپنے آپ کو اللہ کی سرپرستی میں دے رکھا ہے۔یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں "اللہ ہمارارب ہے"اور پھر اس عقیدے پر استقامت حاصل کرلیتے ہیں۔جب یہ دنیا سے جاتے ہیں تو مطمئن ہوتے

Marfat.com

ہیں اپنی اس زندگی پر جو انہوں نے اپنے رب کی رضا و خوشنودی اور اپنے رسول ﷺ کی سنت کی اتباع میں گزاری۔ اس دنیا کو چھوڑتے ہوئے جب روشن ضمیر بندہ اپنے رب کی ملاقات کی خواہش لے کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے ایک خوش خبری سنائی جاتی ہے۔ ندا آتی ہے۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ۔ (الفجر: ۲۷۔۳۰)

"اے اطمینان والی جان! واپس چلو اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تُو اس سے راضی (اور) وہ تجھ سے راضی۔ پس شامل ہو جاؤ میرے (خاص) بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں۔"

اللہ کی رضا پر راضی بندے کی کتنی قدر و منزلت ہے! خود دعوت دی جا رہی ہے۔ کہ آ ---- میرے بندے آ ------ گھبراتے ہوئے نہیں۔ خوش و خرم، مطمئن ---- آ۔ حریم ناز میں اس شان سے آ کہ تُو اپنے رب پر راضی اور تیرا رب تجھ پر راضی۔ کیا کرم ہے! کس قدر بندہ نوازی ہے اور کتنی بلند قسمت ہے!! یہ ہے مقام رضا۔ جو طریقت میں سب سے بلند مقام ہے۔ جہاں مقربین ہوں گے۔ اپنے رب کریم کے بالکل سامنے دیدار الٰہی سے سرشار۔ یہ بشارت بندۂ مومن کو موت کے وقت بھی دی جاتی ہے اور روز محشر جب قبروں سے اٹھایا جائے گا اس وقت بھی یہ خوشخبری سنائی جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب بندۂ مومن فوت ہونے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ دو فرشتوں کو اس کی طرف بھیجتا ہے۔ وہ اسے کہتے ہیں۔ "اے نفس مطمئنہ! اس دار فانی سے نکل اور راحت و آرام اور گل پوش وادیوں کی طرف چل اور اپنے اس پروردگار کی طرف چل جو تجھ سے راضی ہے۔"

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر

Marfat.com

صدیقؓ بارگاہ رسالت میں حاضر تھے۔ عرض کرنے لگے یارسول اللہ ﷺ! ما احسن هذا۔ "" یہ کتنی اچھی بات ہے!" حضور ﷺ نے فرمایا۔ "اے ابو بکرؓ! جب تم اس دنیا سے رخصت ہو گے تو تمہیں بھی یہ بشارت دی جائے گی۔" (ابن کثیر)

حافظ ابن عساکرؒ کے حوالے سے علامہ ابن کثیرؒ ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضور رسالت مآب ﷺ نے ایک شخص کو یہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی۔

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ نَفْساً بِكَ مُطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَآءِ كَ وَتَرْضٰی بِقَضَآءِكَ وَ تَقْنَعُ بِعَطَآءِ كَ۔"

"اے اللہ! میں تجھ سے نفس مطمئن کا سوال کرتا ہوں جو تیری ملاقات پر ایمان رکھتا ہو جو تیری قضا پر راضی ہو۔ اور جو تیری عطا پر قانع ہو۔"

نفس کس طرح مطمئن ہوتا ہے!۔۔۔۔۔ اللہ کے ذکر کے ساتھ۔ کیونکہ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ اولیاء کرام کا یقین اللہ تعالیٰ پر اس قدر پختہ ہوتا ہے کہ وہ ماسواء سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ چونکہ تقویٰ اختیار کئے ہوتے ہیں اس لئے گناہ کی کثافتیں دور ہو جاتی ہیں۔ اور قلوب اللہ تعالیٰ کی صفات حمیدہ کی تجلیات سے منور ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اپنی خواہشات اور مرضی کو اللہ کی رضا میں فنا کر دیتے ہیں۔ یہی فنا فی اللہ ہے۔ اس سے بقا حاصل ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تمکین سے نوازتا ہے۔ یہ مقام ذکر الٰہی کی کثرت اور دوام سے حاصل ہوتا ہے۔

فنا فی اللہ۔۔۔۔۔

شریعت و طریقت میں "فنا فی اللہ" سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنی ذات کے ناقص ہونے کا مکمل احساس پیدا کر لے۔ اس کی کوئی خواہش باقی نہ رہے وہ مکمل طور پر اپنی نفی کر دے اور وہ اپنے آپ کو ہر لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ جو ہمیشہ سے ہے اور

Marfat.com

ہمیشہ رہے گا۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ☆ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَام

(سورۃ الرحمٰن: ۲۶، ۲۷)

"ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ اور صرف آپ ﷺ کے رب کی ذات کے لئے بقا ہے جو جلال واکرام والا ہے۔"

بعض لوگوں نے فنا کا مطلب کچھ اور لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فنا کا مطلب فقدان ذات اور ازالہ شخصیت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بقا میں پیوست ہو جانے کو بقا کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے فنا فی اللہ سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ انسان یہ سمجھے کہ میری ذات تو رہی نہیں اور نہ یہ میرا وجود ہے۔ اور مَیں تو رہا نہیں یہ سب حق تعالیٰ ہی ہے۔ اور یہ کہ مَیں نے اپنی ذات کو اللہ کی ذات میں فنا کر دیا ہے۔ اس نظریئے کو سمجھنے کے لئے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اسلام میں سکر و مستی کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے اسلام ہمیں بیداری اور ہوش مندی کا درس دیتا ہے۔ ولی اللہ کے درجات جس قدر بلند ہوں گے اتنا ہی وہ بیدار رہے گا۔ بیدار اور ہوش مند شخص ہی سوچ سکتا ہے کہ اوامر و نواہی کیا ہیں؟ حدود اللہ کیا ہیں؟ نیکی اور بدی میں کیا امتیاز ہے؟ جب ہوش ہی نہ رہے تو یہ سب باتیں بے کار ہیں۔ ایسی سکر و مستی جو فنا فی اللہ میں ضروری سمجھی جاتی ہے اسلام میں اس کا کوئی جواز نہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ سکر کی حالت جب وارد ہوتی ہے اس وقت ولی اللہ کے بس کی بات نہیں رہتی کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی شدت اس پر غالب ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا مطلب ہے فَاتَّبِعُوْنِیْ۔ اتباع رسول۔ یعنی سنت کی پیروی اور یاد رکھیں سنت میں سکر و مستی نہیں ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ساری حیات طیبہ ہمارے سامنے ہے۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ، سنت اور اسوۂ حسنہ کا ایک ایک جزو صاف وشفاف صورت میں بالکل عیاں ہے کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں۔ کوئی پہلو پوشیدہ نہیں اور حضور ﷺ سب سے بڑھ کر اللہ کی محبت میں سبقت لے

Marfat.com

جانے والے تھے۔ لیکن حضور ﷺ میں جس قدر اللہ کی محبت شدید ہوتی تھی اسی قدر ہوشمندی اور بیداری کی کیفیت غالب ہوتی تھی۔ وہاں بھی ہمیں حالتِ سکر نظر نہیں آتی۔ اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات زندگی ہمارے سامنے ہیں۔ حضور ﷺ کے وصال کے وقت شدت غم کی وجہ سے ایک کیفیت صحابہ کرامؓ پر وارد ہوئی تھی۔ اور حضرت عمر فاروقؓ نے تلوار نکال کر فرمایا۔ "جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ انتقال کر گئے ہیں اس کا سر قلم کر دوں گا۔" اس وقت سیدنا ابو بکر صدیقؓ وہاں پہنچے۔ سیدھے ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ چادر اٹھا کر حضور کا رخ انور دیکھا۔ پیشانی پر بوسہ دیا اور باہر تشریف لائے۔ صحابہؓ کو مخاطب کر کے بصیرت افروز تقریر فرمائی۔

"اے لوگو جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو محمد ﷺ تو آج وفات پا چکے ہیں۔ لیکن جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو بے شک اللہ زندہ ہے کبھی نہ مرے گا۔"

(سیرت ابن ہشام)

پھر آپؓ نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی۔ "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ---- الخ (آل عمران: ۱۴۴)

"اور نہیں محمد (ﷺ) مگر (اللہ کے) رسول۔ آپ ﷺ سے پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں۔ تو کیا اگر وہ انتقال کر جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو تم الٹے پاؤں (دین اسلام) سے پھر جاؤ گے؟" حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو لوگوں کو یوں لگا جیسے انہوں نے کبھی یہ آیت سنی ہی نہ تھی۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ جب مَیں نے یہ آیت سنی تو مجھے یوں محسوس ہوا گویا میرے پاؤں کٹ گئے ہیں اور مَیں کھڑا نہ رہ سکا اسی وقت زمین پر گر پڑا۔ اور مَیں نے جان لیا کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا۔" (سیرت ابن ہشامؒ)

شدتِ غم کی وجہ سے یہ جو کیفیت صحابہ کرامؓ پر وارد ہوئی تھی۔ اس کیفیت سے

Marfat.com

باہر نکالنے کے لئے ہوشمندی ہی کام آئی۔ بصورت دیگر حالتِ سکر کی یہ کیفیت کتنی پریشان کن ثابت ہوتی! سیدنا صدیق اکبرؓ نے صحابہ کرام کو اس کیفیت سے سلامتی کے ساتھ نکال لیا۔ اور ہمیں درس دیا کہ ایسی کیفیات جو بعض حالات میں وارد ہو جاتی ہیں یہ عارضی ہوتی ہیں اور ان کے اثرات ہمیشہ منفی ہوتے ہیں اور نہ ہی یہ کیفیات باعثِ عروج ہوتی ہیں۔ منصور حلاج نے ایسی ہی ایک کیفیت کے وارد ہونے پر "انا الحق" کا نعرہ لگادیا تھا۔ اور اس حالت سکر میں وہ اتنا دور چلے گئے کہ واپس نہ آسکے۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس کیفیت اور حالت سکر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ "اگر میں منصور حلاجؒ کے دور میں ہوتا تو انہیں اس حالت سے نکال لیتا۔"

یہ فنافی اللہ کی کیفیت نہیں ہے۔

فنافی اللہ کا مطلب: ا۔ ماسواء کو دل سے نکال کر صرف اللہ تعالیٰ کی یاد سے دل روشن ہو۔

۲۔ اپنی مرضی ختم کر کے اپنے آپ کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع کر لیا جائے۔

۳۔ اپنے تمام امور اللہ تعالیٰ کی سپرداری میں دے دیئے جائیں۔ در حقیقت فنا سے مراد فنائے ذکرِ غیر ہے۔ اور بقا سے مراد بقائے ذکر الٰہی ہے۔ تمام معبودانِ باطلہ جن میں ہوائے نفسانی بھی شامل ہے، کی نفی کر دینا اور صرف حق تعالیٰ کی رضا کا طالب ہونا۔ جب سالک کہتا ہے کہ اللہ ہی میرا رب ہے۔ وہی میرا معبود ہے۔ تو پھر وہ اپنے آپ کو احکام الٰہی کے سامنے مغلوب پاتا ہے۔ اور مغلوب ہمیشہ غالب کے سامنے فانی ہوتا ہے۔ وہ اپنی فنا کو دیکھ کر عاجزی اختیار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت سے وارفتہ ہو کر اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ وہ اللہ کی محبت میں تمام تکالیف تمام آزمائشیں بخوشی برداشت کرتا ہے اور شکر ادا کرتا ہے۔ وہ جان و مال کی قربانی دے کر مقام رضا

Marfat.com

حاصل کرتا ہے اور یہی فنافی اللہ کا مقام ہے۔ اس وقت اس کی قلبی کیفیت اللہ تعالیٰ کے نور سے لطیف ہو جاتی ہے۔ اور دل کی ہر دھڑکن لبیک اللھم لبیک کہتی ہے۔ دل سے آواز آتی ہے۔

اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(الانعام: ۱۶۳)

"بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا
سب کچھ اللہ رب العلمین کے لئے ہے۔"

سب بت توڑ کر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہو جاؤ۔ یہی فنافی اللہ ہے۔ یہاں سکر و مستی کی ضرورت نہیں۔ یہ تو اس راہ کی کیفیات ہیں جو بعض اوقات طاری ہو جاتی ہیں۔ یہ عارضی ہوتی ہیں۔ انہیں منزل نہیں سمجھ لینا چاہیے۔

اولیاء اللہ کے شب و روز اور ان کی صفات:

وہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوتے ہیں۔ ان کی پوری زندگی اسلامی ہوتی ہے۔ ان کے نظریات، خیالات، افعال و کردار سب کچھ اسلام کے تابع ہوتا ہے۔ ان کے دل میں گناہ کا تصور بھی آجائے تو اپنا محاسبہ کرتے ہیں۔

وہ دنیا میں چلتے پھرتے ہیں۔ رزق حلال کماتے ہیں۔ معاشرے کے اندر رہ کر حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتے ہیں۔ اوامر و نواہی کی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔ تبلیغ دین کا فریضہ ہر وقت ادا کرتے رہتے ہیں۔ اور اس پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتے۔ ان کا ہر عمل اللہ کی رضا کے ماتحت ہوتا ہے۔ اس طرح ان کا اٹھنا بیٹھنا ہر عمل عبادت ہوتا ہے وہ معاشرے سے قطع تعلق کر کے جنگلوں میں نہیں جاتے۔ لوگوں میں رہ کر اللہ کی یاد سے غافل بھی نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ خرید و فروخت بھی انہیں اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ ان کا وجود معاشرے میں نعمت سمجھا جاتا ہے۔ ان کی صحبت کا اتنا اثر

Marfat.com

ہوتا ہے کہ ان کے قریب بیٹھنے والے بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔ ان کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ ان کی صحبت میں سوائے اللہ کے اور کچھ یاد نہیں رہتا۔ اُن کی صورت دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کے چہروں پر نیکی کا پرتو ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ کسی حالت میں بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔

وہ اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں۔ اور اس کی ناراضی سے خائف بھی رہتے ہیں۔ یہی بات کسی سے شدید محبت کی علامت ہوتی ہے۔ نماز قائم کرتے ہیں اللہ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔ جان و مال سے جہاد کرتے ہیں۔ ہر معاملے میں اللہ کی رضا کے طالب رہتے ہیں۔ والدین، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ لالچ اور حرص سے محفوظ رہتے ہیں۔ لغویات سے اعراض کرتے ہیں۔ شرم و حیا کے پیکر ہوتے ہیں۔ امانت دار اور عہد کے پابند ہوتے ہیں۔ ہر حالت میں صبر و شکر کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان کا ظاہر ان کے باطن کی عکاسی کرتا ہے۔ وہ زمین پر تواضع کے ساتھ چلتے ہیں۔ وہ جہلاء سے الجھتے نہیں وہ اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام کی حالت میں راتیں گذارتے ہیں۔ لیکن اعتدال کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ وہ اپنے نفس کا بھی حق ادا کرتے ہیں۔ وہ جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے۔ وہ اپنے قول و فعل میں صادق ہوتے ہیں۔ مجاہد ہوتے ہیں۔ جہاد کا وقت آئے تو دشمن کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جاتے ہیں۔ عوام میں نرم خو، بلند خُلق اور ملنسار ہوتے ہیں۔ ان کا اخلاق متاثر کن ہوتا ہے۔ وہ اپنی ذات پر دوسرے کو ترجیح دیتے ہیں۔ شادی کراتے ہیں۔ مجرد زندگی کو اچھا نہیں سمجھتے۔ اپنی اولاد کی اسلامی خطوط پر تربیت کرتے ہیں۔

ان کی شخصیت پُر وقار ہوتی ہے۔ ان کے ظاہر میں انفرادیت اور ندرت پائی جاتی ہے۔ ان کی گفتار اور چال میں تواضع ہوتی ہے۔ فاسق و فاجر انہیں دیکھ کر مرعوب ہو جاتے ہیں۔ اذا رء و اذکر اللہ عزوجل۔ "جب ان کی زیارت کی جائے تو اللہ یاد آ

Marfat.com

جائے۔ "وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی کچھ پسند کرتے ہیں جو وہ اپنی ذات کے لیے پسند کرتے ہیں۔ اور یہی عمل ان کے درجات کو بڑھاتا رہتا ہے۔ یہی مقربین کا خلق ہے۔ یہی ان کی خوبی اور پہچان ہے۔ وہ اللہ کی مخلوق کا اس قدر خیال رکھتے ہیں کہ ان کی اپنی ذات پس منظر میں نظر آنے لگتی ہے۔

قرآن وحدیث کے عالم ہوتے ہیں۔ اور غور وفکر ان کی عادت ہوتی ہے۔ شریعت حقہ پر سختی سے کاربند رہتے ہیں ان کا کوئی عمل بھی شریعت سے باہر نہیں ہوتا۔ وہ سنت کو زندہ اور بدعات کو دور کرتے ہیں۔ وہ سنت کے طریقہ پر ہوتے ہیں۔ جس پر چلتے ہوئے وہ لوگوں کا تزکیہ نفس کرتے ہیں۔ قلوب کی اصلاح کرتے ہیں۔ جو لوگ ان سے علم سیکھتے ہیں اپنی اصلاح کی خاطر ان کی شاگردی میں آتے ہیں۔ وہ ان سے بیعت کرتے ہیں۔ بیعت چند باتوں پر لی جاتی ہے۔ "کہ اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہیں ٹھہراؤں گا نماز قائم کروں گا۔ روزے رکھوں گا۔ نیک کام کروں گا۔ برے کاموں سے باز رہنے کی کوشش کروں گا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں رہ کر زندگی بسر کرونگا۔" اسے طریقت کا نام دیا گیا ہے۔ طریقت، شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ شریعت ہی کا ایک جزو ہے۔ یہ ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔ جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے شریعت کے اندر رہ کر مرید کو باقاعدہ دین کا علم سکھا کر اس کی اصلاح کرنے کا نام طریقت ہے۔ شریعت سے باہر کوئی طریقت نہیں اور سنت کے بغیر نجات نہیں۔

لوگوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ہر وقت اپنا محاسبہ بھی کرتے رہتے ہیں تفقہ فی الدین کرتے ہیں۔ ان کا سماع تلاوت قرآن پاک ہے۔ آیات کو سن کر ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان کی روحانیت بلند ہوتی ہے۔ اللہ سے ان کا تعلق پختہ تر ہوتا ہے۔ وہ راتوں کو قیام کرتے ہیں تو آیات تلاوت کرتے ہیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو

Marfat.com

جاری ہوتے ہیں۔ دل میں سوز و گداز پیدا ہوتا ہے۔ رقت قلب پیدا ہوتی ہے۔ یہی ان کا وجد ہے جو حالت بیداری میں ہوتا ہے۔ خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ حالت سجدہ میں اللہ کے سامنے اپنے عجز و انکسار کا اس شدت سے اظہار کرتے ہیں کہ اس کا اثر ان کے چہروں سے عیاں ہوتا ہے۔ پھر کیفیت کچھ یوں ہوتی ہے۔

سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ (الفتح:۲۹)

"(اللہ کے حضور انکسار کے) سجدوں کے اثرات ان کے چہروں
پر موجود ہوتے ہیں۔ جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔"

وہ غیر شرعی سماع کے قائل نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ شریعت سے باہر نہ کوئی عمل کرتے ہیں نہ اسے پسند کرتے ہیں۔ ان کا سماع تلاوت قرآن پاک، ذکر الٰہی اور مدحت رسول ہے۔ وہ اس سے آگے نہیں بڑھتے۔

اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ سے کفر کے اندھیروں کو دور کرتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند، چین، روس، انڈونیشیا، افریقی اور یورپی ممالک میں اولیائے کرام نے دور دراز علاقوں میں سفر کیے اور اسلام کی شمعیں روشن کیں۔ ان کی جہد مسلسل، اخلاق حسنہ اور سادہ اسلامی تعلیمات نے دلوں کو بدل کے رکھ دیا۔ کفر کے اندھیرے چھٹ گئے۔ لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے آج جو مسلمان ہمیں دنیا کے کونے کونے میں نظر آرہے ہیں وہ انہی نفوس قدسیہ کی مساعی جمیلہ کی وجہ سے ہیں اور یہ کام کوئی آسان نہ تھا۔ انہوں نے تبلیغ اسلام کی خاطر گھر بار چھوڑا، ہجرت کی، کفرستان میں اللہ کا نام لیا۔ سختیاں جھیلیں پھر جا کر کہیں ان کی محنت رنگ لائی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ اگر ان میں استقامت نہ ہوتی تو یہ کٹھن کام اپنی تکمیل کو نہ پہنچ سکتا۔ اولیاء کرام ایسی ہی صفات سے متصف ہوتے ہیں۔

Marfat.com

اللہ کو اپنا رب تسلیم کرنے کے بعد اسی عقیدہ پر ڈٹ جانے ہی سے ایسی ایسی کرامات رونما ہوتی ہیں۔ جن کی تاثیر اندھی آنکھوں کو نورِ بصیرت بخشتی ہے۔

کرامت کیا ہے؟

اللّٰہُ رَبّیَ۔ پر استقامت کی تاثیر

بسااوقات ایسا بھی ہوا کہ کفار ومشرکین نے ولی اللہ کا چہرہ دیکھا تو مبہوت ہو کر رہ گئے۔ اور حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ عقیدہ کی پختگی، سنت کی پابندی اور بلند خُلقی مسلمان کے اندر ایسی قوت اور تاثیر پیدا کر دیتی ہیں کہ اس کا ہر عمل کرامت بن جاتا ہے۔

روحانی امراض کے طبیب: جس طرح انسانی جسم مختلف بیماریوں کا شکار ہوتا ہے۔ اسی طرح انسانی روح بھی بے شمار امراض کا شکار ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سوائے بڑھاپے کے کوئی ایسی بیماری پیدا نہیں کی جس کا علاج بھی پیدا نہ کیا ہو۔ روح کی صحت اور بیماری کی علامتیں انسانی اعمال کی صورت میں رونما ہوتی ہیں۔ اگر انسان کے اعمال شریعت محمدیہ کے مطابق ہیں تو وہ شخص روحانی طور پر صحت مند ہوتا ہے۔ اور اگر اس سے غیر شرعی اعمال صادر ہو رہے ہیں اور گناہ کی طرف اس کی طبیعت مائل رہتی ہے۔ تو ایسا شخص روحانی طور پر بیمار ہے۔ جس طرح جسمانی امراض کی شدت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح روحانی امراض میں بھی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ روحانی امراض کی شدت اس وقت ہوتی ہے جب انسان کے قلب پر نفس امارہ کا قبضہ ہوتا ہے۔ اگر یہ قبضہ دیر تک رہے تو ضمیر مردہ ہو جاتا ہے۔ ضمیر کی موت انسانی سیرت و کردار کی موت ہے۔ نیکی کی موت ہے۔ گناہ کے مہلک جراثیم اس کی روح کو اتنا لاغر کر دیتے ہیں کہ اس کی صحت کی امید باقی نہیں رہتی۔ اور ایسا روحانی مریض تڑپ تڑپ کر سسک سسک کر مر جاتا ہے۔ اور فاسق وفاجر کہلاتا ہے۔

روحانی امراض کے طبیب اولیاء اللہ ہیں۔ جو ایسے مریضوں کا علاج کرتے ہیں

Marfat.com

اس کے لئے ضروری ہے کہ مریض ان کی صحبت اختیار کرے۔ صوفیا میں بیعت کا طریق اسی اصول کے تحت رائج ہے۔ بیعت کے لئے یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ خلوصِ نیت ہو اور اللہ کے ولی کی صحبت اختیار کرنے کا مقصد یہ ہو کہ روحانی امراض دور ہو جائیں۔ تاکہ قلب سے ماسواء کے بت نکال کر ذکر الٰہی کی شمع روشن کی جائے۔ اور چاہئے کہ روحانی طبیب کی اچھی طرح پہچان کر لی جائے۔ تاکہ انسان کسی ایسے نام نہاد اور منافق کے قبضے میں نہ آجائے جس کا ظاہر و باطن ایک نہیں ہوتا۔ اور وہ ان خصوصیات پر پورا نہیں اترتا۔ جو ایک ولی اللہ یعنی اللہ کے مطیع و فرماں بردار بندے میں پائی جاتی ہیں۔ ذکر الٰہی، عبادات اور قرآنی تعلیمات، ادویات اور نسخہ جات ہیں۔ شیخ و مرشد طبیب کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح نسخوں سے بھری ہوئی کتاب سے بغیر طبیب اور حکیم کے صحیح طور پر استفادہ نہیں کیا جاسکتا۔ بعینہٖ قرآنی تعلیمات کو سمجھنے کیلئے کسی عالم باعمل (ولی اللہ) کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔

جسمانی بیماریوں کی طرح روحانی بیماریاں بھی بہت سی ہوتی ہیں۔ جس طرح جسمانی بیماریوں میں سرطان، تپ دق، چیچک، تپ محرقہ، خسرہ، ہیضہ اور ملیریا بہت خطرناک ہوتی ہیں۔ اسی طرح روحانی امراض میں کفر، شرک، نفاق، تکبر، شحِ نفس، بغض، حسد۔ کینہ، غیبت۔ تعصب، فسق و فجور، قتل و غارت، ظلم، بخل، بد خُلقی، بد ظنی، بے حیائی، دروغ گوئی، خیانت، وعدہ خلافی، جہالت، خود غرضی، حرص، ریاکاری، بے ادبی، کاہلی اور دیگر افعال بد، روح کے لئے کافی مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ جن کا ہر وقت علاج انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ جسمانی امراض جسمانی موت کا موجب بنتے ہیں۔ لیکن روحانی امراض ایمان کے خاتمے اور آخرت کی بربادی کا باعث بنتے ہیں۔ آخرت کی بربادی سے جسمانی موت بدرجہا بہتر ہے۔ جس کے بعد نعمتوں بھری دائمی زندگی ملتی ہے۔ مگر روحانی امراض سے مراہوا شخص دائمی عذاب کا حقدار ٹھہرایا جاتا ہے۔

Marfat.com

ہم جس قدر زیادہ توجہ اپنے جسم کی صحت کی طرف دیتے ہیں اس کا عشر عشیر بھی روحانی صحت و پاکیزگی کی طرف نہیں دیتے۔ ہم میں سے اکثر صحت مند جسم رکھنے کے باوجود باطنی مریض ہوتے ہیں۔ لوگ ان کی صحت سے متاثر ہو کر رشک کرتے ہیں لیکن وہ اندر سے اپنی زندگی سے بھی تنگ ہوتے ہیں۔ وہ ایسی زندگی سے مر جانا چاہتے ہیں۔

روح ویسے تو سارے جسم کے ہر خلیے میں موجود ہوتی ہے لیکن اس کا اصلی گھر قلب انسانی ہے۔ روحانی طبیب (شیخ و مرشد اللہ کا مقرب بندہ) اپنے مریض (مرید صادق اور شاگردِ رشید) کا علاج کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسے ذکر الٰہی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ وہ اس لیے کہ روحانی امراض قلب انسانی میں پیدا ہوتے ہیں۔ نفس امارہ کے حامل بدکاروں کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ ان کے قلوب گناہوں کی کثرت کی وجہ سے زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔

رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ (المطففین ۱۴)

گناہ کی اس غلاظت (زنگ کے اثر) کو اتارنے کے لیے ذکر الٰہی اکسیر ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "ہر چیز کو صاف کرنے کے لئے ایک چیز ہوتی ہے۔ دلوں کو صاف کرنے کی چیز اللہ کا ذکر ہے۔" (رواہ بیہقی)

قلب پر ذکر الٰہی کے اثرات ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ماسواء کے بت ٹوٹنے لگتے ہیں۔ گناہوں کے اثرات زائل ہونے لگتے ہیں۔ شرک اور فسق و فجور کے اندھیرے دور ہو جاتے ہیں۔ ان کی جگہ اِلاَّ اللّٰہ کی روشنی قلب کو منور کرتی ہے۔ روح جو گناہوں کی کثافت سے آلودہ ہوتی ہے۔ ایمان کی لطافت سے دھل جاتی ہے۔ قلب میں بے چینی اور انتشار کی جگہ سکون و طمانیت آجاتی ہے۔ مردہ ضمیر زندہ ہو جاتا ہے مریض آہستہ آہستہ رو بصحت ہونے لگتا ہے۔ اسے گناہ سے اسی طرح نفرت ہونے لگتی ہے جس طرح اس بدپرہیزی سے مریض کو نفرت ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے مرض

Marfat.com

لاحق ہوتا ہے۔ نفس امارہ نفس لوامہ میں بدل جاتا ہے۔ پھر ایک دن آتا ہے کہ انسان متقی بن جاتا ہے۔ اسے اسلامی تعلیمات سے مکمل آگہی ہو جاتی ہے۔ وہ صحیح معنوں میں مسلمان بن جاتا ہے۔ وہ ان تمام شرائط کی پابندی کرنے لگتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے عاید کی ہیں۔ جن کے بغیر انسان مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اس کے قلب سے تمام امراض نکل جاتے ہیں۔ اس کی سیرت و کردار میں نکھار پیدا ہو جاتا ہے۔ اسکا ظاہر و باطن ایک ہو جاتا ہے۔ اس کی ہیئت ہی بدل جاتی ہے۔ اور پھر ایک دن آتا ہے کہ اس کا نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے لیکن اس سارے عمل میں پرہیز ضروری ہوتا ہے۔ روحانی علاج میں اس کا پرہیز استقامت اور جہد مسلسل ہے۔

ہم جس طرح اپنے جسم کو سنوارتے ہیں۔ اسی طرح اپنی روح کو بھی سنوارنا چاہئے۔ اسلام جہاں ہمیں اپنی ظاہری صفائی کا حکم دیتا ہے۔ وہاں اس سے بڑھ کر باطنی طہارت و پاکیزگی کا بھی حکم دیتا ہے۔ کیونکہ جب باطن پاک ہو جاتا ہے تو اس کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے۔ ظاہر ہمیشہ باطن کے تابع ہوتا ہے۔ انسان کی اندرونی کیفیات اس کی ظاہری ہیئت پر اثرانداز ہوتی ہیں۔

صالحین اور مقربین کی صحبت صالح اثرات رکھتی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اولیاء کرام کی صحبت سے فیض یاب ہوں۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کی۔ "یارسول اللہ ﷺ۔ اس شخص کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ جو ایک قوم سے محبت کرتا ہے لیکن عمل و تقویٰ میں ان کے برابر نہیں۔" فرمایا۔ "ہر شخص اس کے ساتھ ہوگا۔ جس سے وہ محبت کرتا ہے۔"

(بخاری و مسلم) اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ

نیز فرمایا۔ "جب تم دیکھو کہ کسی بندے کو دنیا سے بے رغبتی (زہد) اور کم گوئی عطا کی گئی ہے۔ تو اس کا قرب حاصل کرو۔ کیونکہ اسے حکمت و (دانائی) سکھائی اور دی گئی ہے۔"

(رواہ بیہقی)

Marfat.com

دنیا سے بے رغبتی کا مطلب رہبانیت نہیں بلکہ زہد اور تقویٰ ہے۔ اور دنیاوی حرص و طمع کی بجائے آخرت کو سنوارنے کے لیے جدوجہد۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ "دنیا میں اتنی جائیدادیں نہ بناؤ ورنہ تم دنیا ہی کے ہو کر رہ جاؤ گے۔" کیونکہ متاع دنیا تو قلیل ہے اور متقین کے لیے تو آخرت کی لامحدود نعمتیں ہیں۔" (النساء۔ ۷۷) اس لیے اولیائے کرام کی یہ صفت نمایاں ہوتی کہ وہ دنیا کی قلیل متاع کے پیچھے نہیں بھاگتے۔ ان کے سامنے آخرت کی دائمی زندگی ہوتی ہے۔ دنیا تو اتنی ہی ہونی چاہیے۔ جس سے انسان باعزت طور پر زندہ رہ سکے۔ باقی رہی خواہشات کی بات تو ان کی تو کوئی حد ہی نہیں اور اللہ کے مطیع و فرمانبردار بندے خواہشات کے غلام نہیں ہوتے۔

کم گوئی اولیائے کرام کی صفت ہے۔ کم گوئی سے مراد فضول اور لغو باتوں سے پرہیز ہے۔ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ "وہ تو لغو باتوں اور بیہودہ کاموں سے پرہیز کرتے ہیں۔" (المومنون۔ ۳)

بے معنی گفتگو میں وقت ضائع کرنا، بے تکا بولتے رہنا صاحبِ بصیرت شخص کا طریقہ نہیں ہے۔ پھر ان کے سامنے حضور کی یہ حدیث بھی ہوتی ہے۔ "تم مجھے اس کی ضمانت دے دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دے دیتا ہوں۔" حضور نے یہ بات فرماتے ہوئے اپنی زبان کو پکڑا۔ جو انسان جتنا زیادہ فضول گفتگو کرے گا۔ اتنی ہی زیادہ غلطیاں کرے گا۔ کم گو انسان امان میں رہتا ہے۔ یہ سب باتیں حکمت کی دلیل ہیں۔ صاحب حکمت انسان ایسا ہی باوقار ہوتا ہے۔

تصوف: تزکیہ نفس اور تطہیر قلب کا نام تصوف ہے۔ یہ اس علم کا نام ہے جو انسان کو زہد کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا بنیادی مقصد تزکیہ نفس ہے۔ نفس امارہ سے نفس مطمئنہ تک کی جدوجہد کرنا۔ اپنی مرضی کو ختم کر کے اللہ کی رضا کے تابع ہو جانا اور ماسواء کے خیال تک کو دل سے نکال دینا تصوف ہے۔

Marfat.com

آج کل تصوف کا مسئلہ متنازعہ فیہ ہے۔ کیونکہ اس وقت تصوف کو جس رنگ میں پیش کیا جارہا ہے۔ اس پر عوام کو کچھ اعتراضات ہیں۔

علم تصوف ان اسلامی تعلیمات پر مبنی ہے جو تزکیہ نفس کے لیے ضروری ہیں قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے۔

وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۙ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى۔ (طٰہٰ:۷۵،۷۶)

"اور جو اللہ کے حضور مومن کی حیثیت سے حاضر ہوگا جس نے (دنیا میں) صالح اعمال کیے ہوں گے۔ پس ایسے تمام (صالحین) کے لیے بلند درجات ہیں۔ سدا بہار باغ ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جزا ہے اس شخص کی جس نے تزکیہ نفس کیا۔"

ایمان کی پختگی پھر اس ایمان کے تحت اعمال صالحہ کا ادا کرنا یہی مومن کی زندگی ہے۔ یہی تصوف کا درس ہے۔ کیونکہ ایسے اعمال جو پختہ ایمان کے بعد صادر ہوتے ہیں۔ تزکیہ نفس کرتے ہیں۔ کفر و شرک، فسق و فجور، بغض و عناد، حرص و ہوا، ظلم و معصیت اور دیگر بڑے اعمال سے اپنے نفس کو پاک صاف کر کے، اپنی روح کو ستھرا کر کے اور اپنی سیرت و کردار کو سنوار کر جو بھی اس دنیا سے جائے گا اسی کے درجات بلند ہوں گے اور جنت ایسے ہی صالحین کی منتظر ہے۔

اپنے آپ کو ستھرا کیے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہ ہوگا۔ نفس امارہ سے نفس لوامہ تک پہنچنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ لیکن اس کامیابی کو وہی حاصل کر سکتا ہے جو اولیائے کرام کی نگرانی میں قرآن و سنت کے مطابق جہد مسلسل کرے۔ اور قرآن کو سمجھنے کی پوری پوری کوشش کرے۔ ولی اللہ کی ہدایات کے مطابق قرآن و سنت کا علم

Marfat.com

حاصل کرے۔ ذکر الٰہی میں مشغول رہے اور اپنا محاسبہ کرتا رہے۔ یہ طریق کار آج ہی کا نہیں عہد نبوت سے چلا آرہا ہے۔ اور یہ جو خیال عام ہے کہ تصوف دور نبوت و عہد صحابہ کے بہت بعد کی پیداوار ہے۔ غلط ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ہی نے اس کی تعلیم دی۔ صحابہ کرامؓ نے اسی پر عمل کیا۔ اور آج تک صالحین کی مقدس جماعت بھی اسی پر عمل کرتی آئی ہے۔ کیونکہ تقویٰ، تزکیہ نفس اور علم تصوف ایک ہی چیز کے تین نام ہیں۔

سب سے پہلے امت کو تزکیہ نفس کی تعلیم دینے والے بلکہ پاکیزہ بنانے والے خود رسالت مآب ﷺ ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (آل عمران: ۱۶۴)

"بیشک ایمان والوں پر اللہ کا بڑا احسان ہوا کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ جو ان پر اس کی آیات تلاوت فرماتا ہے۔ اور انہیں (کفر و ضلالت، معصیت افعال رذیلہ اور نفس امارہ کی برائیوں سے) پاکیزہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔"

یہ تصوف کی پہلی تعلیم ہے۔ جو نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ کو دی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے وحی الٰہی کے ذریعے ان کے نفوس کو پاکیزہ کیا۔ ان کے قلوب کو صاف ستھرا کیا ان کے جسموں کو پاک صاف کیا۔ جب تزکیہ نفس ہو چکا تو انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دی۔ قرآن حکیم کے ساتھ ساتھ دانائی کی باتیں بتائیں۔ عقل سلیم کو بیدار کیا۔ ہر بات میں ان کی راہنمائی فرما کر انہیں اس قابل کر دیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے بعد تمام

Marfat.com

دنیا کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے سکیں اور نفوس کو پاکیزہ کر سکیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جس فہم و فراست اور جد و جہد کے ساتھ قرآن و سنت کی روشنی کو دور دور تک پہنچایا وہ ہمارے سامنے ہے۔ صحابہؓ کے بعد اسی طریق کو صالحین نے اپنایا اور یہ سنت آج تک جاری و ساری ہے۔

صحابہ نے جگہ جگہ درس و تدریس کے لیے مدارس قائم کیے۔ ہزارہا شاگردوں کو کتاب و سنت کی تعلیم دے کر انکے نفوس کو صاف ستھرا کیا۔ انہیں اس قابل بنایا کہ وہ اس نور کو عام کریں مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ مکہ معظمہ میں حضرت عبداللہ بن عباس کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور مصر میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے مدارس قائم کیے۔ اور وہاں وہی تعلیم دی جو نبی پاک ﷺ نے انہیں دی تھی۔ وہاں قلوب و اذہان کی تطہیر ہوتی تھی۔ پھر ان کے سینوں کو علم و عرفان کے نور سے بھر دیا جاتا تھا۔ یہی نور آج تک ضوفشاں ہے۔ اور ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ تصوف آج کی پیداوار ہے۔ بلکہ مسجد نبوی میں ستر سے زیادہ صحابہ دن رات علم و حکمت کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے مصروف رہتے۔ صرف جہاد کے ایام میں میدان جنگ میں جاتے۔ ورنہ ہمہ وقت وہ نبی کریم سے تزکیہ نفس کی تعلیم حاصل کرتے رہتے۔ مسجد نبوی سب سے پہلی درسگاہ تھی جہاں تصوف کی بنیاد رکھی گئی۔ الجھن صرف اس بات سے ہوتی ہے کہ یہ لفظ تصوف دور نبوت اور دور صحابہ میں مستعمل نہیں تھا۔

تصوف کا لفظ کہاں سے آیا اور صوفیا کون لوگ کہلائے؟

لفظ تصوف اور صوفی کے بارے میں کافی اختلاف ہے کہ یہ الفاظ کہاں سے آئے اور کس زبان کے الفاظ ہیں اور ان کے کیا معنی ہیں؟

زاہد اور عابد لوگوں کے پاس حصول علم اور عبادات میں مستغرق اصحابِ رسول کی

Marfat.com

مثال موجود تھی۔ یہ وہ اصحاب تھے جو ہر وقت نبی کریم ﷺ کی صحبت کیمیا اثر میں رہ کر حصول علم دین اور عبادات میں مشغول رہتے۔ یہ اصحابِ صفہ کہلاتے تھے۔ مسجد نبوی میں ان کے لیے ایک چبوترہ تھا۔ جس پر بیٹھ کر وہ قرآن وحدیث کا علم حاصل کرتے۔ اور مسجد نبوی میں ذکر و فکر اور فرائض و نوافل کی ادائیگی میں مشغول رہتے۔ جہاد بالسیف کے سوا اور کہیں نہ جاتے۔

صحابہ کرام کے بعد تابعین اور صالحین میں وہ جامعیت نہیں رہی تھی جو صحابہؓ کرام میں موجود تھی۔ اس لیے انہوں نے تعلیمات اسلامیہ کو عام کرنے کے لیے اپنے لیے علیحدہ علیحدہ شعبے مخصوص کر لیے۔ مثلاً قرآن حکیم کی قرات کی تعلیم دینے والے قراء کہلائے۔ قرآن کی تفسیر بیان کرنے والے مفسرین کہلائے اسی طرح جنہوں نے حدیث پر تحقیق کی۔ اس کی تعلیم کو عام کیا۔ وہ محدثین کے نام سے یاد کیے جانے لگے اور فقہی مسائل کے استنباط کرنے والے فقہا مشہور ہوئے۔ ان کے ساتھ ساتھ کچھ لوگ ایسے تھے جو حقوق العباد کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ عبادت اور ریاضت میں زیادہ وقت صرف کرنے لگے وہ زہاد اور عباد (عبادت گزار) کہلائے۔ یہاں عبادت سے مراد نماز، روزہ اور نفل عبادت مراد ہے۔

جب گمراہ فرقوں نے سر نکالا تو انہوں نے اپنی مرضی سے دینی مسائل میں تحریف کی اور اپنی مرضی سے مسائل کی تاویلیں کیں۔ اس کے ساتھ ساتھ رات دن عبادت میں مصروف رہ کر عوام کو اپنا گرویدہ بنانے لگے۔ اور دعویٰ یہ کیا کہ عباد اور زہاد تو ہم ہیں۔

اہل حق نے جب یہ دیکھا تو اس تلبیس (مکر) سے بچنے کے لیے اپنے عباد کو اہل صفہ کی نسبت سے صفوی کہنا شروع کر دیا۔ جو کثرت استعمال سے "صوفی" مشہور ہوا۔ اس لحاظ سے یہ لفظ عربی ہے۔ اس کا آغاز اہل بغداد نے ۱۰۹ھ میں کیا۔ اور سب سے

Marfat.com

پہلے صوفی ابوالہاشم کوفی المتوفی ۱۵۰ھ مشہور ہوئے۔ (امام قشیریؒ)

ویسے صوفی اور تصوف کے بارے میں محققین اور مورخین کی کئی اور بھی آرا ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ زاہد و عابد لوگ صوف (پشمینہ) پہنتے تھے۔ اس لیے صوفی کہلائے۔ حالانکہ صوفی کے لیے صوف پہننا کوئی ضروری نہیں۔ اس کی تردید امام قشیری نے بھی اپنے رسالہ قشیریہ میں کی ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ اصل میں یونانی لفظ سوفی (Sophy) سے بنا ہے۔ جس کے معنی حکمت کے ہیں۔ چونکہ صوفیا میں اشراقی حکماء کا سا انداز پایا جاتا ہے۔ اس لیے سوفی کہلائے۔ اور اہل عرب اسے (ص) سے لکھنے لگے۔ حالانکہ یہ نظریہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اشراقی تو افلاطون تھا۔ جو ذاتی کشف اور علم و عقل پر بھروسہ کرتا تھا۔ صوفیا کے نزدیک تو اصل منبع شریعت ہے۔ نہ کہ کشف اور وجدان۔

لفظ تصوف اور صوفی کا لقب دوسری صدی ہجری کے اوائل میں رائج ہوا تھا۔ اور ابوالہاشم سب سے پہلے صوفی کہلائے۔ جنہیں ۱۰۹ھ میں لقب دیا گیا۔ اس لفظ کو یونانی زبان سے مشتق سمجھنا بھی غلط ہے۔ کیونکہ دوسری صدی ہجری کے اوائل یعنی پہلے دس پندرہ سال تک کسی یونانی کتاب کا عربی میں ترجمہ نہیں ہوا تھا تراجم کی کثرت عہد عباسیہ میں شروع ہوئی تھی اور عہد عباسیہ ۱۳۲ھ سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس دور میں بھی جن کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا ان میں بھی کوئی کتاب تصوف کی نہیں تھی۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ لفظ صوفی "صفاء" سے مشتق ہے جس کا معنی "روشنی" ہے۔ لیکن حقیقت کے قریب اور صحیح بات وہی ہے جو پہلے لکھی گئی ہے۔ کہ اس لفظ کی نسبت اصحاب صفہ کی طرف ہے اور اسی صفہ سے صفوی بنا جو "صوفی" مشہور ہوا۔

تصوف وہ علم ہے جو زہد اور تزکیہ نفس کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اسلام میں صوفی یا تصوف کوئی نوزائیدہ الفاظ نہیں ہیں۔ اور نہ ہی یہ کوئی ایسا علم ہے۔ جو شریعتِ حقہ کے

Marfat.com

برعکس کسی اور بات کی تعلیم دیتا ہے۔ اور آج کل یہ جو نظریہ عام ہو رہا ہے کہ تصوف شریعت کے خلاف کوئی چیز ہے، بالکل غلط ہے۔

اہل حق (اولیا کرام) نے اپنے اپنے الفاظ میں تصوف کی تعریفیں لکھی ہیں۔ جو تقریباً پچاس کے لگ بھگ ہیں ۔ لیکن ان تمام تعریفوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ یعنی تزکیہ نفس، تقویٰ اور تطہیر قلب و روح۔

تصوف درج ذیل باتوں کی تاکید کرتا ہے

۱۔ اتباع قرآن و سنت ۲۔ کسب حلال کا اہتمام اور اس کے لیے جدوجہد

۳۔ اللہ کی مخلوق سے نیک سلوک ۴۔ ظاہر و باطن کی یکسانیت

۵۔ تزکیہ نفس اخلاق حسنہ کو اختیار کر کے برے اخلاق سے کنارہ کش ہو جانا۔

یہی اولیائے کرام کی صفات ہیں۔ اللہ کے ایسے مطیع و فرمانبردار بندے جو۔

۱۔ ماسواء اللہ کو دل سے نکال کر صرف اللہ کی یاد سے دل کی بستی آباد رکھتے ہیں۔

۲۔ اپنی مرضی ختم کر کے صرف اور صرف اللہ کی رضا کے تابع ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے تمام امور اللہ کی سپرداری میں دے دیتے ہیں۔ یہی نفوس قدسیہ مقربین صالحین اور صوفیاء کرام کہلاتے ہیں۔ جو جہاں اپنے ظاہر کو سنوارتے ہیں وہاں اپنے باطن کو بھی اس سے بڑھ کر سنوارتے ہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۭ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ (الاعلیٰ: ۱۴۔۱۷)

"بیشک اس نے فلاح پائی جس نے تزکیہ کیا۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز پڑھی مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو (جو چند روزہ ہے) حالانکہ آخرت (کی زندگی) بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔"

Marfat.com

اللہ کی باتیں کتنی صاف اور واضح ہیں۔ اور ان آیات میں کیسی اچھی ترتیب ہے۔

انسان سب سے پہلے اپنا تزکیہ کرے۔ کفر و شرک کو چھوڑ کر ایمان لائے برائے نام ایمان نہیں پختہ ایمان۔ کردار و سیرت کو سنوار کر اپنے دل سے نفس امارہ کو دھکیل باہر کرے۔ تمام کدورتیں اور معصیت کے تمام سامان نکال دے۔ پھر ذکر الٰہی سے دل کی بستی کو ترو تازہ کرے۔ دل اور زبان دونوں سے اللہ کو یاد کرتا رہے۔ تاکہ اللہ پر ایمان پختہ رہے۔ جب ایمان پختہ رہے گا تو اعمال صالح صادر ہوں گے۔ پھر نماز کی پابندی رکھے۔ تاکہ وہ یہ ثبوت بھی فراہم کرتا رہے۔ کہ جس اللہ کو یاد کر رہا ہے، جس پر بھروسہ کیے بیٹھا ہے۔ اس کی اطاعت میں عملاً بھی تیار ہے۔ اور یہ نماز تو اسے اطاعت اللہ اور اطاعت رسول ﷺ کی پانچ وقت دعوت دیتی ہے۔ یہی تو اللہ کی بہت بڑی یاد ہے۔

اس کے بعد کیا ہوگا؟ اسے آخرت کی بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی ملے گی۔ یہ چند روزہ دنیاوی زندگی تو ختم ہونے والی ہے۔ ہم اس کا بہت فکر کرتے ہیں۔ دن رات اسی فکر میں مرے جا رہے ہیں۔ حالانکہ کوئی زیادہ سے زیادہ اسی نوے سال جی لے گا۔ لیکن اس قلیل عرصے کی خاطر ہم جائز و ناجائز طریقے سے دنیا سمیٹتے چلے جاتے ہیں پہلے اپنے لیے پھر اپنی اولاد کے لیے۔ لیکن کب تک؟ ایک دن تو اپنے رب کے حضور ضرور پیش ہونا ہے۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِماً فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى۔

(طٰہٰ: ۷۴)

"حقیقت تو یہ ہے کہ جو مجرم کی حیثیت سے اپنے رب کے حضور حاضر ہوگا۔ اس کے لیے تو جہنم ہے۔ جس میں وہ نہ تو مرے گا اور نہ جیئے گا۔"

یہ بات پڑھ کر اس شخص کا دل تو ضرور کانپ اٹھے گا جس کے دل میں یہ یقین ہوگا

Marfat.com

کہ مجھے بھی ایک دن اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔ یا جس کے دل میں خوفِ الٰہی ہوگا۔ اگر یہ دونوں باتیں نہیں ہیں تو پھر دل پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ مجرم اس روز زندگی اور موت کے درمیان لٹکتا رہے گا۔ عذاب کی زندگی سے بےزار ہوگا۔ لیکن موت نہ آسکے گی۔ مرنا چاہے گا لیکن مر نہ سکے گا۔ کتنا روح فرسا عذاب ہوگا اللہ کی پناہ!

وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ۔ (فاطر:۱۸)

"اور جو پاکیزہ ہوا تو اپنے ہی بھلے کے لیے پاکیزہ ہوا اور اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔"

نیکی اپنے لیے کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہماری نیکیوں کی ضرورت نہیں اگر کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اللہ پر کوئی احسان نہیں کرتا۔ اپنا ہی بھلا کرتا ہے۔ لیکن یہ بات ضرور ہے کہ جو نیکی کے لیے کوشاں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے نیکی کی طرف راہیں کھول دیتا ہے۔ لیکن جو واضح آیات سن کر بھی ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ راہِ ہدایت اختیار نہیں کرتا اور بڑی ڈھٹائی سے بدی کی راہ پر چلتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس طرف ہی اس کا رخ موڑ دیتا ہے۔ پھر نوبت یہ آجاتی ہے کہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ وَ عَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ (البقرہ:۷)

"اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے (اس بات پر کہ وہ بڑی ڈھٹائی سے بدی پر ڈٹ چکے ہیں۔ وہ عہد کر چکے ہیں کہ ہم اللہ کی طرف کبھی نہیں جائیں گے اب ان کی یہی سزا ہے)۔

بہتر ہے کہ یہاں ایک مغالطے کی وضاحت کرتا چلوں۔ کئی دوستوں کو یہ سوال اٹھاتے سنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے دلوں پر مہر لگادی ہے تو پھر وہ کیسے حق کو تسلیم کریں؟ جب اللہ یہ چاہتا ہی نہیں کہ وہ راہِ راست پر آئیں تو پھر ان کا کیا قصور؟

Marfat.com

نعوذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے کہ وہ خواہ مخواہ اپنے بندوں کو سزا دے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں راہیں واضح کر دی ہیں۔

۱۔ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ۔ (البلد:۱۰)

"اور ہم نے (انسان کو) خیر و شر کے دونوں نمایاں راستے دکھا دیے ہیں۔"

۲۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ. وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ۔ (البلد:۱۱۔۱۲)

"مگر اس نے (نیکی کی) دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی۔ اور تم کیا جانو وہ دشوار گزار گھاٹی کیا ہے۔"

نیکی کا راستہ بڑا کٹھن ہوتا ہے۔ اس میں دشوار گزار گھاٹیاں ہیں۔ نفسانی خواہشات اور شیطانی ترغیبات کی سنگلاخ چٹانیں ہیں جن کو روند کر آگے ہی آگے بلندی تک پہنچنا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے بلندی پر چڑھنے کے لیے بڑی ہمت کرنا پڑتی ہے۔ عقبہ اس راستے کو کہتے ہیں جو بلندی پر جانے کے لیے پہاڑی چٹانوں سے گزرتا ہے لیکن بدی کا راستہ پستی میں گرتا ہے۔ جہاں گناہوں کی کھڈیں ہیں اور اترائی میں جانے کے لیے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ذرا سا نیچے لڑھکے تو لڑھکتے ہی چلے گئے۔ حتیٰ کہ اخلاقی پستی میں ڈوب گئے۔

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ☆ (التین)

انسان کو پھر یہی کچھ ملتا ہے کہ وہ انسانی عظمت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور اسے پست کر دیا جاتا ہے۔ جانور بلکہ جانور سے بھی بدتر۔ گناہ کے گندے کیچڑ میں لت پت۔

۳۔ فَكُّ رَقَبَةٍ ☆ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ☆ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ☆ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ☆ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ۔ (البلد:۱۳۔۱۸)

"(نیکی کی دشوار گزار گھاٹی تو یہ ہے) کسی کو غلامی سے نجات دلانا (کیونکہ آزادی

Marfat.com

جیسی نعمت اور کوئی نہیں) یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔ (کیونکہ بھوک کا عذاب بڑا جان لیوا ہوتا ہے۔ جس سے نبی کریم ﷺ نے خود پناہ مانگی ہے۔ اس عذاب سے کسی کو چھٹکارا دلانا بہت بڑی نیکی ہے) پھر (ایسی نیکیوں کے ساتھ انسان) ان لوگوں میں شامل بھی ہو جو ایمان لائے (کیونکہ نیکی کی قبولیت کا انحصار پختگی ایمان پر ہوتا ہے۔ ایمان کے بغیر نیکی قابل قبول نہیں ہے۔ اور ایمان والے بھی ایسے ہوں کہ) جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر اور (اللہ کی مخلوق پر) رحم کی تلقین کی۔ ایسے لوگ تو ہی دائیں طرف والے (صالحین اور اولیائے کرام) ہیں۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم پر چلنے والوں کی چند صفات بیان کی ہیں اور یہ بھی بتایا ہے کہ سیدھی راہ ہے تو بہت دشوار گزار لیکن اس میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ آزمائش کا گھر ہے۔ ایمان والے کیلیے قید خانہ ہے۔ قدم قدم پر ڈر ہے کہ پھسل نہ جائیں بھٹک نہ جائیں۔ یہاں بیدار رہنا پڑتا ہے۔ سکر و مستی یہاں کام نہیں دیتی۔ مسلمان ہوشمند ہوتا ہے۔ بیدار ذہن اور مستعد۔

یہ راستہ دشوار گزار اس لیے ہے کہ زندگی کی جزا (جنت) بڑی حسین اور ہر قسم کی نعمتوں سے مالامال ہے۔ یہ ایمان والوں کا صلہ ہے۔ ان تکلیفوں کے بدلے جو اس دشوار گذار گھاٹی پار کرنے میں انہوں نے برداشت کیں۔ روتے چلاتے نہیں۔ کمال صبر و تحمل سے، برضا و رغبت۔ انہوں نے ہر قسم کے مصائب پر صبر کیا۔ اور دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی صبر و شکر کرنے کی ہمیشہ تلقین کی۔ اور اللہ کی مخلوق پر رحم بھی کیا اور اسکی تاکید بھی کی۔ انسان ہوں یا حیوان ہر ایک پر رحم کرنے کی تلقین کی۔ ان کا طریقہ تو یہ رہا کہ وہ۔ "اپنے مسلمان بھلائی کے لیے وہی کچھ پسند کرتے رہے جو وہ اپنے لیے پسند کرتے تھے۔" یہی دشوار گزار گھاٹی ہے۔

"کیا انسان نے گمان کر لیا ہے کہ وہ بس یونہی بخشا جائے گا۔ اور اسے جنت میں

Marfat.com

داخل کر دیا جائے گا۔ ہر گز نہیں وہ آزمائش کی کٹھن گھاٹیوں میں سے گزارا جائے گا۔"
(قرآن حکیم)

۴۔ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۔ (الدھر: ۳)

"بیشک ہم نے (انسان کو) راستہ دکھا دیا۔ (اب یہ اس کی اپنی مرضی پر منحصر ہے کہ) وہ شاکر بن کر رہے یا کافر۔"

یعنی ایمان لا کر اللہ کا شکر گزار بندہ بنے یا انکار کر کے ناشکر گزار کافر کہلائے یہاں انسان کو مکمل اختیار ہے۔ اس پر کوئی جبر نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے کفار مکہ کے سامنے نیکی اور بدی کے دونوں راستے واضح کر دیئے تھے۔ اب ابو جہل یا ابولہب نہ مانیں تو قصور ان دونوں کا یا اللہ کا؟ (نعوذ باللہ) اور جب وہ اپنی ضد اور ڈھٹائی میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ ان کے واپس آنے کی امید نہ رہی تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی اور ان کی بصیرت چھین لی۔ اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کیا۔

۵۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ☆ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا ☆ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ☆ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔ (الشمس: ۷۔۱۰)

"اور اس نفسِ انسانی کی قسم اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ٹھیک بنایا۔ پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیز گاری اس پر الہام کر دی گئی (یعنی نفس انسانی کو بدی اور نیکی سے باخبر کر دیا۔ اسے اندھیرے میں نہیں رکھا۔ اس پر خیر و شر واضح کر دیا) یقیناً فلاح پا گیا جس نے تزکیہ نفس کیا اور نامراد ہوا جس نے اسے گناہ میں دبا دیا۔"

ان آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نیکی اور بدی کی راہ اختیار کرنا انسان کا اپنا فعل ہے جب وہ ان راہوں میں سے اپنے لیے جو بھی راہ پسند کر لیتا ہے اور اس پر چل نکلتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اسی راہ پر اسے چلاتا ہے لیکن وہ بھی اس وقت جب وہ مصمم

Marfat.com

ارادے سے کسی ایک راہ پر ڈٹ جاتا ہے مثلاً اگر وہ نیکی کی راہ (صراط مستقیم) پر ڈٹ گیا۔ تو اللہ تعالیٰ اسے اس دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کے لیے، استقامت، صبر و ہمت اور سکون عطا فرماتا ہے۔ اس کے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ جس سے اس کی اپنی مرضی ختم ہو جاتی ہے اور اسے اللہ کی رضا میں ایک طرح کی فرحت اور مسرت محسوس ہونے لگتی ہے۔

اور اگر کوئی بدی کی راہ پر چل نکلا اور پھر اس پر قوی ارادے سے ڈٹ گیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ راہ سیدھی نہیں ہے۔ یہ مجھے گناہوں اور معصیت کی پستی کی طرف لے جا رہی ہے۔ میں اپنے رب سے دور ہوتا جا رہا ہوں۔ یہاں تک کہ وہ گناہ کر کے فخر محسوس کرنے لگے۔ نیکی کا مذاق اڑانے لگے افعالِ بد کی دلدل میں دھنستا چلا جائے۔ اور بڑی ڈھٹائی سے اس پر اترائے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دی جاتی ہے اور یہی ایسے منکر کی سزا ہے۔

یہ بات سمجھنے کی کوشش کریں کہ پہلے ہی مہر نہیں لگ جاتی۔ اسے کھلی آزادی دی جاتی ہے۔ بار بار خبردار کیا جاتا ہے۔ نہ مانے تو کفر کی سزا تو ہوتی ہے اور یاد رکھیں۔

وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۔ (آل عمران: ۱۸۲)

"اور بیشک اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔"

ہمیں تو اپنے کیے کا اجر ملتا ہے۔ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ۔ (۳-۱۸۲)

تزکیہ نفس اور انسانی سیرت و کردار

سیرت و کردار کا عروج و زوال انسان کی شخصیت پر بڑے گہرے اثرات چھوڑتا ہے۔ اسی سے انسان کی بلندی اور پستی کا پتہ چلتا ہے۔ انسانیت کی معراج یہ ہے کہ وہ مسجود ملائکہ ہے اور اس کا زوال یہ ہے کہ وہ حیوان بلکہ حیوان سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

انسانی سیرت و کردار کا عروج پختگی ایمان سے وابستہ ہے۔ ایمان جس قدر پختہ ہوگا

Marfat.com

سیرت و کردار کو اتنا ہی عروج حاصل ہو گا۔ ایمان جتنا کمزور ہو گا۔ سیرت و کردار اسی قدر زوال پذیر ہوں گے جس طرح ایمان کا تعلق قلب و روح سے ہے اسی طرح سیرت و کردار کا تعلق عمل کی دنیا سے ہے نہ کہ استدلالی دنیا سے۔ اگر ایک آدمی معاشرے میں اپنا مقام بنانے کے لیے دیانتداری کی راہ اختیار کرتا ہے یا وہ صدقہ اور خیرات کے کاموں کو اپنی سخاوت کا لوہا منوانے کے لیے کرتا ہے۔ یا وہ اپنے حلقہ احباب میں مقبول ہونے کے لیے حسنِ معاملگی، راست گوئی کو اپنا شعار بناتا ہے۔ یا فطرتاً اس کی طبیعت بڑی دھیمی ہے۔ وہ بڑا متواضع ہے تو ان میں سے کوئی بھی بات سیرت و کردار کی بلندی اور پختگی کی دلیل نہیں کہلا سکتی اس کا تعلق تو تبدیلی قلب سے ہے، نہ کہ عقلی اور رسمی افعال و کردار سے۔ جب تک دل کی دنیا میں انقلاب برپا نہیں ہوتا زاویہ نگاہ نہیں بدلتا۔ فکر و نظر کی تطہیر نہیں ہوتی اس وقت تک صحیح اعمال و افعال ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

(اقبالؒ)

یہی وجہ ہے کہ سیرت و کردار کا تعلق دلائل سے نہیں عمل سے ہے۔ جس کی بنیاد ایمان پر ہے۔

ایمان کیا ہے؟

صمیمِ قلب سے دین و شریعت کو تسلیم کرنا اور احکاماتِ الٰہیہ پر بلا چون و چرا اور بغیر کسی شک و شبہ کے عمل پیرا ہونا۔

اسلام نے پانچ بنیادی عقاید پیش کیے ہیں۔ جنہیں یقین محکم اور پختہ اعتقاد سے تسلیم کر لینا ایمان کہلاتا ہے۔ ان پر جتنا زیادہ یقین ہو گا۔ اتنا ہی ایمان مستحکم ہو گا اور جتنا ایمان مستحکم ہو گا۔ اتنی ہی انسانی سیرت بلند ہو گی۔ اور انسان کی عملی زندگی اتنی ہی زیادہ

Marfat.com

منظم ہو گی۔ اسلام کے پانچ بنیادی عقاید یہ ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا۔ (النساء:۱۳۶)

"اے ایمان والو! ایمان رکھو اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اپنے اس رسول ﷺ پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری اور جو انکار کرے۔ اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا۔ پس وہ تو ضرور دور کی گمراہی میں جا پڑا۔"

سب سے پہلا اور بنیادی عقیدہ ایمان باللہ ہے۔ باقی چاروں عقائد اسی عقیدہ اور ایمان کے زیر اثر ہیں۔ تزکیہ نفس جو تصوف کی بنیاد ہے اس کی تکمیلِ کامل ایمان باللہ کے بغیر ممکن نہیں۔ انسانی سیرت کی تشکیل اور کردار سازی میں اسلام کے پانچوں عقائد کا اپنا اپنا حصہ ہے۔

ا۔ ایمان باللہ: انسانیت کی معراج کا موجب یہی ایمان ہے۔ اس سے آدمی کے اندر کچھ ایسے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن کو اکٹھا کر دیا جائے تو وہ انسان بنتا ہے جو مشیت الٰہی کے عین مطابق ہے۔ پہلی بات جو انسانی سیرت کو بلند کرتی ہے۔ وہ عزت نفس اور خودداری ہے۔ ایمان باللہ سے انسان تمام مخلوق سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس کا سر اللہ کے سوا اور کسی طاقت کے سامنے نہیں جھکتا وہ دربدر کی ٹھوکریں کھا کر انسانیت کی توہین نہیں کرتا۔ یہ ایک سجدہ اسے ہزاروں سجدوں سے نجات دے دیتا ہے۔ اسے یکسوئی نصیب ہوتی ہے۔ جس سے اس کا وقار بلند ہوتا ہے۔ دوسری صفت یہ پیدا ہوتی ہے کہ تکبر اور گھمنڈ سے نجات مل جاتی ہے۔ ایسا شخص متواضع اور عاجزی پسند ہوتا

Marfat.com

ہے۔ خودداری کا یہ مطلب نہیں کہ وہ غرور کرنے لگتا ہے۔ غرور تو وہ کرتا ہے جو اللہ کی زمین پر خود خدا بن جاتا ہے۔ لیکن یہاں تو بات اس کے برعکس ہے۔

ایمان باللہ سے اطمینانِ قلب اور تسکین ملتی ہے، انتشار، افراتفری اور بے چینی کی سی صورت حال سے نجات مل جاتی ہے۔ کیونکہ یہ سب بیماریاں شرک سے پیدا ہوتی ہیں، جب شرک نہ رہا تو اطمینان قلب اور امن وسکون حاصل ہوا۔ انسانی سیرت و کردار کے لیے اس بات کی انتہائی ضرورت ہے۔

انسان کے اندر توکل علی اللہ، صبر وقناعت اور اولعزمی پیدا ہوتی ہے صراط مستقیم کی دشوار گزار گھاٹی کی ہر رکاوٹ کو وہ ان صفات کی قوت سے دور کرتا ہے وہ اوہام پرستی کا شکار نہیں ہوتا۔ وہم کی بیماری اسی کو لگتی ہے جو اللہ پر توکل نہیں کرتا صبر وقناعت کا وہ عادی ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اسے یقین ہوتا ہے کہ میرے رب کی رضا اسی میں ہے۔ وہ ذرا سی تکلیف میں شکوے شکائتیں نہیں کرتا۔ بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ اس کے ساتھ اس کا عزم پختہ ہوتا ہے۔ وہ ٹھوس قوت ارادی کا مالک بن جاتا ہے۔ اس کا یقین محکم اور عمل پیہم ہوتا ہے۔ اس سے اس کی سیرت کی تشکیل ہوتی ہے۔

اللہ کو اپنا رب تسلیم کرنے والا شخص شجاع ہوتا ہے۔ وہ صرف ایک اللہ سے ڈرتا ہے۔ وہ حق کی خاطر جان ومال اور اولاد تک کی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ وہ اللہ کی راہ کا مجاہد ہوتا ہے۔ وہ حق گو، راست باز، اور وفاشعار بن جاتا ہے۔ فاسق و فاجر لوگ اس کے پر وقار اور بارعب سراپے کا سامنا نہیں کر سکتے اس کی باطنی پاکیزگی کا پر تو اس کے نورانی چہرے سے عیاں ہوتا ہے۔

اس میں معاشرتی اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ ذات پات، معاشی اونچ نیچ اور دوسری معاشرتی خرابیوں سے اپنی شخصیت کو مسخ نہیں کرتا۔ وہ مساوات کا داعی بن جاتا ہے۔ وہ حقوق انسانی کا تحفظ کرتا ہے۔ اس کے دل میں اسلامی اخوت، ہمدردی اور

Marfat.com

دوسروں کا بے حد احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ تنگ نظری، تعصب، بد ظنی، بغض و عناد اور گروہ بندی جیسی بدبودار دلدل سے نکل کر کشادہ قلبی، وسعت نظری اور خندہ پیشانی جیسی صفات سے متصف ہو جاتا ہے۔ وہ ظلم و تعدی اور فسق و فجور سے کوسوں دور ہٹ جاتا ہے۔ وہ معصیت کی خاردار جھاڑیوں سے پہلو بچا کر تقویٰ کی سدا بہار وادی میں نیکی اور پاکیزگی کے پھول اگاتا ہے۔ جن کی بھینی بھینی خوشبو اس کی روح کو تروتازہ رکھتی ہے۔ یہی تزکیہ نفس ہے۔ یہی اطمینان قلب ہے۔ اور یہی نفس مطمئنہ کی منزل ہے۔ جس کا صلہ نعمتوں بھری جنت ہے۔ جہاں نہ کوئی خوف ہوگا۔ اور نہ کسی قسم کا غم۔ یہی اولیاء کی شان ہے۔ جو اپنے آپ کو اللہ کی سرپرستی میں دے کر اور خود مطیع و فرمانبردار بن کر اسی کی رضا کے تابع ہو کر بے مثال زندگی گزارتے ہیں۔

۲۔ **ایمان بالرسالت**: اللہ کے رسولوں پر ایمان اس لیے لایا جاتا ہے کہ یہ اُسی کے بھیجے ہوئے ہیں۔ انہی کی وجہ سے اللہ کا پیغام ہم تک پہنچا۔ نبی آخر الزمان محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا اللہ پر ایمان لانا۔ اللہ کا منکر بھی کافر ہے اور محمد مصطفیٰ ﷺ کا منکر بھی کافر۔ جنت اُس وقت ملے گی جب محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان قائم ہوگا۔ لا الٰہ الا اللہ کہہ دینا لیکن رسالت کا انکار کر دینا کفر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود اس کی وضاحت فرمائی۔

من اطاع محمد افقد اطاع اللہ و من عصی محمداً فقد عصی اللہ و محمد فرق بین الناس۔ (رواہ بخاری)۔ "جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اللہ کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے درمیان محمد ﷺ ہی نشانِ امتیاز ہیں۔"

قرآن قوانین کا مجموعہ ہے۔ انہیں رسول اللہ ﷺ نے عملی طور پر لاگو کیا۔ ان پر خود بھی عمل کیا اور امت کو بھی کرنے کا حکم دیا۔ دین کا مکمل علم ہمیں نبی کریم ﷺ

Marfat.com

سے ملا ہے آپ ﷺ کی ذات گرامی اللہ تعالیٰ کو پہچاننے اور اس کی مرضی معلوم کرنے کا واحد ذریعہ ہے اور معرفت الٰہی اطاعت رسول ﷺ کے بغیر ممکن نہیں۔ سنت کو چھوڑ کر نہ شریعت نصیب ہو گی نہ طریقت نہ معرفت نہ حقیقت۔

طریقت، معرفت اور حقیقت یہ تینوں شریعت کے اجزاء ہیں۔ شریعت ایک کُل ہے۔ باقی سب اس کے اجزاء ہیں۔ یہ نظریہ بھی غلط ہے کہ طریقت شریعت سے فائق ہے، اور معرفت طریقت سے اور حقیقت معرفت سے۔

طریقت۔ شریعت کا وہ شعبہ ہے جس میں تزکیہ نفس، تقویٰ اور جُہدِ مسلسل (مجاہدہ) کا درس دیا جاتا ہے۔

حقیقت۔ تزکیہ نفس، تقویٰ اور جہد مسلسل (مجاہدہ) کے بعد جب شریعت کے حقائق مومن پر منکشف ہوتے ہیں تو وہ اطاعت رسول کا نمونہ بن جاتا ہے۔ اس کا معمولی عمل بھی سنت سے باہر نہیں ہوتا۔ یہی اللہ کی اطاعت ہے۔ جو اطاعت رسول ﷺ کے بغیر ممکن نہیں۔ کیونکہ رسول ہمیں جو حکم کریں اس پر سر تسلیم ختم کر دیں اور جس سے منع کریں اس سے رک جائیں۔ یہی ایمان کی تکمیل ہے۔ یہی حقیقت ہے۔ جب مومن اس مقام پر پہنچتا ہے تو پھر اسے بلند درجات نصیب ہوتے ہیں۔

معرفت۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی پہچان۔ شریعت کا وہ شعبہ جس میں نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی سے صادر اعمال (سنت) کا درس دیا جاتا ہے جو متقی کو اپنے اتقا کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ یہی وہ مقام ہے۔ جہاں بندے کی اپنی مرضی ختم ہو جاتی ہے اس کا نفس نیکی کے کاموں میں مکمل اطمینان محسوس کرتا ہے اور بدی سے اسے حد درجہ نفرت ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

ایسے مومن کو يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (اللہ تم سے محبت کرے گا) کی سند حاصل ہو جاتی ہے۔ اور انہیں کوئی خوف اور غم نہیں ہوتا۔ اس کے لیے اس دنیا اور آخرت میں بھی خوشخبری ہوتی ہے۔ اور اس کا مقام نعمتوں بھری جنت میں ہوتا ہے۔ اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔" لیکن یہ سب کچھ ایمان بالرسالت سے حاصل ہوتا ہے۔

یاد رکھیں۔ رسول کریم ﷺ کی حیثیت محض ایک قاصد کی نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام (قرآن و سنت) ہم تک پہنچا دیا۔ اور بس۔ بلکہ آپ ﷺ کی حیثیت ایک رہنما اور حاکم کی بھی ہے آپ کے ہر حکم کی تعمیل امت پر فرض ہے۔ کیونکہ رسول ﷺ کا ہر حکم اور ہر ارشاد دراصل قرآن کے احکام کے مطابق ہوتا ہے۔ اور اس کی تشریح کرتا ہے۔ قرآن کے احکام کی مکمل پیروی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک انہیں نبی کریم ﷺ کی سنت کی روشنی میں نہ سمجھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اطاعت اللہ کے ساتھ اطاعت رسول بھی امت پر فرض کر دی گئی ہے۔ اور ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسالت لازم کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کریں کہ اے اللہ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرما۔ یہی حکمت ہے جسے خیر کثیر کہا گیا ہے۔

مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْراً كَثِيْراً۔ (البقرہ۔۲۶۹)

"جسے حکمت (دانائی) دی گئی اسے تو خیر کثیر عطا کی گئی۔"

یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ قرآن پڑھ لینا کوئی مشکل کام نہیں۔ لیکن جو اسے قلب سلیم، خلوص نیت اور ہدایت کے لیے پڑھتا ہے۔ آیات پر غور و فکر کرتا ہے اور اس کی تشریح نبی ﷺ کی سنت سے کرتا ہے اس پر ایسے ایسے نکتے وا ہوتے ہیں کہ وہ محسوس کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی نازل ہو رہی ہے۔ اس کے دل پر تسکین اترتی ہے۔ جس کی ٹھنڈک وہ اپنے قلب و ذہن میں محسوس کرتا ہے۔ اس کی طبیعت میں

Marfat.com

انتشار اور تضاد ختم ہو جاتا ہے۔ غلط بات اس کے ذہن میں فوراً کھٹکتی ہے۔ اس کے پاس ایک کسوٹی ہوتی ہے۔ سنت رسول ﷺ۔

ہمیں فخر ہے کہ ہمارے پاس ایک ایسی ذات بابرکات ہے ایک ایسی محبوب اور دلنواز شخصیت ہے جس کی مثل نہ اللہ نے پیدا کی ہے اور نہ پیدا کرے گا ایک انسانِ کامل جو تکمیلِ انسانیت کے لیے مبعوث ہوا ہے۔ جس کی معرفت سے ہمیں اللہ کی معرفت ملی۔ جس کی اطاعت سے ہمیں اللہ کی اطاعت ملی۔ جس پر ایمان لانے سے ہمیں ایمان باللہ کی توفیق ملی۔ کیونکہ اللہ کو تو یہود اور نصاریٰ بھی مانتے ہیں۔ ہندو بھی مانتے ہیں۔ لیکن نجات نہیں ملے گی۔ جب تک محمد رسول اللہ ﷺ نہ کہیں گے۔ مشرکین مکہ بھی اللہ کو مانتے تھے۔ مشرک کا جرم یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کو الٰہ ماننے کے ساتھ ساتھ اس کے شریک بھی پیدا کر لیتا ہے۔ انہیں بھی عبادت کے لائق سمجھتا ہے۔ مشرک اس وقت کافر بھی ہو جاتا ہے۔ جب وہ رسالت کا انکار کرتا ہے۔ ایک تو وہ شرک کو نہیں چھوڑتا۔ دوسرے رسالت کا انکاری ہوتا ہے۔ اسی لیے صلح حدیبیہ کے وقت جب صلح نامہ لکھا جانے لگا تو رسول اللہ نے لکھوایا تھا۔ "محمد رسول اللہ کی طرف سے" لیکن قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو نے کہا تھا کہ "رسول اللہ" کی جگہ "محمد بن عبد اللہ" لکھو۔ اگر ہم انہیں رسول مان لیں تو پھر ہم میں جھگڑا کیسا؟ اس وجہ سے مشرکین کفار بھی کہلائے۔ ورنہ وہ اللہ کو تو مانتے تھے۔

ایمان بالرسالت جتنا مضبوط ہوگا۔ ایمان باللہ بھی اتنا ہی قوی ہوگا۔ ایمان بالرسالت کی مضبوطی سنت کی مکمل پیروی میں ہے۔ اتباعِ سنت ہی ایمان باللہ پر استقامت کا ذریعہ ہے۔ **فَاتَّبِعُوْنِیْ** ہی میں تمام اسرار و رموز بند ہیں۔ جو اس ایک لفظ کا مطلب سمجھ گیا وہ پورے دین کو سمجھ گیا۔ یہی دین کی سمجھ ہے۔ یہی حکمت ہے۔ اسی میں معرفت و حقیقت ہے۔ یہی عبادت کی روح ہے اور یہی روحانی ترقی ہے۔ اور اسی

Marfat.com

میں قرب الٰہی نصیب ہو گا۔ جن پر اس ایک لفظ کا مطلب واضح ہو گیا۔ وہ صالحین اور مقربین بن گئے۔ جو اسے نہ سمجھ سکے وہ اللہ کو بھی نہ پا سکے۔

اطاعت رسول اور اتباع رسول ﷺ

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت (معبود ہونے) میں وحدہٗ لاشریک ہے۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ اپنی رسالت و نبوت میں واحد اور لاشریک ہیں۔ جس طرح اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت جائز نہیں اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی اور کی اتباع جائز نہیں۔ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے سے شرک لازم آتا ہے۔ جو نا قابل معافی جرم ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے ساتھ جب کسی اور کی اتباع کی جائے گی تو یہ شرک فی الرسالت ہو گا جو سراسر ضلالت و گمراہی ہے۔

(۱) وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ (الاحزاب۔ ۳۶)

"اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ تو کھلی گمراہی میں جا پڑا۔"

(۲) وَاتَّبِعُوْنِ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔ (الزخرف ۶۱۔ ۶۲)

"اور میری اتباع کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ ایسا نہ ہو شیطان تمہیں اس سے روک دے کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

ہمارے دلوں میں شخصیات کے بت ہیں۔ جنہیں ہم نے اس قدر اہمیت دے رکھی ہے۔ کہ بسا اوقات ہم ان کی اتباع کر جاتے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کی کامل و اکمل اور جامع شخصیت جو امت کی شیرازہ بندی کے لیے مرکزی حیثیت رکھتی ہے پس منظر میں چلی جاتی ہے۔ یہی شرک فی الرسالت ہے۔ اس سے ہماری (Cultural

Marfat.com

(Humanity) مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔ ہمارا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اتحاد پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ ہم گروہ بندیوں اور فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ ہماری مرکزیت ختم ہو جاتی ہے۔ دامنِ مصطفیٰ کو چھوڑ کر ہم اللہ کی قسم کہیں کے نہ رہیں گے۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی اور مصنوعی شخصیت کی ضرورت نہیں حضور آج بھی ہمارے پاس موجود ہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ کی سنت اور اسوۂ حسنہ موجود ہے۔

تہذیبِ اسلامیہ اور مسلمانوں کی حیاتِ ملی کا نقشہ نبی کریم ﷺ کی عقیدت اور توقیر و تعظیم سے بنتا ہے۔ یہی جذباتی بنیاد ہے۔ جذبات کے لیے مرکز کی انتہائی ضرورت ہوتی ہے اگر جذباتی وابستگی نہ ہو تو دل پھٹ جائیں۔ اطاعت ایک دائرہ ہے۔ جس کا مرکز رسالت مآب نبی رحمت ﷺ کی حسین، جامع، دلنواز اور پروقار شخصیت ہے۔ یہ مرکز اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔ جو ہمیشہ کے لیے قائم ودائم ہے۔ یہ کبھی نہیں بدلے گا۔ ہم جس قدر اس مرکز کے قریب جائیں گے۔ اتنے ہی سنور جائیں گے اور جس قدر دور ہو جائیں گے۔ ہمارا ظاہر و باطن اتنا ہی مسخ ہوتا جائے گا اور جو اطاعت کے اس دائرے کے محیط سے نکل گیا وہ مکمل طور پر گمراہ ہو گیا۔ آج ہم مرکز سے دور ہوتے جا رہے ہیں ہم اپنے دلوں سے شخصیات کے بت توڑ دیں۔ جن کی ہم اطاعت کرتے رہتے ہیں۔ مرکز کی طرف آئیں۔ اطاعت کا مطلب ہے۔ جو حکم ہو اُسے پورا کیا جائے۔ لیکن اتباع کا دائرہ اس سے بھی وسیع ہے۔ اس میں اس شخصیت کی زندگی کی تمام جزئیات بھی سمو جاتی ہیں۔ اس کو سنت اور اسوۂ حسنہ کہتے ہیں۔ ہمارا تزکیہ نفس اتباع رسول کے بغیر ممکن نہیں۔ جب ہم اپنے ظاہر و باطن اور اپنی سیرت و کردار کو سنواریں گے تو ہمارے سامنے رسول اللہ کا اسوۂ حسنہ ہو گا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی ہمارے لیے کامل نمونہ ہے اس لیے اتباع، اطاعت سے وسیع تر ہے۔ اور نجات حضور ﷺ کی کامل اتباع ہی میں ہے۔

Marfat.com

ا۔ "رسول جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس بات سے منع کریں رک جاؤ۔"

(الحشر۔ ۷) اطاعت

۲۔ "جس نے رسول ﷺ کا حکم مانا در حقیقت اس نے اللہ کا حکم مانا۔"

(النساء۔ ۸۰) (اطاعت)

۳۔ "فرما دیجئے کہ اللہ کی اطاعت کرو (حکم مانو) اور رسول ﷺ کا بھی۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو اللہ کافروں (انکار کرنے والوں) سے محبت نہیں کرتا۔"

(آل عمران: ۳۲) اطاعت

۴۔ فرما دیجئے (اے رسول ﷺ) کہ (اے لوگو) اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ (اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا رحیم ہے۔" (آل عمران: ۳۱)۔ اتباع۔

۵۔ "اور میری اتباع کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔" (الزخرف: ۶۱)۔ اتباع۔

۶۔ "بیشک رسول اللہ کی زندگی میں تمہارے لیے بہترین نمونہ موجود ہے"

(الاحزاب: ۲۱)۔ اتباع۔

حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں جس نے میری سنت سے محبت کی۔ اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (رواہ ترمذی)

دراصل حضور کی اتباع کا تقاضا یہ ہے کہ حضور ﷺ کی چھوٹی سی چھوٹی سنت کو بھی اپنایا جائے۔ معمولات نبوی ﷺ کو اپنے اوپر لاگو کیا جائے۔ اور ایسی محبت کے ساتھ کہ دل ہر وقت تروتازہ رہے۔ مثلاً حضور کیسے کھاتے تھے کیسے پیتے تھے۔ کپڑے کس طرح پہنتے تھے۔ جوتا کس طرح پہنتے تھے۔ اتارتے کس طرح تھے۔ ناخن کس ترتیب سے ترشواتے تھے۔ الغرض حضور ﷺ کا ہر چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی ہمارے سامنے ہو اور ہماری عادت ثانیہ بن جائے۔ یہ اتباع ہے۔ مثلاً حضور ﷺ جب نعلین مبارک پہنتے تو پہلے دایاں پاؤں ڈالتے پھر بایاں پاؤں۔ اور اتارتے تو پہلے بایاں پاؤں

Marfat.com

نعلین سے باہر نکالتے پھر دایاں پاؤں۔ جوتا جس طریقے سے بھی پہنیں وہ پاؤں میں پہنا جائے گا۔ جوتا تو ہم نے پہننا ہی ہے۔ کیوں نہ حضور ﷺ کے طریقے سے پہنیں۔ اس طرح سنت پر عمل کرنے کا ہمیں ثواب مل جائے گا۔ اور ہمارا یہ معمولی عمل بھی باعث برکت ہو گا۔ اور جب ہم یہ عمل کریں گے تو لامحالہ حضور ﷺ کا خیال اور سنت پر عمل کرنے کا ارادہ دل میں پیدا ہو گا۔ اس طرح حضور ﷺ کی محبت سے دل کی دنیا آباد رہے گی۔ یہی حضور ﷺ کی سنت سے محبت کا نام ہے۔ ترمذی شریف کی جو حدیث ابھی بیان کی گئی ہے اس کا یہی مفہوم ہے۔ کہ جو بھی میری سنت سے محبت کرے گا یعنی اس پر عمل کرے گا وہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے مجھ سے محبت کی اور ظاہر ہے کہ جو نیک سیرت بھی حضور ﷺ سے محبت رکھے گا اسے جنت میں حضور ﷺ کا قرب نصیب ہو گا۔ یہ کتنی بڑی سعادت اور کامیابی ہے۔ یہی اتباع ہے۔ یہی راز ہے معرفت الٰہی کا۔ کیونکہ قرآن کا تو یہی فیصلہ ہے کہ اگر ہم اتباع رسول ﷺ کریں گے تو پھر ہی اللہ تعالیٰ ہم سے محبت کرے گا۔ ہمارے گناہ بخش دے گا۔ (آل عمران:۳۱)

بہ مصطفیٰ ﷺ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

قرآن حکیم پر ایمان: قرآن ہمارے لیے مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلامی قوانین اصول و ضوابط اور احکامات اس میں موجود ہیں۔ جن پر سنت رسول کی روشنی میں عمل پیرا ہو کر ہی ہم اپنی زندگیوں کو سنوار سکتے ہیں۔ اس میں اجمالاً سب کچھ موجود ہے۔ جس کی تشریح و توضیح سنت رسول ﷺ کے ذریعہ ہوتی ہے۔ یہ اللہ کا کلام ہے۔ جس کی صداقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ (البقرہ:۲) یہ مکمل ہدایت ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی ناراضی سے ڈرتے ہیں (البقرہ:۲) یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے (الطلاق ۵) یہ غور و فکر کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ تاکہ ہم اس سے

Marfat.com

نصیحت حاصل کریں۔ متقی بنیں (ص:۲۹) یہ ہمیں سیدھی راہ دکھاتا ہے، اور اس میں ایمان والوں صالحین اور مقربین کے لیے خوشخبری ہے۔ (بنی اسرائیل:۹) اس میں اللہ تعالیٰ آیات کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ اور مجرمین کو بھی واضح کرتا ہے۔ تاکہ نیکی اور بدی کے دونوں راستے واضح ہو جائیں (الانعام:۵۵) یہ کتاب اس لیے نازل کی گئی ہے کہ اس پر مکمل طور پر ایمان لایا جائے۔ یہ نہ ہو کہ اس کے ایک حصے کو تو ہم مانیں اور دوسرے سے انکار کریں (النساء:۱۳۶) اس قرآن میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ تاکہ ان کے کردار سے ہم سبق اور نصیحت حاصل کریں (الانبیاء: ۲۴) اس قرآن میں محکم اور متشابہ آیات بھی ہیں۔ یہ ایک آزمائش ہے۔ متشابہ آیات کی پیروی صرف وہ لوگ کرتے ہیں جن کے دلوں میں ٹیڑھ اور کجی ہے۔ وہ ان آیات کی تاویلوں میں سر کھپاتے رہتے ہیں۔ ان کا قطعی مفہوم تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ لیکن جو لوگ صحیح علم والے ہیں صاحب بصیرت ہیں اور جن کے دلوں میں خوف الٰہی ہے ان کا تو ایمان ہے کہ یہ سارا کلام تو اللہ ہی کا ہے۔ ایسی باتوں سے تو نصیحت صرف عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔ (آل عمران:۷)

یہ کتاب تو حکمت کی باتوں سے بھری پڑی ہے۔ (یونس:۱)

ایسی جامع، مکمل اور پُر حکمت کتاب پر ایمان لانا اس لیے بھی ضروری ہے۔ کہ اس کے بغیر دین کی باتیں مصدقہ نہیں ہو سکتیں اور غیر مصدقہ باتوں اور اصولوں پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بغیر دین شکوک و شبہات کا ڈھیر بن کر رہ جاتا ہے اور اسے کوئی ذی شعور تسلیم نہیں کرتا۔ اس لیے قرآن کا آغاز ہی ایسے جملے سے کیا گیا ہے کہ غیر یقینی صورت حال بالکل پیدا ہی نہ ہونے پائے۔ فرمایا۔

الٓمّٓ۔ ذَالِكَ الْكِتٰبُ لَارَيْبَ فِيْهِ۔ "یہ کتاب تو وہ ہے جس میں کوئی شک نہیں۔"

یقین محکم کامیابی کا زینہ ہے۔ اگر زینہ کمزور ہو تو چھت پر چڑھنا غیر یقینی ہو جاتا

Marfat.com

ہے۔اور اس میں کئی خطرات امڈ آتے ہیں۔یقین محکم پختہ ایمان ہی کا دوسرا نام ہے۔

یقین پیدا کر اے ناداں یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

اقبالؒ

جب تک قرآن حکیم پر یقین اور ایمان نہ ہو گا۔اسلام بے معنی ہو جائیگا اس کی صداقت اور کلام الٰہی ہونے کے لیے اتنا ثبوت ہی کافی ہے کہ یہ چودہ سو سال سے بعینہ صحیح اور سالم ہمارے سامنے موجود ہے۔کوئی زیر یا زبر تک نہیں بدلی جا سکی۔سیرت و کردار کو سنوارنے اور تزکیہ نفس کرنے کے تمام اصول و ضوابط اس میں موجود ہیں۔جن سے استفادہ سنت رسول ﷺ کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے۔کیونکہ صاحب کتاب ہی کتاب کے بارے میں صحیح طور پر علم رکھتا ہے لہٰذا اس کی راہنمائی ہی میں ہم قرآنی آیات کی صحیح تشریح کر کے اپنی دنیا اور آخرت کو سنوار سکتے ہیں۔

قرآن کے حقوق: ہر مسلمان پر حسبِ صلاحیت قرآن حکیم کے درج ذیل حقوق عائد ہوتے ہیں۔

۱۔ قرآن پر ایمان لایا جائے۔ ۲۔ قرآن کی تلاوت کی جائے
۳۔ قرآن کو سمجھا جائے ۴۔ قرآن پر عمل کیا جائے۔اور
۵۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کو دوسروں تک پہنچایا جائے۔

اب ان پانچوں حقوق کو مختصراً تشریح کی جاتی ہے۔

پہلا حق یہ ہے کہ قرآن حکیم پر ایمان لایا جائے۔کہ بلا شک و شبہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کی آخری کتاب ہے۔جو اس کے آخری رسول اور نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پہ نازل ہوئی۔دوسرا حق یہ ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

Marfat.com

"بنی آدم کے قلوب بھی اسی طرح زنگ آلود ہو جاتے ہیں جس طرح لوہا پانی پڑنے سے زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ دریافت کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ اس زنگ کو کس طرح دور کیا جائے؟ فرمایا۔ موت کی بکثرت یاد اور قرآن حکیم کی تلاوت۔" (بیہقی شریف)

قرآن حکیم کی باقاعدہ تلاوت کرنی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم صرف رمضان المبارک کے مہینے میں قرآن کھولیں اور پڑھیں بلکہ روزانہ خواہ ایک رکوع ہی تلاوت کریں باقاعدگی کے ساتھ تلاوت کلام پاک کو اپنا معمول بنایا جائے۔ جیسا کہ سورہ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ☆

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے۔"

تلاوت کا حق یہ ہے کہ تجوید کا خاص خیال رکھا جائے۔ حروف کی شناخت، ان کے مخارج کا صحیح علم اور رموز و اوقاف کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنا ضروری ہے۔ تاکہ عربی عبارت کی ادائیگی صحیح تلفظ کے ساتھ ہو۔ آیت پڑھتے وقت کہاں رُکنا ہے یا کہاں دوسری آیت سے ملا کر پڑھنا ہے وغیرہ وغیرہ۔ پھر یہ کہ تلاوت قرآن پاک کو زندگی کے معمولات میں مستقل طور پر شامل کیا جائے۔ اور ایک مقررہ نصاب روزانہ پابندی کے ساتھ پورا کیا جائے۔ ہم روزانہ اخبار پڑھتے ہیں۔ کئی قسم کی کتابیں رسالے اور دوسری تحریریں پڑھتے رہتے ہیں۔ لیکن جب کتاب اللہ کی باری آتی ہے تو ہم کہتے ہیں وقت نہیں ملتا۔ یعنی بندوں کی تصانیف پڑھنے کے لئے تو ہمارے پاس وقت ہے۔ لیکن اللہ رب العزت کی تصنیف پڑھنے کے لئے ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ استغفر اللہ۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ ایسی باتیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث بن جایا کرتی ہیں۔

Marfat.com

تلاوت کیلئے جس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے وہ ہے خوش الحانی۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔

"قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو۔" بلکہ رسالت مآب ﷺ نے یہاں تک تنبیہ فرمائی ہے کہ۔ "جو قرآن کو خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔"

(سنن ابوداؤد)

ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے قرآن سنانے کی فرمائش کی۔ انہوں نے عرض کیا۔ "یارسول اللہ ﷺ! کیا میں آپ ﷺ کو قرآن سناؤں گا؟" حالانکہ آپ ﷺ ہی پر تو یہ نازل ہوا ہے۔ "آپ ﷺ نے فرمایا۔" ہاں۔ میں چاہتا ہوں کہ دوسروں سے سنوں۔" چنانچہ حضرت عبد اللہؓ نے قرآن پاک کی تلاوت کی تو حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ سبحان اللہ۔

تلاوت کے حق کی ایک بات ظاہری اور باطنی آداب بھی ہے۔ کوشش کی جائے کہ باوضو قبلہ رخ بیٹھ کر تلاوت کی جائے۔ اور لازمی طور پر تعوذ اور تسمیہ کے ساتھ شروع کیا جائے۔ قرآن حکیم کو باوضو ہاتھ لگایا جائے۔ جہاں قرآن پاک رکھا ہوا ہو اس طرف پاؤں کر کے لیٹا نہ جائے اور نہ ہی پشت کی جائے۔ تلاوت کے لئے ضروری ہے کہ ترتیل کا خیال رکھا جائے۔ سورہ مزمل میں ہے۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلاً۔ قرآن کو اس طرح پڑھو کہ ایک ایک لفظ واضح ہو جائے۔ "یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے۔ سورہ طٰہٰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلاَ تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ۔ "قرآن کے لئے جلدی نہ کرو۔" تلاوت ہمیشہ اطمینان کے ساتھ کی جائے۔ صحیح تلفظ کے ساتھ ادائیگی ہو۔ اور قرآت میں خوش الحانی برقرار رہے۔ ایسا کرنے سے قلب پر رقت طاری ہو گی۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے۔ اور دل نرم ہو جائے گا۔ عشق کو تروتازگی ملے گی۔ اور روحانی سکون حاصل ہو گا۔ سیدنا حضرت حسنؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ

Marfat.com

کا گزر ایک ایسے شخص پر ہوا جو قرآن حکیم اس طرح پڑھ رہا تھا کہ ایک ایک آیت پڑھتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا۔ اسے دیکھ کر حضور ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا قول۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا۔ نہیں سنا؟ دیکھ لو یہ ہے ترتیل۔"

تلاوت قرآن کا ایک حق یہ بھی ہے کہ قرآن کو حفظ کیا جائے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں چاہئے کہ قرآن کا کچھ حصہ زبانی بھی یاد کریں۔ صرف چند سورتوں پر ہی اکتفا نہ کریں کہ وہی ساری عمر نماز میں پڑھتے رہیں۔ زیادہ نہ سہی قرآن کا کچھ حصہ ضرور زبانی یاد کرنا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں دنیا کی محبت اس قدر چھا چکی ہے کہ ہم دن رات دنیا سمیٹنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ تلاوت اور حفظ قرآن کا ذوق و شوق دلوں سے نکل چکا ہے۔ اگر ہے بھی تو چند غریب اور متوسط طبقے کے لوگوں میں کسی حد تک پایا جاتا ہے۔ جو اپنے بچوں کو مسجد میں بھیجتے ہیں اور خود بھی صبح کو تھوڑی بہت تلاوت کرتے ہیں۔ تلاوت اور حفظ قرآن کی طرف عدم توجہی کی ایک وجہ صبح کو دیر سے اٹھنا بھی ہے۔ رات گئے تک ٹیلی وژن، ڈش اور وی سی آر پر رقص و سرود کے پروگرام دیکھنا ہمارے گھروں میں معمول بن چکا ہے۔ ہر گھر ایک سینما ہال کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے۔ جس قوم کا اوڑھنا بچھونا ہی ذہنی عیاشی ہو اور آدھی رات تک ساز و آواز ہی کانوں سے ٹکرا کر ذہن کے خلیوں میں جذب ہوتی رہے وہاں دلوں کا اللہ کی یاد سے دور ہو جانا کوئی بعید نہیں۔ اس طرح صبح کی نماز بھی گئی اور تلاوت و حفظِ قرآن سے بھی دوری ہو گئی۔ آج سے تیس چالیس سال پہلے جب میڈیا نے اتنی "ترقی" نہیں کی تھی اور مادیت کی چھاپ اتنی مضبوط نہیں تھی اس وقت روحانیت میں ایک لطافت قائم تھی اور وہ معصیت کی کثافت سے کمزور نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت فجر کی اذان کانوں میں رس گھولا کرتی تھی۔ مانوس لگتی تھی۔ روح کی پاکیزگی ہمیں نیند سے بیدار کر دیتی تھی۔ اور معاشرے کا بہت بڑا حصہ مساجد کا رخ کرتا

Marfat.com

تھا۔ تقریباً ہر گھر میں بچے بچیاں بہن بھائی بہو بیٹیاں اور والدین باقاعدگی کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ اور ہر گھر سے تلاوت کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ ماحول میں پاکیزگی کی فضا طاری رہتی تھی۔ یہ نحوست نظر نہیں آتی تھی جو آج کل نظر آ رہی ہے۔ اتنی بے برکتی بھی نہیں تھی جو آجکل محسوس کی جا رہی ہے۔ ہم نے قرآن کو چھوڑ دیا تو اللہ نے ہماری طرف سے نظرِ رحمت موڑ لی۔

قرآن کا تیسرا حق یہ ہے کہ اسے سمجھا جائے۔ حقیقت میں قرآن پر ایمان لانے کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا فہم وادراک حاصل کیا جائے۔ جو آیت بھی پڑھی جائے اس کے ترجے اور تشریح سے بھی واقفیت حاصل ہونی چاہیے۔ تاکہ ہمیں پتہ تو ہو کہ ہم نے کیا پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کن امور کے بجالانے کا حکم دیا ہے اور کن باتوں کے کرنے سے منع کیا ہے۔ ہم عربی نہیں ہیں اور ہم میں سے اکثریت عربی زبان سے ناواقف ہے۔ لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ ہم عربی سیکھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ اور جب بھی قرآن پڑھتے ہیں بغیر سوچے سمجھے پڑھتے ہیں۔ میں تو اکثر کہا کرتا ہوں کہ "ہم ہر کتاب سوچ سمجھ کر پڑھتے ہیں سوائے قرآن کے" پہلی جماعت کے قاعدے سے لے کر ایم اے تک ہر مضمون کی کتاب، ہر رسالہ، اخبار اور ہر قسم کی تحریر جب بھی ہم پڑھتے ہیں سوچ سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ لیکن جب کبھی قرآن پڑھنے کی باری آتی ہے تو بغیر سوچے سمجھے پڑھتے ہیں۔ اور اگر کوئی ہمیں پوچھ بیٹھے کہ اس ایک رکوع میں جو آپ نے تلاوت کیا ہے اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ تو ظاہر ہے کہ ہمارا جواب یہی ہوگا۔ "پتہ نہیں۔" ناظرہ قرآن پاک شروع میں دو تین مرتبہ پڑھ لینا کافی ہے اس کے بعد ہمیشہ ترجے اور تفسیر کے ساتھ قرآن پاک پڑھنا چاہیے۔ تاکہ ہم قرآن کے منشاء کو سمجھ سکیں۔ کہ جو کتاب ہماری ہدایت اور راہنمائی کے لئے بھیجی گئی ہے اس میں ہے کیا؟ یہ عجیب کتاب جس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ جس کا

Marfat.com

اعجاز دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ جو علم کا ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ کیا اتنی قابل قدر کتاب صرف طاقوں میں بند کر کے رکھنے کے لئے نازل ہوئی تھی؟ حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک طویل حدیث کے راوی ہیں۔ جس میں نبی رحمت ﷺ نے فرمایا۔ "علماء کبھی بھی اس کتاب سے سیر نہیں ہو سکیں گے۔ نہ کثرت تلاوت اور بار بار پڑھنے سے اس کے لطف میں کوئی کمی آئے گی اور نہ ہی اس کے عجائبات کا خزانہ کبھی ختم ہو سکے گا۔"

جہاں تک قرآن فہمی کی بات ہے۔ ہر پڑھا لکھا آدمی اسے ترجمے اور تفسیر کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ جہاں کہیں کوئی مشکل پیش آئے علماء دین موجود ہیں۔ فقہاء اور صوفیا عظام قرآن کے اسرار اور موز بیان کرتے ہیں۔ ان کی محفلوں میں قرآن کی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔ تزکیہ نفس ہوتا ہے۔ دل کی دنیا اللہ کے ذکر اور قرآن کے نور سے روشن ہوتی ہے۔ محبت کا درس دیا جاتا ہے۔ نفرتوں اور کدورتوں سے دلوں کو صاف کیا جاتا ہے۔ سورہ قمر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ "اور بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔"

ہم قرآن کو سمجھنے کے لئے خلوص نیت کے ساتھ تیار تو ہوں۔ پھر دیکھیں اللہ تعالیٰ کتنی آسانیاں پیدا فرما دیتا ہے! ذوق اور شوق پیدا کریں۔ محبت سے قرآن پڑھیں۔ پوری کائنات کے علوم اس میں موجود ہیں۔ اگر ہم ایک ایک آیت پر غور و فکر کریں تو ہدایت و بصیرت کی ایسی ایسی راہیں کھلتی ہیں۔ کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ زندگی کے ہر شعبے ہر پہلو اور ہر رخ کے لئے راہنمائی موجود ہے۔ پوری کائنات کے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھتا ہے۔ کاش ہم غور و فکر کریں!

معلم انسانیت ﷺ فرماتے ہیں۔ "تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو خود قرآن

Marfat.com

سیکھتے ہیں اور (دوسروں کو) سکھاتے ہیں۔" (صحیح بخاری)

قرآن سیکھنے کا یہی مطلب ہے کہ پورے فہم و ادراک کے ساتھ سیکھا جائے۔ یہاں صرف ناظرہ قرآن ہی مراد نہیں ہے۔ بلکہ اس کے معانی و مطالب اور تفسیر و تشریح کا سیکھنا مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

قرآن فہمی کے بعد اس کا چوتھا حق یہ ہے۔ "اس پر عمل کیا جائے۔" قرآن پر ایمان لانا، اس کی تلاوت کرنا اور اسے سمجھنا در حقیقت اس پر عمل کرنے کے ہی ابتدائی اقدام ہیں۔ بغیر عمل کے فقط علم نہ صرف بے فائدہ ہے بلکہ نقصان دہ بھی ہے۔ یہ کتاب ہدایت ہے۔ مکمل ضابطہ حیات اور عملی دستور ہے۔ اس کی آیات بینات پہ عمل کرنے ہی سے ہم دینی اور دنیاوی کامیابیاں حاصل کر سکتے ہیں۔ اور ایمان بالقرآن کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس پر حسب استطاعت عمل کیا جائے۔ محسن انسانیت حضور رسالت مآب ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ لا یومن احد کم حتی یکون هواه تبعاً لما جئت به۔ "تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش نفس اس (ہدایت) کے تابع نہ ہو جائے جو میں لایا ہوں۔ (یعنی قرآن و سنت)۔"

حضور ﷺ نے بہت بڑی بات فرما دی کہ دیکھو تمہاری تمام خواہشیں، چاہتیں اور رضامندیاں یہاں تک کہ دل کے تمام جذبات اور احساسات میری لائی ہوئی ہدایت یعنی قرآن و سنت کے تابع ہو جانے چاہئیں۔ حقیقت میں نبی کریم ﷺ نے تصوف کے ایک اعلیٰ وارفع مقام سے پردہ اٹھایا ہے۔ جسے مقام رضا اور فنافی اللہ کہا جاتا ہے۔ کہ اے بندے اب تیری مرضی ختم اور میری مرضی شروع۔ فنافی اللہ یہی ہے کہ بندہ اپنی نفی کر دیتا ہے۔ کہ اے اللہ میں کچھ بھی نہیں تُو ہی سب کچھ ہے۔ میری مرضی ختم اب تیری ہی رضا پر زندگی گزاروں گا۔ اپنے آپ کو تیرے سپرد جو کر دیا۔ تیری سرپرستی میں جو آ گیا۔ میرا مقام عجز و انکسار اور تیرا مقام سبحان ربی الاعلیٰ۔ میں تیرا غلام

Marfat.com

اور بندہ۔ تو میرا مولیٰ و آقا۔ اب چون و چراں ختم سر تسلیم خم۔ قرآن و سنت کا نور داہنے ہاتھ میں ہے۔ اسلام کا صراط مستقیم سامنے ہے۔ مرشد کی راہنمائی میں منزل کی طرف رواں دواں تیرا یہ بندہ تیری سرپرستی میں ہے۔ نفسانی خواہشات دم توڑ گئیں، ابلیس کی چالیں ناکام ہو گئیں۔ شیاطین کے دلفریب جال تار تار ہو گئے۔ کتاب اللہ سے پیار ہو گیا۔ سنت رسول ﷺ سے انس ہو گیا۔ مرشد کی صحبت نے کیا کچھ نہ دیا! دل نرم ہو گئے۔ رقتیں طاری ہو گئیں۔ آنکھیں پرنم رہنے لگیں۔

نور بصیرت عام ہونے لگا۔ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰاهُمْ۔ (سورہ محمد: ۱۷) "اور جو (خوش نصیب) راہ ہدایت پر چل نکلے تو ان کو مزید عطا ہوئی (دین کی) سوجھ بوجھ۔ اور نصیب ہوئی پرہیزگاری۔"

اس راہ پر چلنے والے خوش نصیبوں کی قسمت کا بھی کیا کہنا! اپنی مرضی ختم کر دینے میں بھی ایک لطف ہے لیکن یہ ہر ایک کی قسمت میں کہاں؟ ہر امت میں بہت تھوڑے ادھر آئے ہیں۔ اکثر شیاطین کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ادھر آنے کی توفیق مل جائے تو پھر وہ اس کا شکر ادا کرے ناشکری نہ کرے۔

قرآن کو سرسری طور پر محض ایک کتاب سمجھ کر نہ پڑھے بلکہ محبت سے اللہ کا کلام سمجھ کر پڑھے۔ میں نے یہاں لفظ "محبت" استعمال کیا ہے۔ اللہ سے محبت کرنے والے اور اس محبت کے تحت اس کے محبوب کریم ﷺ سے محبت کرنے والے قرآن کو کسی اور انداز سے پڑھتے ہیں۔ وہی انداز جو حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو سکھایا تھا۔ وہ رنگ جو محبت کا رنگ ہے جب چڑھتا ہے تو اترتا نہیں۔ بلکہ اور پکا ہوتا رہتا ہے۔

وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا۔ (الانفال: ۲)

"اور جب ان پر اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو یہ ان کے ایمان کو اور بڑھا دیتی ہیں۔"

Marfat.com

ایمان کی پختگی اور زیادتی کیا ہے؟۔ قرآن پر اللہ کی رضا کی خاطر عمل پیرا ہونا۔ اور حضور ﷺ کے اسوہ حسنہ کے مطابق زندگی گزارنا۔ یہی ایمان کی پختگی ہے۔ ایمان پختہ ہو گا تو دل میں تقویٰ ہو گا۔ اور جب تقویٰ ہو گا تو نیکی سے محبت پیدا ہو گی اور برائی سے نفرت ہو جائے گی۔ اس لئے قرآن کو محبت سے پڑھا جائے۔ ورنہ بہت سے قرآن پڑھنے والے گمراہ ہو گئے۔ ہدایت تو اس سے وہی پاتے ہیں جن کے دل ایمان کی حلاوت سے شیریں ہوتے ہیں۔ سورۃ بقرہ میں اسی بات کی نشاندہی کر دی۔

اللہ نے فرمایا۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْراً وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْراً۔ "گمراہ کرتا ہے اس سے بہت سے لوگوں کو اور ہدایت دیتا ہے اس (قرآن) سے بہت سے لوگوں کو۔"

سوچنے والی بات یہ ہے کہ بہت سے لوگ قرآن پڑھ کر گمراہ کیوں ہو جاتے ہیں حالانکہ قرآن خود اعلان کر رہا ہے۔ هُدًى لِلنَّاسِ۔ یہ قرآن تمام لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے۔ مگر اس سے ہدایت اور راہنمائی کون خوش نصیب حاصل کرتے ہیں؟ ارشاد ہوتا ہے۔

الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ (سورہ البقرہ) "الف لام میم۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں ذرا بھی شک نہیں ہے۔ یہ ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لئے۔"

سورہ آل عمران میں اس حقیقت کو مزید کھول کر بیان کر دیا۔ فرمایا۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ (آیت ۱۳۸)

"(دیکھو) یہ ایک بیان ہے لوگوں (کے سمجھانے) کے لئے۔ اور ہدایت اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے۔"

پتہ یہ چلا کہ جب دل کے اندر تقویٰ ہو گا۔ تو قرآن کی تلاوت اس پر غور و فکر اور عمل سب کچھ باعث ہدایت بن جائے گا اور اگر دل کے اندر کجی اور ٹیڑھ پن ہو گا یونہی

Marfat.com

آیات کی اپنی سوچ کے مطابق تاویلیں کی جائیں گی۔ آیات متشابہات کے پیچھے پڑ کر نئے نئے فتنے پیدا کریں گے تو یہی قرآن پڑھ کر بہت سے گمراہ ہو جائیں گے۔ اس لئے یہ بات ذہن نشین کر لیتی چاہئے کہ قرآن صرف اور صرف متقین کو ہدایت دیتا ہے۔ پہلے ہمیں دل کے اندر تقویٰ پیدا کرنا چاہئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تقویٰ کس طرح پیدا کیا جائے۔ اس سوال کے جواب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ تقویٰ ہوتا کیا ہے؟ اجمالاً تقویٰ کی تعریف یہ ہے کہ دل کے اندر نیکی سے محبت پیدا ہو جائے اور برائی سے نفرت پیدا ہو جائے۔ اب اس کا حصول۔؟ تو اس کے لئے خلوص نیت، اللہ کی ذات سے محبت ساتھ ہی اس کی ناراضی کا خوف عشق رسول اور مرشدؒ کی صحبت ضروری ہے۔ خالصتہً اللہ کا ہونا پڑے گا۔ اس میں ہماری اپنی نیت کا خلوص اور ارادے کی پختگی بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ جب یہ ہو جائے تو پھر مرشد کی صحبت میں پہلا قدم توبہ کا ہے۔ توبہ کے بعد مرشد جو ذکر بتائے گا اس ذکر الہٰی پر استقامت۔ ساتھ ساتھ وہ تمام پرہیز بھی کئے جائیں جو ذکر الہٰی کے اثرات کو پختہ کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ جب یہ عمل شروع ہو گا تو پھر اللہ کی محبت دل میں رچ بس جائے گی۔ برائی سے نفرت ہونے لگے گی۔ اور ایک دھڑکا سا لگ جائے گا کہ کوئی گناہ ہو گیا تو اللہ ناراض ہو جائے گا۔ بس یہی تقویٰ ہے۔ پھر قرآن حکیم کی تلاوت، اس پر غور و فکر اور سوجھ بوجھ کے ساتھ جب عمل ہو گا تو بس کام بن جائے گا۔ اتنی سی بات ہے۔ لیکن جو طریقہ ہے یہاں تک پہنچنے کا وہ اپنانا پڑے گا۔ ورنہ منزل نہیں ملے گی بس راستے کی دھول میں ہی ہاتھ پاؤں مارتے رہیں گے۔

قرآن حکیم کا پانچواں حق یہ ہے کہ "اسے دوسروں تک پہنچایا جائے۔" یعنی تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیا جائے۔ یہ فریضہ امت پر حسب توفیق اور حسب استطاعت ہے۔ جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً۔ "میری طرف سے

Marfat.com

اگر چہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو وہ دوسروں تک پہنچادو۔" پتہ یہ چلا کہ یہ حکم سب کے لئے ہے۔ کہ جسے بھی کوئی آیت یا حدیث ملتی ہے وہ اس کی تبلیغ کرے دوسروں کو اس کے اوامر ونواہی بتائے۔ خواہ کوئی کم پڑھا لکھا ہے یا زیادہ پڑھا لکھا ہے۔ سب پر تبلیغ دین واجب ہے۔ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہر ایک کے لئے ضروری ہے۔ قرآن حکیم کو دوسروں تک پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ حسب استطاعت اگر ہم میں سے کوئی کسی کو ناظرہ قرآن پاک پڑھا سکتا ہے تو وہ دوسروں کو پڑھادے اگر کوئی حفظ کرا سکتا ہے تو حفظ کرادے۔ اگر کوئی معانی اور مطالب کے ساتھ تفسیری طور پر قرآن حکیم کا درس دے سکتا ہے تو وہ یہ فریضہ ضرور انجام دے۔ تاکہ قرآنی تعلیمات اتنی عام ہو جائیں کہ پورا معاشرہ مستفید ہو۔ معلم انسانیت، ہادی کامل حضرت محمد مصطفی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

"اے اہل قرآن! قرآن کو صرف اپنا تکیہ ہی نہ بنالو۔ بلکہ رات اور دن کے اوقات میں اس کی تلاوت کیا کرو۔ جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے۔ اور اس کو (ہر طرف) پھیلا دو۔ اور خوش الحانی سے لطف لیتے ہوئے پڑھا کرو۔ اور اس پر غور و فکر کرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔" (بیہقی شعب الایمان)

قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے چھوٹے پیمانے سے لے کر بڑے پیمانے تک کام ہونا چاہئے۔ ہمارے ہاں زیادہ توجہ ناظرہ قرآن پاک اور حفظ قرآن پر دی جاتی ہے۔ اور جب کوئی ناظرہ قرآن پڑھ لیتا ہے تو وہ بس ساری عمر صرف ناظرہ ہی پڑھتا رہتا ہے۔ اور اگر کوئی حفظ کر لیتا ہے تو وہ بس اسی پر اکتفا کر کے تراویح کی نماز میں سنانے میں لگا رہتا ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ جو ناظرہ سیکھ لے وہ پھر ترجمے اور تفسیر کے ساتھ قرآن فہمی میں مصروف ہو جائے اور آہستہ آہستہ یہ پانچوں حقوق پورے کرنے کے قابل ہو جائے۔ تاکہ قرآن حکیم کا جو مقصد ہے وہ پورا ہو۔ اب جس نے قرآن حفظ کر لیا۔ بس

Marfat.com

وہ حفظ کر کے ہی بیٹھ گیا اب وہ اس سے آگے قدم نہیں اٹھاتا۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ اتنی عظیم کتاب کو حفظ کرنے کی جو توفیق اللہ تعالیٰ نے مجھے دی ہے۔ اور معاشرے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے جو باعزت مقام دیا ہے۔ اس کا شکرانہ کیا ہے؟ میں نے جو عربی عبارت یاد کر لی ہے اس کا مفہوم کیا ہے؟ یہ کتاب جو میرے سینے میں محفوظ ہے یہ کس چیز کا حکم دیتی ہے اور کن کن برائیوں سے منع کرتی ہے؟ اسے کچھ معلوم نہیں۔ حفاظ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا کام بس اتنا ہی ہے کہ وہ دوسروں کو حافظ بنا دیں۔ کسی جلسے میں تلاوت کر دیں یا ماہ رمضان میں نماز تراویح میں قرآن سنا دیں۔ دیکھا جائے تو یہ تینوں کام بہت اہم ہیں۔ لیکن ان کی اہمیت اس وقت صفر ہو جاتی ہے جب فہم و عمل سے خالی ہوتے ہیں۔ حفاظ کی اکثریت ایسی ہے جو قرآنی تعلیمات اور اس کے فہم و ادراک سے نابلد ہے۔ جب قرآن فہمی نہیں ہو گی تو قرآنی تعلیمات پر عمل کیسے ہو گا۔ حفظ قرآن یا قرأت قرآن کا مطلب محض لفاظی نہیں کہ لفظوں کو رٹ لیا جائے اور بس۔ بلکہ اس سے مراد پورے فہم و ادراک کے ساتھ قرآن کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ ہم اپنے بچوں کو جب قرآن حفظ کروا دیں تو پھر وہیں رک نہ جائیں بلکہ آگے قدم بڑھائیں اسے ترجمہ بھی اسی طرح یاد کروائیں جس طرح ناظرہ قرآن حفظ کروایا تھا۔ دو تین سال ترجمے اور تفسیر میں لگ جائیں۔ ایسا حافظ جب تراویح کی نماز میں قرآن سنائے گا تو اسے پتہ ہو گا کہ وہ کیا سنا رہا ہے۔ تو جو رقت اس کے دل پر طاری ہو گی اور جو اثرات اس کے قلب و روح پر ظاہر ہوں گے۔ وہ مقتدیوں کی اصلاح کا باعث بنیں گے۔ جہاں اس کے اپنے اعمال سنور جائیں گے وہاں جب وہ تبلیغ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسکی زبان میں اثر پیدا کر دے گا۔ قرآنی فیض جاری ہو جائے گا۔ اور ایسے ہی حافظ اور قاری کے لئے حضور رسالت مآب ﷺ نے نوید سنائی ہے:

۱۔ ''جس شخص نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا تو اس کے والدین کو قیامت کے روز

Marfat.com

ایک ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بہتر ہو گی۔"

ایسے ہی حافظ قرآن سے کہا جائے گا۔

ب۔ "تُو قرآن کی تلاوت کرتا جا اور جنت کے درجات اور منازل پر بلند ہوتا جا۔ تیری آخری منزل وہی ہو گی جہاں تُو تلاوت ختم کرے گا۔"

ایسے ہی باعمل قاری کے لئے حضور ﷺ نے فرمایا۔

ج۔ "جو شخص کتاب الٰہی کی تلاوت کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ وہ نہ دنیا میں گمراہ ہو گا اور نہ آخرت میں محروم ہو گا۔"

اس کے برعکس اس قاری اور حافظ کے بارے میں بھی حضور رسالت مآب ﷺ کا ارشاد سن لیجئے۔ جو قرآن کی قرات تو کرتا ہے لیکن عمل سے کورا ہے اور جو حفظ تو کرتا ہے مگر محض الفاظِ قرآن تک زبان چلاتا ہے۔ اس کی قرات اس کے دل پر اثر پذیر نہیں ہوتی۔ صرف تلاوت ہی تلاوت ہے عمل نہیں ہے۔ فرمایا

اَکْثَرُ مُنَافِقِیْ اُمَّتِیْ قُرَّاءُ ھَا۔ (مسند احمد)

"میری امت کے منافقین کی سب سے بڑی تعداد قراء کی ہے۔"

استغفر اللہ۔

منافقت کیا ہے؟ کہ بظاہر قرآن کی تلاوت و قرات مگر باطن میں بدعملی۔ جب ظاہر و باطن یکساں نہ ہو گا تو منافقت ہو گی۔ دراصل حفظ قرآن کا ہم نے جو مطلب سمجھ رکھا ہے وہ بس اتنا ہی ہے کہ الفاظ رٹ لئے جائیں۔ اور انہیں سنا دیا جائے۔ لیکن نبی کریم ﷺ حفظ قرآن پر جو خوش خبریاں سنا رہے ہیں وہ الفاظ کے محض رٹ لینے پر نہیں بلکہ اس حافظ و قاری کے لئے ہیں جس کی پوری شخصیت میں قرآن کا علم اور اس کا نور رچ بس گیا ہو اور قرآنی تعلیمات اس کی سیرت و کردار سے منعکس ہوتی ہوں۔ اسی کا نام فہم قرآن اور عمل بالقرآن ہے۔ جب یہ بات بنے گی تو پھر دوسروں تک پہنچانے کا کام

Marfat.com

شروع ہو گا۔

حضرت ابو عبد الرحمٰن سلمیؒ کہتے ہیں کہ مجھے ان لوگوں نے بتایا جو قرآن کی قرات کرتے تھے۔ جیسے حضرت عثمانؓ بن عفان اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ وغیرہ کہ ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ جب وہ نبی کریم ﷺ سے دس آئتیں بھی پڑھ لیتے تو جب تک ان آیتوں کے علم و عمل کو اچھی طرح سمجھ نہ لیتے آگے نہ بڑھتے۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ ہم نے قرآن کی تعلیم اور اس پر عمل کرنا ایک ساتھ سیکھا ہے۔ اسی وجہ سے ایک سورت کے حفظ کرنے پر وہ کافی مدت لگا دیا کرتے تھے۔" (الاتقان فی علوم القرآن)

اس ضمن میں حضور رہبر کامل نبی رحمت ﷺ کا ایک فرمان بھی قابل غور ہے کہ۔

"قرآن یا تو تمہارے حق میں حجت بنے گا یا تمہارے خلاف۔"

اس لئے محض ناظرہ قرآن پڑھتے رہنا اور اس کے معانی و مفہوم کو سمجھنے کی دانستہ کوشش بھی نہ کرنا انتہائی قابل مواخذہ بات ہے۔ اگر ہم قرآن کے یہ پانچوں حقوق ادا کریں گے تو قرآن قیامت کے دن ہماری سفارش کرے گا اور اگر ہم ان حقوق کو نظر انداز کر دیں گے تو اللہ نہ کرے قرآن ہمارے خلاف حجت بن جائے۔

قرآن ایک عالمگیر پیغام ہے۔ اس کی آفاقی تعلیمات ہر قوم ہر خطے اور ہر دور کے لئے دائمی نجات اور مستقل فلاح و کامرانی کا باعث ہیں۔ جسے امت محمدیہ نے دوسروں تک پہنچانا ہے۔ اس لئے امت کا ہر فرد اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق اس فرض کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۴۔ ملائکہ پر ایمان

ملائکہ عربی میں فرشتوں کو کہتے ہیں۔ اس کا واحد مَلَکٌ ہے۔ جس کے لغوی معنی قاصد کے ہیں۔ اس کے لئے قرآن حکیم میں "رسول" کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ جس کے لغوی معنی پیغام لانے والے کے ہیں۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی غیر مرئی نوری

Marfat.com

مخلوق ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرماں بردار اور ہر وقت اس کی تسبیح و تقدیس بیان کرنے والے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کی خاکی مخلوق انسانوں کے درمیان پیغام رسانی کا فرض بھی ادا کرتے ہیں۔ توحید و رسالت کی طرح فرشتوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

اسلام سے قبل بھی لوگ فرشتوں کے وجود کے قائل تھے۔ لیکن بعض لوگ ان کے بارے میں نہایت غلط تصورات رکھتے تھے۔ مثلاً عیسائیوں نے روح القدس (جبریل امین) کو اللہ کا جزو قرار دے کر تثلیث کا ایک نیا عقیدہ گھڑ لیا۔ یہودیوں نے فرشتوں کو اللہ کے مشابہہ قرار دیا۔ صابی ان کے نام کی قربانیاں دیتے اور مجسمے بناتے۔ مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے (نعوذ باللہ)۔ یونانیوں نے انہیں دیوتا اور اس کائنات کا خالق تسلیم کر لیا۔ اس طرح فرشتوں کے بارے میں بہت سے غیر اسلامی تصورات عام پائے جاتے تھے۔

اسلام نے ان تمام عقائد باطلہ کو رد کرتے ہوئے فرشتوں کے بارے میں اسلامی تصور پیش کیا۔ کہ فرشتے نہ تو اللہ کی حاکیت میں اس کے شریک ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی کوئی رشتہ داری ہے۔ وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی مطیع و فرماں بردار نوری مخلوق ہے۔ جو کبھی بھی نافرمانی نہیں کرتی۔ فرشتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاتے ہیں۔ وہ سلطنت الہیہ کے کارندے ہیں۔ اور اسی کے حکم کے مطابق دنیا میں اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

ان کے بہت سے فرائض ہیں۔ مثلاً پیغام رسانی، تسبیح و تہلیل، اطاعت الٰہی، انسانی اعمال کی نگرانی، ارواح قبض کرنا، بشارت الٰہیہ سے آگاہ کرنا، عذاب الٰہی کے ساتھ نازل ہونا، جنت اور دوزخ کی نگرانی کرنا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت انسانوں کی مدد کرنا وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بے پناہ قوتوں کا مالک بنایا ہے۔ یہ اپنے نورانی وجود کو ہر

Marfat.com

شکل میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت جبرئیل امین بعض اوقات مشہور صحابی رسول حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں ظہور پذیر ہو کر نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں فرشتے انسانی صورت میں مجسم حاضر ہوئے اور بیٹے کی خوشخبری دی۔

پھر لوط علیہ السلام کی طرف ان کی قوم کے لئے عذاب الٰہی لے کر انسانی صورت میں حاضر ہوئے۔ اولیاء اللہ کے پاس بھی فرشتے انسانی صورت میں آتے ہیں۔ جو ان کی بعض معاملات میں راہنمائی فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کی حفاظت کے لئے بھی فرشتوں کو مقرر فرماتا ہے۔ لوگوں میں ایک تصور یہ بھی پایا جاتا ہے کہ بزرگوں کی ارواح بعض اوقات متشکل ہو کر آتی ہیں اور پھر اچانک غائب ہو جاتی ہیں مثلاً فلاں بزرگ اچانک ظاہر ہوئے اور ایک بھولے ہوئے مسافر کو راہ بتا کر غائب ہو گئے یا فلاں گھر میں ایک بزرگ رہتا ہے جو کبھی نظر آتا ہے اور پھر غائب ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایسا واقعہ اگر کہیں پیش آتا ہے تو وہ کسی بزرگ کی روح نہیں ہوتی بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہوتے ہیں جو انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اللہ کے بندوں کی مدد کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کے ان گنت فرشتے موجود ہیں تو پھر بزرگوں کی ارواح کو متشکل کر کے بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کی یہ نورانی مخلوق بے شمار ہے۔ ان کی صحیح تعداد تو اللہ رب العزت ہی جانتا ہے۔ لیکن چار فرشتے سب سے زیادہ بلند مرتبہ اور مشہور ہیں۔ جن میں حضرت جبرئیل علیہ السلام جو تمام فرشتوں کے سردار بلند مرتبہ ہیں۔ تمام انبیاء اور رسولوں کی طرف وحی الٰہی لے کر آیا کرتے تھے۔ قرآن مجید بھی انہی کے ذریعے حضور رسالت مآب نبی آخر الزماں ختم الرسل ﷺ پر نازل ہوا۔ روح القدس، ملک کریم اور سید الملائکہ انہی کے القاب ہیں۔

Marfat.com

دوسرے مشہور فرشتے حضرت میکائیل علیہ السلام ہیں۔ رزق اور بارش بھیجنے پر متعین ہیں۔ حق تعالیٰ نے انہیں رزق کے معاملے میں اختیارات عطا فرمائے ہیں۔

تیسرے مقرب فرشتے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں۔ جو قیامت کے دن صور پھونکیں گے۔ جس کی آواز سنتے ہی تمام ذی روح مخلوق فنا ہو جائے گی۔ جب وہ دوبارہ صور پھونکیں گے تو تمام مخلوق دوبارہ زندہ ہو جائے گی اور میدان حشر برپا ہو گا۔

چوتھے مشہور اور مقرب فرشتے حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں۔ انہیں ملک الموت یعنی موت کا فرشتہ بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے ماتحت بے شمار فرشتے ہیں۔ جو ان کی نگرانی میں ہر ذی روح کی روح قبض کر کے اس پر موت طاری کرتے ہیں۔

اسلامی عقیدے کے تحت فرشتوں پر ایمان لانے سے بہت سے عقائد باطلہ کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ شرک اور توہم پرستی سے نجات ملتی ہے۔ مادہ پرستی کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ جو لوگ مادہ ہی کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں انہیں یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ مادے پر بھی روحانی اسباب کا تسلط ہے۔

فرشتوں کی اطاعت الٰہیہ سے ہمیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا سبق ملتا ہے۔ جو ہمارے کردار اور سیرت کی تشکیل میں مدد ہے۔ ان کی طہارت و پاکیزگی ہمیں اپنے تزکیہ نفس کی دعوت دیتی ہے۔

۵۔ آخرت پر ایمان: عقیدہ آخرت کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ یوم آخرت اللہ کے انصاف کا دن ہے۔ انسان جو کچھ اس دنیا میں عمل کرتا ہے اس کا اجر اس روز ملے گا۔ انسانی سیرت و کردار پر اس عقیدے کا بہت گہرا اثر ہے۔ اگر انسان کو اپنے اعمال کی سزا و جزا کا ڈر نہ ہو تو یہ دنیا ظلم و ستم سے بھر جائے۔ امن و سکون درہم برہم ہو جائے۔ نیکی کا وجود ختم ہو جائے۔ تخلیق انسان کا مقصد فوت ہو جائے۔ جن لوگوں کا یوم آخرت پر ایمان نہیں ہوتا وہ اللہ کی زمین پر فساد برپا کرتے ہیں (المائدہ۔ ۶۴)

Marfat.com

انسانی فطرت ہے کہ اگر پرسش اور احتساب کا ڈر نہ ہو تو انسان اپنے عمل میں بہت سی بے قاعدگیاں اور سستیاں کر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی سچی کتاب قرآن حکیم میں نیکی اور بدی کے دونوں راستے واضح کر دیئے ہیں نیکوکاروں اور بدکاروں دونوں کی جزاو سزا کی وضاحت بھی کر دی ہے۔ جنت اور دوزخ کے حالات بھی بیان کر دیئے ہیں۔ نیکی پر حوصلہ افزائی کی گئی ہے اور بدی پر تنبیہ کر دی گئی ہے۔ دنیاوی زندگی کا بھانڈہ پھوڑ دیا گیا ہے۔ کہ یہ کتنی مختصر قلیل اور عارضی ہے! اور آخرت کی ابدی، پائیدار اور نعمتوں بھری زندگی کے بارے میں بھی بتا دیا گیا ہے۔ قیامت کی ہولناکیاں، بدکاروں کی حالتِ زار اور متقین کی آسانیاں بھی بتا دی گئی ہیں۔ اس کے بعد جو ایمان نہ لائے وہ تو سزا کا ضرور مستحق ہو گا۔

عقیدہ آخرت میں موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر ایمان بھی شامل ہے۔ اعمال کا بہت زیادہ انحصار اس عقیدہ پر ہے جب انسان کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے جو اس سے بہتر اور پائیدار ہے جس کے فوائد یہاں کے فوائد سے فراواں اور وہاں کے نقصانات یہاں کے نقصانات سے زیادہ مہلک اور سخت ہیں، تو وہ عمل کرنے سے پہلے ضرور سوچے گا کہ اس عمل سے مجھے آخرت میں سرخرو ہونا پڑے گا یا شرمندہ۔ اس کے دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو گا وہ بدی کرتے وقت کانپ اٹھے گا۔ اور نیکی کرتے وقت خوشی اور مسرت محسوس کرے گا۔ جس سے اس کا اخلاقی کردار سنورے گا۔ اس کی سیرت کی اعلیٰ تشکیل ہو گی۔ اس کے نفس کا تزکیہ ہو گا اور وہ تقویٰ اختیار کرے گا۔ وہ نیکیوں میں سبقت لے جائیگا۔ برائیاں اس سے دور ہوتی جائیں گی۔ وہ بدعات سے بچے گا۔ سنت پر کاربند ہو گا۔ اطاعت اللہ اور اطاعت واتباع رسول ﷺ میں سر تسلیم خم کیے رکھے گا۔ پھر ایک دن آئیگا کہ اس کا شمار صالحین اور مقربین میں ہو گا۔

ہم میں سے ہر ایک اپنے اعمال کا جوابدہ ہے۔ ہر ایک سے انصاف ہو گا۔ کسی پر ذرہ

Marfat.com

برابر بھی ظلم وزیادتی نہ ہو گی۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ ☆ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا۔

(النساء:۷۷)

"(اے نبی ﷺ) فرمادیجئے کہ دنیا کی زندگی تو تھوڑی ہے۔
(جس کے لیے یہ لوگ مرے جارہے ہیں) اور آخرت اس کے
لیے بہتر ہے جو پرہیزگاری کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ اور کسی
پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں ہو گا۔"

زندگی تو وہی بہتر ہے جو اللہ کی اطاعت اور رسول ﷺ کی اتباع میں بسر ہو کاش ہم غور و فکر کر کے اپنی اصلاح کریں۔ وہ وقت بڑا سخت ہو گا۔ جب اللہ کے حضور پیشی ہو گی۔ آیا مومن کی حیثیت سے یا مجرم کی حیثیت سے؟ اس سوال کا جواب ہمارے عمل دیں گے۔ آئیں ہم سب اپنے عملوں کو دیکھیں۔ اپنے اندر جھانکیں۔ اپنے کردار واخلاق اور سیرت ملاحظہ کریں۔ وہ دن بڑا سخت ہو گا۔ جب نامہ اعمال پکڑایا جائے گا۔ آیا داہنے ہاتھ میں یا پیچھے سے بائیں ہاتھ میں اس سوال کا جواب بھی ہمارے عمل ہی بتائیں گے۔ آئیں۔ اللہ کی طرف

اللہ کے رسول ﷺ کی طرف

قرآن وسنت کی طرف

اور سنوارلیں اپنی زندگیاں

اور نکھارلیں اپنے اعمال

پھر کیا ہو گا۔؟

ہم اللہ کے مطیع وفرمانبردار بندے بن جائیں گے۔ جنہیں نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ غم۔ یقین کرلیں۔ اللہ کی باتوں پر اس کے رسول کی باتوں پر اور عمل کریں قرآن و

Marfat.com

سنت کے مطابق۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے وہ محروم نہیں کرے گا۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ☆ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ۔

"خبردار۔ بیشک اللہ کے مطیع و فرمانبردار بندے (اولیاء کرام) وہ لوگ ہیں جنہیں نہ تو کوئی خوف ہو گا اور نہ غم یہ وہی لوگ تو ہیں جو (پختہ) ایمان لائے اور اللہ (کی ناراضی) سے ڈرے۔"

(یونس: ۶۲۔ ۶۳)

ایسا کرنے سے انہیں کیا صلہ ملا۔؟

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ (یونس: ۶۴)

"ان کے لئے دنیاوی زندگی میں بھی خوشخبری ہے۔ اور آخرت کی ابدی زندگی میں بھی۔ (ایسا ہی ہے کیونکہ) اللہ کی باتیں بدلتی نہیں۔ یہی بہت بڑی سعادت و کامیابی ہے۔"

Marfat.com

باب 7

منزلِ مقصود

---تیری اپنی پہچان---

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝

(الانعام: ۱۵۳)

"اور بے شک یہ ہے میرا سیدھا راستہ۔ لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو۔ (ورنہ) وہ جدا کر دیں گے تمہیں اللہ کے راستے سے۔ یہ ہے وہ (ہدایت) حکم دیا ہے تمہیں جس کا اس لئے کہ تم متقی بن جاؤ۔"

Marfat.com

اے انسان--!

آخر تیری منزل آہی گئی--

"انسان سے مسلمان تک" کا طویل سفر تُو نے مکمل کر لیا۔

یہ سفر بڑا دشوار گزار تھا۔ گو راستہ تو سیدھا اور صاف تھا مگر اس راستے کے دائیں بائیں ہزاروں ٹیڑھی اور ترچھی گزرگاہیں تھیں جن کے کئی دروازے تھے۔ ہر دروازے پر تیرا دشمن...... ازلی دشمن اور اس کے کارندے مختلف روپ دھارے دھاک میں بیٹھے تھے۔ وہ ہر قدم پر تجھے اپنی طرف متوجہ کرتے تھے۔ ان کے بلانے کے انداز بڑے دلفریب تھے۔ کبھی وہ لالچ دیتے۔ کبھی اس سیدھے راستے کی دشواریوں، پریشانیوں اور سفر کی تھکا دینے والی صعوبتوں سے ڈراتے۔ وہ چاہتے تھے کہ تُو کسی طرح ان کی دلکش، سحر انگیز اور کیف آگئیں چالوں میں آجائے---

تیرا دل تو کرتا تھا کہ تو اُن کی باتوں پر کان دھرے ان کے دروازوں تک جائے کبھی کبھی تُو رک بھی جاتا تھا۔ اور ان کے خوشنما جالوں کے قریب بھی پہنچ جاتا تھا مگر تیرا رہبر جس کو تُو نے اس سفر میں اپنا مرشد بھی تسلیم کر لیا تھا تیرے ساتھ ساتھ رہا۔ جب بھی تیرے قدم رکتے وہ تیرا دامن کھینچ لیتا۔ تجھے پکڑ کر پھر سیدھے راستے پر ڈال دیتا۔ تیرے دل میں اٹھنے والے وسوسوں اور نفسانی خواہشات کو اللہ کے ذکر سے دبا دیتا وہ تیرے قلب پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ تُو ذرا ادھر ادھر ہوتا تو تیری اصلاح کرتا۔ چونکہ تیرا مرشد اس راہ کی اونچ نیچ سے واقف تھا اس لئے وہ جانتا تھا اس راہ پر دھاک لگائے شیطان کو--- اس کے وسوسوں کو اور اس کے حربوں کو جو وہ اس راہ کے ہر سنگِ میل پر استعمال کرتا تھا شیطان کی چالیں بڑی خطرناک تھیں۔ تجھے پتہ ہے بسا اوقات ایسا ہوا کہ شیطان برائی کو بڑی خوشنما بنا کر تیرے سامنے پیش کرتا--- اور کہتا --- "ادھر دیکھ یہاں کی خوبصورت دنیا اس دروازے کے اندر آ۔ بڑا کیف و سرور ہے

Marfat.com

میری ان راہوں میں--- عیش و عشرت کی دنیا، آزادی کی دنیا--نہ کوئی پابندی نہ کوئی رکاوٹ۔ آ--اِدھر آ۔ اُس راستے پر تجھے کیا ملے گا؟ بھوک ننگ -- پریشانیاں، پابندیاں .... کبھی تیز ے خیالات پر پابندی، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، کھانے پینے پر پابندی۔ پانچ وقت نماز کی مستقل پابندی، رمضان میں پورا مہینہ گرمی سردی میں کھانے پینے کی پابندی۔ اپنے قیمتی مال سے زکوٰۃ ادا کرنے کی پابندی..... دیکھو اتنی رقم خواہ مخواہ غریبوں کو دے گا تیرا مال گھٹ جائے گا پھر تُو بھی غریب ہو جائے گا۔ حج پر اتنا پیسہ خرچ کرتے ہو وہی بچالو--- آ میرے دوست اِدھر آ۔ مَیں تیرا دشمن تھوڑا ہوں۔ یونہی مجھے بدنام کیا ہوا ہے۔ آ--- تجھے ان پابندیوں سے آزاد کر دوں-- پھر تُو آزاد پھرے گا--مادر پدر آزاد جدھر چاہے دیکھے گا جو چاہے سنے گا۔ یہ دنیا بڑی رنگین ہے میرے دوست--- آ--- کیا سوچ رہا ہے---؟ آ بھی جا یار---"

--- یہ شیطانی آوازیں تیرے دل میں اترتی چلی گئیں۔ تیری دبی ہوئی نفسانی خواہشات میں ہلچل پیدا ہو گئی۔ تیرا دھیان منزل سے ہٹ کر دائیں بائیں ان چور دروازوں کی طرف ہو گیا۔ تیرے قدم اِدھر اُدھر اٹھنے ہی لگے تھے کہ تیرے کندھے پر پیچھے سے کسی نے ہاتھ رکھا--- یاد ہے نا۔ مَیں تیرے سفر کی روداد بیان کر رہا ہوں۔ تُو نے جھرجھری لی۔ پیچھے دیکھا تو تیرا مرشد کھڑا مسکرا رہا تھا...... فرمایا--"نہ میرے سنگی۔ نہ میرے مرید-- یہ تیری راہ نہیں۔ اس پگڈنڈی پر چلنا تجھے زیبا ہی نہیں۔ تیرا راستہ تو صراط مستقیم ہے۔ یہ سنگت ابھی سے توڑ دے گا؟" مرشد کی بات سن کے تُو نادم ہوا۔ ٹھیک ہے نا---!

درحقیقت تھوڑی دیر کے لئے تُو اپنے زادِ راہ کو بھول گیا تھا۔ تیرا زادِ راہ کوئی معمولی سامان نہیں تھا۔ اتنی بڑی دولت تھی کہ ترازو کے ایک پلڑے میں کونین کو رکھ دیا جاتا اور دوسرے میں تیرا "زادِ راہ" تو یاد رکھ تیرا زادِ راہ بھاری ہوتا--- لیکن تُو اس

Marfat.com

کی "حقیقت" سے نا آشنا تھا۔ مَیں نے آغاز سفر میں تجھے تیرا زادِراہ بتایا تھا اور تیرے مرشد نے بھی فرمایا تھا کہ۔ "دیکھ اس "زادِراہ" کو سنبھال کر رکھنا۔ اس کٹھن سفر میں یہی تیرے کام آئے گا۔"

--- لیکن تُو نے تو ان مسحور کن آوازوں کو سن کر اپنے دل کو ادھر متوجہ کر لیا تھا۔ "زادِراہ" تیرے دل سے محو ہو گیا۔ جو مسافر اپنا قیمتی سامان ہی راستے میں کھو دے وہ اپنی منزل پر کیسے پہنچے گا!

--- تیرے مرشد نے تجھے تیرا "زادراہ" واپس دلوایا۔ تجھے جھنجھوڑا اور خبر دار کیا-- کہ اتنا قیمتی خزانہ جو مالکِ کائنات نے تجھے انعام کیا تھا تُو سنبھال کر نہ رکھ سکا۔ اس خزانے کی قدر کر تُو تو سب سے امیر ہے۔ جس کے پاس اتنا قیمتی اور بے مثل خزانہ ہو اسے دنیا کی اور کیا دولت چاہئے!-- تُو نے اپنی اس غلطی کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا، تُو کئی راتیں روتا رہا۔ پھر تُو اپنے "زادراہ" کو پا کر خوش ہو گیا-- تیرا زادہ راہ --- "عشقِ رسول ﷺ تھا" --- مرشد نے تیرے دل کے اندر تیرے رسول کریم ﷺ کی محبت بھر دی۔ تجھے دوبارہ اس سفر کے لئے تیار کیا۔ تیرے دل میں تیری منزل کے ازلی اور ابدی حسن کو اجاگر کیا۔ تیرا ذوق دو چند ہو گیا، تُو نے جان لیا کہ میرا سب سے بڑا دشمن ایک ہی ہے اور وہ ہے شیطان جو میرے نفسِ لوامہ کو نفسِ امارہ میں واپس لانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ تیری تو یہ کوشش تھی نا کہ میں نفس مطمئنہ تک پہنچوں۔ مگر ایک کشمکش تھی جو ابھی جاری تھی۔ کہ اس سفر کی ابتداء میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

تیرے قدم پھر اٹھے اور تُو منزل کی طرف رواں دواں ہو گیا۔ یاد رکھ --- اگر مرشد نہ ہوتا جو تیرا راہبر تھا تو تُو اپنے دشمن کے جال میں پھنس گیا ہوتا۔ یہ تو ایک داؤ تھا جو اس نے لگایا تھا۔ اس کے بعد تو وہ اور بپھر گیا۔ کیونکہ اس نے جان لیا تھا کہ مال دار

Marfat.com

تو تُو ہی ہے۔ وہ تیرا مال چرانا چاہتا تھا۔ مگر تُو بھی بڑا ہوشیار ہو گیا۔ وہ جس روپ میں بھی آتا تُو دھتکار دیتا۔ پھر کچھ مدت کے لئے یوں لگا جیسے اس نے تیرا پیچھا چھوڑ دیا ہو۔ تُو نے سمجھا کہ وہ اب چلا گیا ہے مگر وہ تو گھات میں تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ تیرے "زادِ راہ" نے تجھے روحانی طور پر اتنا قوی کر دیا تھا کہ تُو تقوے کی بلندیوں کو چھونے لگا۔ شیطان کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ تجھے کس جال میں پھنسائے۔ کس روپ میں تیرے سامنے آئے۔ تُو بڑا مضبوط تھا اس وقت تیری روحانیت میں لطافت تھی۔ مرشد کی ذات برابر ذکر الٰہی کی خوراک تمہیں دے رہی تھی۔ اور تُو پرہیز بھی کر رہا تھا۔ اس لئے دوا اثر دکھا رہی تھی۔ جوں جوں تُو روحانی طور پر قوی ہو رہا تھا توں توں تیرا دشمن فکر مند تھا--- آخر ایک شب وہ تجھ پر حملہ آور ہو ہی گیا۔ اس وقت اُس کا روپ بہروپ کچھ اور تھا۔ تُو ابھی نماز تہجد سے فارغ ہوا تھا۔ کہ وہ--- آگیا--- اس نے تیرے تقوے اور پرہیزگاری کو تیرے سامنے رکھ دیا وسوسہ ڈالا--- وہ اور کر بھی کیا سکتا ہے! کسی کا ہاتھ پکڑ کر برائی کی طرف تو نہیں لے جا سکتا۔ بس وہ دل کے کمزور حصے پر چھا جاتا ہے--- وسوسہ ڈالتا ہے اور تصور ہی تصور میں اپنی طرف کشش پیدا کرتا ہے۔ اب جس کی روحانیت کمزور ہوتی ہے وہ کھچا چلا جاتا ہے اور جو روحانی طور پر قوی ہوتا ہے وہ بچ جاتا ہے۔ لیکن اللہ کی رحمت کا شامل حال ہونا شرط ہے اور یہ تقویٰ بھی تو اللہ کی رحمت اور فضل و کرم سے ہی ملتا ہے--- تیری تو کوئی بہادری نہیں اور نہ تیرا کوئی کمال ہے--- ہاں تو میں تجھے تیرے سفر کا ایک اہم واقعہ سنا رہا تھا--- وہ--- آگیا۔ وسوسہ ڈالا--- تیرے کانوں میں یوں لگا جیسے کوئی کہہ رہا ہے...... "واہ تُو اتنا متقی بن چکا ہے! تیرا مقام تو بہت بلند ہے۔ تُو صوفی اور ولی کامل ہے۔ دنیا تجھے سلام کرنے لگی ہے۔ تیرے پیچھے پیچھے بھاگی آ رہی ہے۔ لوگ تیرے ہاتھ چومتے ہیں تُو کھڑا ہوتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تُو بیٹھتا ہے تو بیٹھ جاتے ہیں...... میں ٹھیک ہی تو کہہ رہا

Marfat.com

ہوں-- تُو سب سے زیادہ متقی ہے نا! تُو سب سے بڑا عالم ہے نا! تیرے جیسا فقیہہ تو کوئی اور ہے نہیں۔ مجتہد بھی تُو ہی ہے اور پرہیزگاری میں تو تیرا جواب نہیں۔ تُو تہجد گزار ہے۔ دیکھ تیرا چہرہ کتنا نورانی ہے۔ جبّہ دستار جب تم پہنتے ہو تو قطبِ وقت لگتے ہو۔ میں جھوٹ تو نہیں بول رہا...... سوچ میں پڑ گئے؟ ٹھیک ہی تو ہے-- ہاں ہاں کہہ دو ٹھیک ہے۔ شاباش--- مرحبا!!---"

--- تُو مصلے سے اٹھا نماز فجر کے لئے مسجد میں چلا گیا۔ تجھے یوں لگا جیسے مسجد میں ہر نمازی تیرے رعب سے جھکا جا رہا ہے۔ ہر کوئی ادباً کھڑا ہو گیا اور تجھ سے مصافحہ کیا۔ دست بوسی کی۔ پہلی صف میں دائیں طرف جگہ دی۔ پیش امام بھی ادباً پیچھے ہٹنے لگا لیکن تُو نے بڑے فخر سے ہاتھ کا اشارہ کیا کہ تم ہی نماز پڑھاؤ۔ نماز کے بعد لوگوں نے تجھے گھیر لیا۔ ہر کوئی دست بوسی کے لئے آگے بڑھ رہا تھا اور تم بڑے وقار کے ساتھ مسجد سے باہر نکل رہے تھے--- یہ احساس ذہن پر چھا رہا تھا کہ واقعی-- "مَیں بہت متقی ہوں۔ کیوں نہ ہو۔ آخر تہجد گزار ہوں نمازی ہوں۔ ذکر کرتا ہوں۔ برائیوں سے بچتا ہوں۔ علوم ظاہری اور باطنی سے مالامال ہوں۔ عزت تو پھر ہو گی......"

--- مرشد سے ملاقات ہوئی تو تیرے اطوار بدلے ہوئے تھے۔ صحبت مرشد میں وہ آداب ملحوظ خاطر نہ رکھے گئے جو رکھنے چاہئے تھے۔ مرشد کی آنکھ نے اس تبدیلی کو بھانپ لیا---

تیرا نفس تجھ پر سوار ہو چکا تھا۔ اسے کچلنے کی ضرورت تھی-- تیرے شیخ و مرشد نے بھری محفل میں ہی تیرے نفس کو کچل کے رکھ دیا۔ تیرے نفس کو مجاہدے کی چکی میں پیس دیا۔ تُو شاند بھول گیا تھا--- اپنے آپ کو بھول گیا تھا۔ اپنی پہچان بھول گیا تھا اپنے آغاز کو فراموش کر دیا تھا۔ شیطان کا یہ ایک سادہ سا جال تھا جو اس نے تجھ پر بڑے ناصحانہ انداز میں ڈالا تھا۔ قریب تھا کہ وہ ڈوری کھینچ لیتا مگر تیرے شیخ نے اپنی ذمہ داری

Marfat.com

کا احساس کرتے ہوئے تجھے پھر سنبھالا۔ تجھ پر سختی کی۔ عرصہ دراز تک تیرے نفس سے وہ کام کروائے جو تیرا نفس کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ تجھے مجاہدے کی آگ میں تپایا گیا۔ اس دوران تُو بہت رویا۔ ساری ساری رات سجدے میں پڑ کر تُو استغفار کرتا۔ تیرا دامن آنسوؤں سے تر رہنے لگا۔ تزکیہ نفس کے اس دور میں تیرے شیخ نے تیری بڑی حوصلہ افزائی کی۔ تجھے ایسے ہی علاج کی ضرورت تھی۔ جب تُو اس بھٹی سے نکلا تو کندن بن چکا تھا۔ تیرے چہرے پر ایک نور تھا۔ جس کی پہچان صرف تیرے مرشد کو تھی --- پھر وہ وقت بھی یاد کر جب ایک دن تُو اپنے مرشد کی صحبت میں بیٹھا ہوا تھا -- سراپا تشکر اور انتہائی مودب۔ مرشد کے لبوں پر مسکراہٹ تھی -- تیری سرخروئی اور شیطان کے اس دلفریب جال سے تیری رہائی کی وجہ سے تیرے مرشد نے فرمایا ---

--- "میری سنگت اختیار کرنے والے ---۔ شکر ادا کر اپنے رب کریم کا کہ اس نے تجھے ایک ایسی دلدل سے نکالنے کے اسباب پیدا کر دیئے جہاں گرے ہوئے بہت ہی کم خوش نصیب باہر آتے ہیں۔ جس مقام پر تُو پہنچ چکا تھا یہ بڑا نازک مقام ہوتا ہے۔ منزل قریب ہوتی ہے چند سنگ میل باقی رہ جاتے ہیں۔ اس مقام پر پہنچ کر جب چند پردے اٹھتے ہیں کچھ حقائق نظر آتے ہیں تو اس راہ کے راہی اسی مقام کو منزل سمجھ لیتے ہیں۔ اور بس یہاں ہی کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ بڑے بڑے بھٹک گئے اس مقام پر پہنچ کر -- ابھی ہمارا سفر باقی ہے۔ اب تیرا نفس کافی حد تک کمزور ہو چکا ہے۔ تیرا دشمن بھی اب تجھ سے تقریباً مایوس ہو چکا ہے، تیری روحانیت اللہ کے فضل و کرم اور حبیب کریم ﷺ کی رحمتِ خاصہ کی وجہ سے لطیف ہو چکی ہے، تقوے پر اترانا نہیں -- بس یہ احساس تیرے دل میں ہر وقت رہنا چاہیئے کہ تُو کچھ بھی نہیں، اپنی نفی کر لیکن خودی نہ چھوڑ -- کہ تیرا وجود اللہ کا مظہر ہے۔ اسے تیرے خالق نے قائم کیا ہے۔ اسے قائم رکھ --- تیرے خالق نے اس سے بڑے کام لینے ہیں۔ کیونکہ وہ -- حیّ

Marfat.com

بھی ہے اور قیوم بھی--- آ---اٹھ اب ہمت کر--- سنگت نبھا---دیکھ میں نے تجھے راستے میں نہیں چھوڑا تجھے منزل تک پہنچانے کا وعدہ کیا تھا سو وہ نبھا رہا ہوں اور دیکھ تُو نے بھی ایک وعدہ کیا تھا کہ سنگت قائم رکھوں گا---اب وعدے سے نہ پھر---اٹھ قدم بڑھا۔ کہ تیرا ذوق اب پہلے سے شدید ہے۔ تیری روحانیت پہلے سے لطیف ہے...... آ--- مسکرا کہ اس راہ کے راہی بے وفا نہیں ہوتے---"

---مرشد کی حوصلہ افزائی نے تیری آتش ذوق کو دو چند کر دیا۔ تُو ایک نئے جذبے ولولے اور یقین کے ساتھ اٹھا اور صراط مستقیم پر پھر سے رواں دواں ہو گیا---مرشد نے ہر قدم پر تجھے سہارا دیا...... ہاں جن کے مرشد کامل ہوتے ہیں اور اللہ کی رضا کے لئے راہنمائی کرتے ہیں، نیکی میں تعاون کرتے ہیں وہ اپنے مریدوں کو یوں راہ میں بھٹکنے نہیں دیتے۔ ہاں ایسا ہی ہے---لیکن وفا شعاری شرط اول ہے کہ یہی پہلے دن کے وعدے کی پاسداری ہے۔ لیکن جن مریدوں کا اعتقاد کچا ہوتا ہے اور ایفائے عہد فراموش کر دیتے ہیں اور اس راہ میں جدوجہد نہیں کرتے اور نہ مرشد کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں وہ مرشد کے ہوتے ہوئے بھی بھٹک جاتے ہیں۔ کہ اس راہ میں جہاں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال ہوتا ہے وہاں اپنی قوت ارادی کا عمل دخل بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ تو نیتوں کو دیکھتا ہے اگر کوئی اس راہ میں استقامت دکھائے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے اور اگر کوئی منافقت دکھائے تو نصرت الٰہیہ اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ پھر وہ بدنصیب اس سیدھی راہ سے ہٹ کر شیطان کے کسی گورکھ دھندے میں جا گرتا ہے کچھ اپنی بھی استقامت دکھائے انسان---!

---ہاں بات تو میں تجھ سے کر رہا تھا--- تُو نے استقامت دکھائی--- مگر یہ نہ بھول کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی وجہ سے ہے۔ یہ جو تجھے وسیلہ مرشد دیا ہے نا ---یہ بھی اللہ ہی کا فضل اور نظرِ عنایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس راہ کا ایسا سچا ساتھی

Marfat.com

عنایت فرمادے جو اس کا ہاتھ پکڑ کر منزل تک لے جائے -- كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ - کا یہی مطلب ہے کہ سچوں کے ساتھ ہو جاؤ -- حکم ہے نا! بس جو حکم مانے اسے ہی معرفت الٰہی نصیب ہوتی ہے ورنہ تو بس نفس اور وہم و گمان کی بھول بھلیاں ہی ہیں۔ وہی مقدر بن جاتی ہیں انسان کا اور انسان اس پر تکیہ کر لیتا ہے۔ یہی اس کی سب سے بڑی بھول ہوتی ہے -- اللہ اس بھول سے بچائے۔

---- ہاں تو آگے چلیں --- تیری روداد -- تیری کہانی -- تیرے ضمیر کی زبانی۔ اپنے آپ سے اپنی ہی کہانی سننا اچھی لگ رہی ہے نا! -- ہاں تو بات ہو رہی تھی شیخ و مرشد کی -- مرشد تو ایک وسیلہ ہے جسے تُو نے اللہ کی حکم سے تلاش کیا۔ اسی کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر سچی توبہ کی -- "انسان سے مسلمان تک ---" کے سفر میں تُو نے مرشد کو اپنا راہنما اور امیر بنایا۔ اور یہ سفر شروع ہو گیا تجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مرشد نے سب سے پہلے تجھے اس طویل اور تھکا دینے والے سفر میں درپیش مشکلات سے آگاہ کیا تھا۔ پھر تیرا روحانی علاج شروع کر دیا گیا۔ تاکہ وہ تمام کمزوریاں اور لغزشیں دور ہو جائیں جو دوران سفر رکاوٹ بن سکتی تھیں۔ تمہیں سب سے پہلے اللہ کا ذکر کرنا سکھایا اور بہت سارے پرہیز بتائے اور بتدریج مقامات سلوک طے کرانے شروع کر دیئے۔ جب تُو نے توبہ کر کے اس سفر میں قدم بڑھانا شروع کیا تو مرشد نے سب سے پہلے تجھے "ورع" کی تعلیم دی۔ کیونکہ مشتبہات سے پرہیز کرنا اس راہ کے راہی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ دل سے توہمات کے جالے صاف ہو جائیں اور ان کی جگہ یقین کی بنیاد رکھ دی جائے تُو ہر مشتبہ چیز کو ترک کرنے لگا اور تُو ہر شک اور شبے سے بالاتر ہو گیا۔ تیرے سامنے حلال بھی واضح تھا اور حرام بھی -- لیکن ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں ایسی تھیں جو تجھے پریشان کیا کرتی تھیں۔ تیرے مرشد نے جو تیرا روحانی حکیم بھی تھا تیرے دل کا علاج کیا اور آہستہ آہستہ تُو ان پریشانیوں سے نجات پا

Marfat.com

گیا۔ تجھے یاد ہے نا! تُو نے اس وقت اپنے شیخ و مرشد سے یہ کہا تھا۔ کہ ---"حضور! دل کا بوجھ بڑا ہلکا ہو گیا ہے۔ اور ایک گونہ سکون بھی ہے---" مرشد نے فرمایا تھا-- "دیکھ پرہیز ضرور کرتے رہنا اگر پرہیز چھوڑ دیا تو علاج بے فائدہ ہو جائے گا جن امور سے تجھے روک دیا ہے نا ان سے رکے رہنا اگر کبھی بد پرہیزی ہو جائے تو فوراً توبہ کر کے کوئی نیکی کر لینا کہ نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں---"

---کتنی اچھی نصیحتیں کرتا تھا تیرا شیخ!! شیخ کامل بھی اللہ کی طرف سے ایک عظیم نعمت ہوتی ہے جو خوش نصیبوں ہی کو نصیب ہوتی ہے---ہاں تو جب تُو ورع کے مقام کو حاصل کر گیا تو تیرے مرشد نے تجھے "زہد" کی تعلیم دی۔ یہ اس راہ کا دوسرا سنگ میل تھا اب تیرے دل سے آہستہ آہستہ دنیا کی محبت کم ہونا شروع ہو گئی اور اس کی جگہ عقبیٰ اور آخرت سے لگاؤ بڑھ گیا تیرے مرشد نے تیرے دل کے اندر اور تیرے ذہن میں یہ احساس پختہ کر دیا کہ --دنیا میں اس طرح رہ گویا تُو ایک مسافر ہے یا راستے کا راہی-- یہاں تجھے شیطان نے دنیا کا بڑا لالچ دینے کی کوشش کی تھی بلکہ اگلے سنگ میل تک برابر تیرے ساتھ لگا رہا۔ لیکن تُو مرشد کی سنگت میں تھا اللہ تجھے بچاتا رہا---جب تیرے دل میں دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو گئی تو پھر تُو اپنے قلب کے اندر "فقر" کی حلاوت محسوس کرنے لگا اس راہ کے تیسرے سنگ میل تک کا سفر اب شروع ہو چکا تھا مرشد نے تجھے سبق دیا کہ "دیکھ تُو اللہ کا محتاج ہے۔ دنیا کا محتاج نہیں ہے...... یہ ساری کائنات اللہ کی محتاج ہے لیکن اللہ تعالیٰ غنی اور حمید ہے-- دیکھ فقر تو دل کا فقر ہے جس میں قناعت بھر جاتی ہے اپنے "زادِ راہ" کا خیال رکھنا وہ جو اللہ کا حبیب کریم ﷺ ہے نا جس سے تُو بڑی محبت کرتا ہے۔ جس کی سنت پر عمل کرتا ہے۔ جس کی محبت کے بغیر تجھے منزل مل ہی نہیں سکتی-- ان کا فرمان ہے...... اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ-- کہ یہ فقر میرا فخر ہے تُو فقر کو سمجھتا ہے--؟ غربت اور ناداری...... نہ-- نہ-- اور یہ کہ تُو

Marfat.com

ہر کس و ناکس کے آگے دست سوال دراز کرتا پھرے---؟--نہ--نہ--- فقر تو صرف اللہ کے سامنے محتاج ہونا ہے دنیاوی امیدوں سے منہ پھیر کر صرف اسی کا ہو رہنا--دنیا کو اتنا منہ نہ لگا دنیا سے منہ پھیر--پھر دیکھ دنیا تیرے پیچھے پیچھے آئے گی۔ اگر تُو لالچی ہو کر اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا تو یہ تیرے آگے آگے بھاگے گی--پھر تُو بھی بھاگتا چلا جائے گا تھکے گا نہیں لالچ طمع اور حرص کے جالوں میں پھنستا چلا جائے گا آخر تُو کہیں کا نہ رہے گا۔ اسی لئے تو ہمارے رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا--"دنیا میں اتنی جائیدادیں نہ بناؤ ورنہ تم دنیا ہی کے ہو کر رہ جاؤ گے۔" کیا مسافر بھی جائیدادیں بنایا کرتا ہے؟ تُو دنیا میں صرف مسافر ہے۔ اور بس زہد بہت بڑی جائیداد ہے کسی خوش نصیب کو ہی ملتی ہے--تُو تو بہت خوش نصیب ہے کہ تُو اس دولت سے مالا مال ہے بہ--"

---ہاں تو تیرے مرشد نے تجھے فقیر بنا دیا۔ دنیا کا نہیں صرف اللہ کا فقیر۔ اب تیری حالت یہ تھی کہ دنیا کی امیری یا غریبی تیرے فقر پر بے اثر تھی۔ تیری قناعت کے سامنے ہر قسم کی احتیاج ہیچ تھی سفر جاری رہا---

--پھر ایک مقام آیا جہاں پہنچ کر دنیا تیرے سامنے پہاڑ بن کر کھڑی ہو گئی۔ تُو پریشان ہو گیا۔ کہ میں تو اسے دل سے نکال چکا ہوں لیکن یہ ہے کہ میری راہ میں بہت بڑی رکاوٹ بن کر کھڑی ہو گئی ہے پھر کیا تھا ہر طرف سے سختیاں شروع ہو گئیں مرشد نے فرمایا---"حوصلہ بلند رکھنا اگر اس مقام سے گزر گیا تو بس آگے آسانیاں ہی آسانیاں ہیں۔ تیری اپنے خالق سے محبت بڑھ گئی ہے نا--اس لئے یہ سختیاں اور تکلیفیں شروع ہو گئی ہیں۔ جن سے وہ خوش ہوتا ہے نا ان کو آزماتا بھی ہے۔ اور جن بد نصیبوں کو وہ فراموش کر دیتا ہے نا ان کی آزمائش بھی ختم کر دیتا ہے انہیں کچھ نہیں کہتا اور وہ بد نصیب یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ ہم سے راضی ہے اسی لئے تو ہم نہ غریب ہیں نہ

Marfat.com

تنگ دست ہیں نہ بیمار پڑتے ہیں نہ ہمیں نقصان ہوتا ہے۔ ہر وقت عیش ہی عیش ہے..... اللہ ہم سے راضی ہے اسی لئے تو عیش ہے-- دیکھ -- یہی دنیا کا دھوکا ہے۔ یہی متاعِ غرور ہے کیا صرف رزق کی تنگی آزمائش ہے-- کیا رزق کی فراوانی آزمائش نہیں--؟ پوچھ اس شخص سے اس عیش و عشرت کی تمہیں اجازت کس نے دی ہے؟ اتنا بڑا محل تُو نے کیوں بنایا ہے؟ اتنی پر تعیش کوٹھی میں تو کیوں رہ رہا ہے؟ اتنی لمبی گاڑی تُو نے کس لئے خریدی ہے؟ حدِ نظر تک پھیلی ہوئی زمینیں تُو نے کہاں سے حاصل کی ہیں--؟ اور -- اتنی زیادہ دولت جمع کرنے کی اجازت تُو نے کس سے لی ہے--؟ پوچھ اس شخص سے-- تُو کس نبی ﷺ کا امتی ہے--؟ جو چٹائی پر سویا کرتا تھا جس کے حجرۂ استراحت میں صرف دو آدمیوں کی گنجائش تھی-- کیا تُو اس نبی کا امتی ہے--؟ جس کے گھر کئی کئی دن چولہا ہی نہیں جلتا تھا وہ اور اس کے اہل بیت صرف کھجور اور پانی پر گزارا کرتے تھے--؟

-- تُو اس نبی ﷺ کا امتی ہے--؟ جو یتیموں کا والی، بیواؤں کا سہارا اور مساکین کا ملجا و ماوٰی تھا-- کیا تُو نے کبھی یتیموں کا خیال رکھا کسی بیوہ کی مدد کی کسی بھوکے کو کھانا کھلایا۔ کسی ننگے کو کپڑے پہنائے--؟ تجھے اس عیش و عشرت کی اجازت کس نے دی ہے--؟ حیف ہے تیرے امتی کہلانے پر-- تُو اللہ کی زمین پر خود خدا بن بیٹھا ہے اور پھر بھی یہ سمجھتا ہے کہ اللہ مجھ سے راضی ہے--؟ بتا اس شخص کو کہ یہی دنیا کا دھوکا ہے--"--

یہ سن کر تُو نے مرشد سے عرض کیا تھا-- "بات سمجھ میں آ گئی حضور"-- ہاں تو جس مقام پر تم کھڑے تھے وہ تھا مقام صبر-- کیونکہ فقر کے بعد جب اللہ سے محبت بڑھتی ہے تو آزمائش شروع ہو جاتی ہے-- مقام فقر پر پہنچ کر اپنے رب سے محبت بڑھ کیوں جاتی ہے--؟ تمہیں تو پتہ ہے نا کہ اس مقام پر پہنچ کر دنیا کی محبت دل سے نکل جاتی ہے۔ دل دنیا کی آلائشوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ روحانی سرور حاصل ہوتا ہے۔ سب

Marfat.com

بت ٹوٹ جاتے ہیں۔ وہ محبت جو کئی جگہ تقسیم تھی اب اپنے اصل مقام پر مرتکز ہو جاتی ہے۔ پس بندے کی اپنے خالق کے ساتھ محبت بڑھ جاتی ہے اور جب محبت بڑھتی ہے تو آزمائش ضرور ہوتی ہے...... قرآن میں ہے نا-- دیکھو-- "ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے خوف وہراس میں مبتلا کر کے اور کبھی بھوک و تنگدستی کے ساتھ اور کبھی جان و مال کا نقصان کر کے اور کبھی فائدے کو گھاٹے میں تبدیل کر کے۔ پس صابرین کو خوش خبری سنا دو...... کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں-- ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جائیں گے-- ہاں تو ایسے صبر کرنے والوں پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی۔ اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ ہدایت پر ہوتے ہیں--" سن لیا اپنے خالق کا پیغام-- اجب محبت ہو گی تو آزمائش بھی ضرور ہو گی وہ آزماتا تو ضرور ہے نا-- بلکہ خوب خوب آزماتا ہے۔

لو اور سنو اپنے رب کی تنبیہ-- "کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں بس یونہی داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی وہ حالات تو تم پر گزرے ہی نہیں جو تم سے پہلے ایمان والوں پر گزر چکے ہیں۔ ان پر سختیاں اور مصیبتیں آئیں اور وہ ہلا دیئے گئے یہاں تک کہ رسول اور ان کے ساتھی پکار اٹھے-- کب آئے گی اللہ کی مدد-- سنو! اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔""

--دیکھ-- منزل یونہی تو نہ مل جائے گی-- یہ جو تم پر سختیاں آنے لگی ہیں یہ کس کی طرف سے ہیں--؟ سوچا تھا کبھی تم نے یہ راز تو تیرے مرشد نے افشا کیا تھا۔ جب ہر طرف سے مصیبتوں کے پہاڑ تم پر ٹوٹ پڑے تھے۔ تُو بہت مخلص تھا نا! اس لئے آزمائشیں بھی بڑی سخت آئیں اس وقت شیطان تمہیں ہر طرف سے گھیرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا-- یاد ہے نا-- وہ رات-- جب اس نے تمہارے دل میں مرشد کے بارے میں بدگمانی ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ تیرا ہمدرد بن کر تیرے پاس آیا

Marfat.com

تھا۔ پھر سرگوشی کے سے انداز میں کہا تھا--"چھوڑو اس آدمی کو جس نے تجھے دنیاوی عیش و عشرت سے محروم کر دیا ہے۔ کبھی کہتا ہے صرف رزق حلال کماؤ-- یہ کمائی حرام ہے-- یہ آمدنی مشکوک ہے-- یہ ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ دولت ہے اس نے بھی تو پرہیز گاری کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے-- بڑا صوفی بنا ہوا ہے-- چھوڑو اسے۔ یہ چند روزہ زندگی اس لئے تو نہیں ملی کی گھٹ گھٹ کے سانس لیا جائے۔ کن پابندیوں میں تُو نے اپنے آپ کو جکڑ لیا ہے-- آؤ-- میں تمہیں عیش کراؤں۔ خوب کماؤ کھاؤ پیو اور عیش کرو۔ مرنے کے بعد تو تم مٹی میں مٹی ہو جاؤ گے---اس کی دعا میں کیا خاک اثر ہے--!اور پھر تُو ذکر بھی کرتا ہے۔ نماز بھی پڑھتا ہے۔ حقوق العباد بھی پورے کرتا ہے--- پھر یہ کاروبار میں نقصان کیوں ہو گیا ہے--؟ تیری بیوی کی صحت روز بروز گرتی جا رہی ہے-- تُو اپنے حاسدوں کے خوف سے ڈرا ڈرا رہنے لگا ہے... میں غلط تو نہیں کہہ رہا--؟ یہ پیری مریدی تو بس...... کیا بتاؤں! بس تم چھوڑ دو اس آدمی کو...... ورنہ کنگال ہو جاؤ گے......"

--- یہ شیطانی وسوسے تجھے اس شب آئے تھے جب تم تفکرات میں گھرے سوچ رہے تھے۔ کہ اچانک یہ کیا بن گیا ہے پھر یہ وسوسے بار بار آنے لگے...... تُو نے مرشد کی صحبت میں بیٹھنا بھی کم کر دیا تھا...... یہ ہونا ہی تھا کہ اس مقام پر ایسا ہوتا ہی ہے-- آخر شیخ و مرشد خود چل کر تیرے پاس آیا۔ تُو مرشد کو دیکھ کر کچھ شرمندہ سا ہوا۔ مرشد نے سارا راز تیرے سامنے کھول دیا-- پتہ ہے اس وقت تیری حالت کیا تھی--! تُو تھر تھر کانپ رہا تھا۔ ایسے شفیق مرشد کے بارے میں ایسی بدگمانی--؟ اپنے محسن کے بارے میں ایسی گھٹیا سوچ--؟ بس پھر کیا تھا-- تیری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔ مرشد سامنے تھا اور تیرے آنسو سارے شیطانی وسوسے بہا کر لے جا رہے تھے۔ تُو ہلکا پھلکا ہو گیا تیری استقامت پھر سے لوٹ آئی-- رکا ہوا سفر بھی شروع

Marfat.com

ہو گیا۔ تُو نادم بہت تھا اس بات پر کہ اپنے محسن کے بارے میں دل میں ایسی مَیل کیوں آئی؟ لیکن مرشد کا ظرف بڑا وسیع ہوتا ہے۔ اور اپنے مرید کے ساتھ مخلص اور رحم دل بھی ہوتا ہے۔ مرشد نے صرف اللہ تعالیٰ کی ایک تنبیہ تیرے گوش گزار کی --
فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

"کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس یہ کہنے پر وہ چھوڑ دیئے جائیں گے کہ -- ہم ایمان لائے -- اور انہیں آزمایا نہ جائے گا؟ -- حالانکہ ہم نے ان سب لوگوں کو آزمایا ہے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو تو یہ ضرور دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون -- ؟"

مرشد نے صرف اللہ کا یہ پیغام تجھے سنایا اور تیری استقامت اور عزمِ صمیم کے لئے دعا کی تیرے سینے پر دَم کیا۔ تُو بات سمجھ گیا تھا۔ تیری پریشانی جاتی رہی تھی۔ سب وسوسے مکڑی کے جالوں کی طرح جھڑ چکے تھے۔ تیرے اندر ایک عزم پیدا ہو گیا تھا -- ہاں یاد آیا۔ شیخ و مرشد نے ایک بات اور کی تھی۔ کہ بتاؤ مجھے کہ یہ آزمائشیں، تکلیفیں اور سختیاں کس کی طرف سے ہیں؟ -- تُو نے کہا تھا۔ اللہ رب العزت کی طرف سے -- تو تیرے مرشد نے مسکرا کر پوچھا تھا۔

"کیا تُو اپنے خالق و مالک کے تحفے کو قبول نہیں کرے گا؟ دیکھ --- جس سے محبت کی جاتی ہے اس کی طرف سے ہر چیز کو قبول کیا جاتا ہے۔ وہ تو اس کی مرضی ہے کہ وہ شفقت فرمائے یا سختی کرے جب محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو پھر چون چرا کیسا --- ؟"

بس پھر کیا تھا -- تُو تو پانی پانی ہو چکا تھا۔ اب سوچ ذرا -- جس مقام پر تُو الجھ گیا تھا اگر یہاں مرشد کی ذات اللہ کی طرف سے وسیلہ نہ بنتی تو شیطان تو تجھے لے دے گیا تھا نا! اب پتہ چلا راہبر کے بغیر یہ سفر خطرات سے بھرا ہوا ہے۔ یہ حکمت کی باتیں تجھے اور کون بتائے گا۔ قرآن و سنت کی ایسی تشریح کر کے تجھے صراط مستقیم پر کون چلائے

Marfat.com

گا--؟ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے لئے اسباب رحمت ہیں--

-- آگے چلوں-- تھک تو نہیں گیا اپنی روداد سفر سنتے سنتے؟--اتنی خوشی اور دائمی مسرت ملنے کے بعد کون تھکتا ہے!--اچھا پھر سن--اس وقت تُو مقام صبر پر تھا۔ تیری استقامت کا امتحان ہو رہا تھا۔ تیری محبت کی قیمت پڑ رہی تھی۔ تُو قرآنی آیات کے رموز سے بھی آشنا ہو رہا تھا اور سنت کی شمع بھی تیرے سامنے روشن تھی۔ جب ذرا سختی آتی تو تیرے سامنے تیرا "زادِ راہ" باعثِ تقویت بن جاتا۔ حضور رسالت مآب ﷺ کی مکی زندگی اور کفار و مشرکین کی سختیاں تیرے سامنے آجاتیں۔ شعبِ ابی طالب کی اسیری اور سفر طائف کی سختی تجھے حوصلہ دیتی کہ دیکھ میرے امتی گھبرانا نہیں...... ہر مشکل کے بعد آسانی ہے۔ سفر کا یہ حصہ بڑا کٹھن ہے مگر عشق رسول ﷺ کی دولت سے تُو مالا مال ہے۔ کبھی حضرت بلالؓ تیرے سامنے آتے ہیں اور کبھی عمار یاسرؓ۔ اصحاب صفہ سے تجھے کتنا پیار ہو گیا ہے!...... اور ایک دن جب تُو تلاوت قرآن حکیم اور اس کی آیات پر غور و فکر میں مشغول تھا، تو سورہ الانبیاء کی یہ آیت تیرے سامنے آگئی--یونہی نہیں آگئی لائی گئی--

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ

"ہر نفس موت (کا مزہ) چکھنے والا ہے اور ہم خوب آزماتے ہیں تمہیں برے اور اچھے حالات سے دوچار کر کے اور (آخرکار) تم سب کو ہماری طرف ہی لوٹ آنا ہے۔"

--تُو نے اس وقت کہا تھا کہ مدت دراز سے تلاوت قرآن کرتا رہا ہوں۔ مگر اس آیت کی سمجھ آج آئی ہے--ہاں--کوئی قرآن سمجھانے والا مل جائے تو پھر ہی بات بنتی ہے--یہ مقام صبر ہے--اس سفر کا چوتھا سنگ میل--بڑا دشوار گزار فاصلہ--اے

Marfat.com

طے کرنا ہمت والوں کا کام ہے-- جو اس مقام کو عبور کر گیا بس اللہ تعالیٰ کی معیت اس کے شامل حال ہو گئی-- کیونکہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے-- جب کسی کو صبر کی نعمت ملتی ہے تو وہ پھر شکر گزار بھی ہو جاتا ہے-- صبر و شکر لازم و ملزوم ہیں-- جیسے تنگی کے بعد آسانی-- صابر کو اجر بھی پھر بے حساب ملتا ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ منزل بہت قریب آجاتی ہے۔ مشکلیں، آسان ہو جاتی ہیں..... سخت گرمیوں کے روزے بھی تُو خوش ہو کر برداشت کرنے لگا اور سخت سردی میں بھی صبح سویرے گرم بستر چھوڑنا۔ تیرے لئے آسان ہو گیا-- تیری زبان ہر حال میں شکر کا کلمہ کہتی۔ دنیا کا نفع یا نقصان تیرے لئے برابر ہو گیا۔ البتہ آخرت کے کسی سودے میں گھاٹا پڑتا تو تُو بہت فکر مند ہو جاتا--

-- مرشد نے جب تیرے تقوے کو مقام صبر و شکر پر مستحکم پایا تو تجھے توکل علی اللہ کی تعلیم دی تیرے سفر کا یہ پانچواں سنگ میل تھا۔ تجھے تیرے مرشد نے سورۃ فرقان کا درس دیا اور اس آیت کے معانی و مفہوم کو تیرے قلب میں راسخ کر دیا، وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ-- "اور توکل کر اس زندہ پر جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔" مرشد تجھے یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ جس ذات کریم پر تُو بھروسہ کر رہا ہے وہ ذات لازوال ہے زندہ بھی ہے اور قائم بھی۔ تیرا توکل کسی فانی اور ختم ہو جانے والی ذات پر نہیں-- اس سے کیا ہوا تیرا یقین اور مستحکم ہو گیا۔ تیرا ایمان اور پختہ ہو گیا۔ بلکہ اس مقام پر پہنچ کر تیرا ایمان، عشق میں تبدیل ہونے لگا، سیدنا صدیق اکبرؓ کی صداقت اور سیدنا حضرت بلالؓ کا عشق تجھے تقویت دینے لگا-- شکر کر تیرا شیخ و مرشد اس راہ کے اسرار و رموز سے واقف تھا۔ اور بہترین تربیت کرنے والا تھا..... اسے پتہ تھا کہ تیرے تزکیہ نفس کے لئے کس وقت کون سی دوا کی ضرورت ہے اور کون سا پرہیز لازمی ہے۔ وہ تیرا روحانی معالج بھی تو ہے--! جب اللہ تعالیٰ پر تیرا توکل پختہ ہو گیا تو اس نے بسا

Marfat.com

او قات تیرا امتحان بھی لیا-- یاد ہے نا تجھے--؟ تُو جب بھی ذرا ڈانواں ڈول ہونے لگتا تو تیرے سامنے قرآن حکیم کی یہ آیت آجاتی-- وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ-- "اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیئے--" پس تیرے دل کو اطمینان ہو جاتا! لیکن-- تیری تو تربیت ہی اصول و ضوابط کے ساتھ کی گئی ہے-- تیرے مرشد نے تجھے سمجھایا تھا کہ دیکھ-- اسباب پر بھروسہ نہیں کرنا بلکہ مسبب الا سباب پر بھروسہ کرنا ہے جو دنیا میں ترقی و کامرانی کے اسباب پیدا کرتا ہے اور ان کے پیچھے تیری مخلصانہ جدو جہد کار فرما ہوتی ہے۔ یاد رکھ-- توکل کا مطلب ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا نہیں بلکہ تیرے خالق ہی کا فرمان ہے کہ--"انسان تیرے لئے بس وہی کچھ ہے جس کے لئے تُو کوشش کرے"--- تجھے علم ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ توکل علی اللہ سے عبارت تھی۔ اور حضور ﷺ کی مجاہدانہ زندگی کی برابری کون کر سکتا ہے!-- اس طویل سفر کے اس مقام پر جب تُو پہنچا تو شیطان گاہے بگاہے تجھ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتا رہا لیکن فقر و صبر کی کٹھن مسافت طے کرنے کے بعد تُو کندن بن چکا تھا۔ تیرے مرشد کے ساتھ تیری سنگت بڑی مضبوط ہو چکی تھی-- حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ تیرا عشق سنت میں ڈھل چکا تھا اور اللہ رب العزت پر توکل یقین کامل کی حدود کو چھو رہا تھا-- بس تین ہی کلیئے ہیں اس سوال کے حل کے لئے-- کہ کامیاب زندگی کیا ہے--؟

-- پھر دہرا دوں--؟-- لو غور سے سنو...... کامیاب زندگی کے اصول۔ "مرشد کے ساتھ مضبوط سنگت، حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ عشق جو سنت میں ڈھل جائے اور اللہ رب العزت پر توکل جو یقین کامل کی حدود کو چھو لے......"

اگر تیرے پاس یہ تین چیزیں نہ ہوتیں تو تُو آج منزل مقصود تک رسائی حاصل نہ کر سکتا-- بڑا خوش نصیب ہے تُو--! شکر ادا کرتے رہنا-- منزل کی طرف تُو رواں

Marfat.com

دواں رہا۔ اب سفر آسان سے آسان تر ہوتا چلا گیا۔ تُو بہت خوش تھا اس دن جب اس راہ کے چھٹے سنگ میل تک تیری رسائی ہو گئی۔ اور وہ مقام تھا-- ایثار --کا۔ اس مقام کے حصول کے بغیر مقام رضا کا حصول ناممکن ہے-- ایثار محسنین کا شعار ہے اور رضائے الٰہی کے حصول کا پیش خیمہ۔ اللہ کے ہاں تیرا شمار محسنین میں ہونے لگا۔ تیرے دل کے اندر ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا ہو گیا-- مرشد نے تجھے سورہ حشر کی آیت ۹ کا درس دیا...... فرمایا-- سن اور سمجھ-- تیرے رب کا ارشاد ہے۔

"اور وہ (محسنین جو) اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ (حقیقت یہ ہے کہ) جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لئے گئے تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

مرشد نے فرمایا--"بس ایسا بن جا۔ اللہ تیرا خیال رکھے گا۔ دیکھ اللہ کو اپنی مخلوق سے بڑا پیار ہے۔ جو اس کی مخلوق سے محبت کرتا ہے نا...... جو اس کے بندوں کا خیال رکھتا ہے نا...... اللہ اس کا ہو جاتا ہے اور جس کا اللہ ہو جائے اس کی خوش نصیبی کا کیا کہنا-- یاد رکھ اللہ سے اچھا نصیب مانگا کر، یہ جو کچھ تجھے مل رہا ہے نا-- بس اسی کی عطا کردہ توفیق ہے۔ ایسی توفیق وہ کن کو دیتا ہے جن کے ارادوں میں خلوص ہوتا ہے-- دیکھ اب خواہ تُو کتنا ہی محتاج ہو-- اگر تیرے پاس کوئی مجبور، بے کس، ضرورت مند، حاجت مند، بھوکا پیاسا، ننگا، یتیم، مسکین، بیوہ، معذور آجائے تو خالی واپس نہ کرنا۔ تیرے پاس کچھ بھی نہ ہو تو کسی سے ادھار مانگ کر ضرورت مند کی ضرورت پوری کر دینا-- وہ یتیموں کے والی ﷺ، غریبوں کے ملجا ﷺ اور مسکینوں کے ماویٰ ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے...... عشق ہے نا تجھے ان سے--؟ ہے نا--؟ تو اسے سنت میں ڈھالتا چلا جا-- اور یاد رکھ-- حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا-- کہ جو شخص اللہ کے کسی بندے کی حاجت روائی میں مصروف رہتا ہے۔ اللہ اس کی حاجت روائی میں مصروف رہتا ہے۔"-- اور

Marfat.com

ہاں کسی کا دل نہ دکھانا کسی کا پردہ ظاہر نہ کرنا۔ یہ جو تیری مسافت ہے نا اس کا سارے کا سارا تعلق اللہ کی مخلوق کے ساتھ ہے۔ بڑا نازک مقام ہے یہ ایثار کا-- اور اللہ تعالیٰ نے تجھ پر یہ کرم نوازی بھی فرمائی ہے کہ تجھے دل کی تنگی سے بچالیا ہے-- تُو خود نہیں بچا-- تجھے بچالیا گیا ہے۔ کسی کام پر اترانا نہیں۔ کیونکہ تُو اپنی نفی کر چکا ہے۔ تیرا جو کچھ بھی ہے نا وہ تیرے اللہ کا ہے۔ تیرے دل کی تنگی دور کر کے تجھے وسعت قلبی عطا کی گئی ہے اور یہ کوئی چھوٹی سی عطا نہیں۔ جب کسی پر اللہ کا خاص کرم ہوتا ہے نا اس وقت اللہ تعالیٰ اسے کشادہ قلبی عطا فرماتا ہے۔ تجھے شُحِّ نفس یعنی دل کی تنگی، بخل، کنجوسی، تنگ نظری کم حوصلگی اور دل کے چھوٹے پن سے بچالیا گیا۔"..... مرشد کی یہ باتیں تُو نے سنیں اور ان پر عمل کر کے دکھایا۔ اس دوران بسا اوقات شیطان بڑے بڑے بھیس بدل کر تیرے پاس آتا رہا...... اس مقام پر پھر اس نے تیرے دل میں تیرے مرشد کے بارے میں بدگمانی کا وسوسہ ڈالنے کی کوشش کی مگر اسے منہ کی کھانی پڑی۔ وہ ست پٹا کے رہ گیا۔ اب اس کا داؤ تیرے اوپر نہیں چلتا تھا-- وہ جان گیا کہ تیرا شمار مخلصین میں ہونے والا ہے۔ شیطان کو اللہ رب العزت کی وہ بات یاد آگئی-- "کہ اے ابلیس ٹھیک ہے کہ تُو اولاد آدم کو گمراہ کرے گا لیکن میرے مخلص بندوں پر تیرا داؤ نہیں چلے گا--

-- ہاں تو جب تُو ایثار کے مقام کو طے کر رہا تھا تو تجھ سے بشری تقاضے کے تحت ایک غلطی ہو گئی تھی۔ میں اس کی نشان دہی نہیں کرتا تجھے اچھی طرح یاد ہی ہے-- تو تیرے مرشد نے سورہ اٰل عمران کی آیات (۱۳۲ سے ۱۳۶ تک) کا درس دیا-- فرمایا تیرے مرشد نے دل چھوٹا نہیں کرنا، کبھی ایسا ہو جائے تو فوراً رجوع الی اللہ کرنا اور اللہ کا خوب ذکر کرنا وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے-- ہاں سن فرمان اور خوش خبری اپنے رب کی طرف سے--"اور (اے میرے بندو!) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت

Marfat.com

کرو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور دوڑو بخشش کی (اس راہ کی) طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور اس جنت کی طرف بھی جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے۔ جو تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لئے۔ وہ (پرہیزگار) جو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں (اپنے مال) خواہ خوشحال ہوں یا تنگ دست اور جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کے قصور معاف کر دیتے ہیں اور ایسے محسنین سے اللہ محبت کرتا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کر بیٹھیں کوئی برا کام یا ظلم کریں اپنے آپ پر تو (فوراً) اللہ کا ذکر کرنے لگتے ہیں، اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگتے ہیں۔ اور (دیکھو) اللہ کے سوا گناہوں کو کون بخشتا ہے اور وہ دیدہ دانستہ اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے۔ یہ وہ (نیک بخت) ہیں جن کی جزا ان کے رب کے پاس یہ ہے کہ وہ ان کو معاف کر دے گا۔ اور جنت (عطا کرے گا) جس کے نیچے ندیاں رواں ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی اچھا بدلہ ہے (نیک) عمل کرنے والوں کے لئے۔"۔

تیرے مرشد نے کئی دنوں تک تجھے انہی آیات کا سبق دیا۔ کہ دیکھ منزل اس وقت ملے گی جب تُو اپنے مال کو اپنی جان کو اور اپنے وقت کو اللہ کے راستے میں خرچ کرے گا۔ اس راہ میں نہ تو خوش حالی کا خیال کرنا ہے اور نہ تنگ دستی کا۔ زندگی میں یہ اونچ نیچ تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ اور پھر تیرے رب نے تیری آزمائش بھی تو کرنی ہے کبھی بے حساب رزق دے کر اور کبھی نپا تلا رزق دے کر کبھی پیٹ بھر کر کھلا دیا کبھی بھوکا رکھ کر آزما لیا۔ مزا بھی تو اسی میں ہے...... جب دھیان حصول منزل کی طرف ہو تو پھر اس دنیا کی اتنی طمع رہتی ہی نہیں۔ پھر تو آگے کی فکر رہتی ہے۔ دنیا کا مال و متاع، جائیدادیں اور سواریاں کوئی اتنی اہمیت نہیں رکھتیں پھر آگے کی جائیداد کی فکر لگ جاتی ہے -- تیرا بھی ایسا ہی حال ہو چکا تھا۔ درگزر کرنے اور معاف کر دینے کی قوت بہت بڑھ چکی تھی۔ حوصلہ بلند ہو چکا تھا۔ غصے پر پورا قابو تھا۔ قلب کے گہرے سمندر میں ایک

Marfat.com

ٹھہراؤاور سکون تھا۔ ایک پائیدار اطمینان تھا-- اس دن تیرا مرشد بھی تجھ پر بڑا خوش تھا۔ یاد ہے نا--! تُو اور تیرا مرشد دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ ایک خاموشی تھی۔ سکوت تھا-- تُو اپنے مرشد کی طرف دیکھ کر روح کو تسکین دے رہا تھا اور اس کی نظر تیرے قلب پر تھی۔ وہ تیری تربیت کا اندازہ لگا رہا تھا۔ تیرے قلب پر وارد ہونے والی کیفیات اور احوال کا جائزہ لے رہا تھا......

--مرشد نے فرمایا۔ "سنو-- ایک پتے کی بات"-- تُو ہمہ تن گوش ہو گیا، فرمایا-- "محبوب رب کریم ﷺ کا ارشاد ہے:---

--لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ---

"تم میں سے کوئی بھی اُس وقت تک ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی کچھ نہ چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے--"

"جی--" تمہارے منہ سے یہ نکلا تھا۔ تیرے مرشد نے تجھ سے پوچھا تھا۔ "اس فرمان رسول ﷺ کی روشنی میں-- دیکھ-- اپنے دل کی طرف-- کیا دل کا حال یہی ہے؟" تُو نے دل کی طرف توجہ کر لی اور ذکر خفی شروع کرتے ہوئے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ تجھے کوئی ہوش نہیں تھا۔ تُو دم بخود تھا-- کئی لمحے گزر گئے۔ تجھ پر رقت طاری ہو گئی۔ پہلے تیرا دل رویا۔ پھر تیری آنکھیں-- پھر تیری ہچکی بندھ گئی۔ تُو بے سدھ ہو کر گر پڑا-- تجھے بڑے مناسب وقت پر خوراک دی گئی تھی-- تیرا حکیم بڑا صاحب بصیرت تھا۔ یہ فرمان رسول ﷺ تیرے دل پر نقش ہو چکا تھا-- اب تُو دوسروں کا خیر خواہ تھا۔ ایثار، احسان اور خدمت خلق تیرا اوڑھنا بچھونا تھا۔ تیرے سامنے تیرا زادہ راہ تھا-- کبھی تُو حضور ﷺ کے واقعہ طائف کو سامنے رکھتا، کبھی شعب ابی طالب میں بنی ہاشم کی محصوری کے تین سال تیری آنکھوں کے سامنے گردش کرنے لگتے۔ کبھی

Marfat.com

حضور ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے، کبھی کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا، کبھی اونٹ کی اوجھڑی پشت مبارک پر رکھ دی جاتی، کبھی طعن و تشنیع کے تیر چلتے۔ کبھی میدان احد میں دندان مبارک شہید ہوتا اور پیشانی مبارک زخمی ہو جاتی۔ کبھی خندق کھودتے ہوئے پیٹ پر دو دو پتھر نظر آتے...... تُو دکھ سے آنکھیں موندھ لیتا اور پھر فتح مکہ کے موقع پر عام معافی اور ایثار و احسان کا بے مثل مظاہرہ تیری آنکھوں کے سامنے آجاتا۔ تُو اکثر سوچوں مین گم رہنے لگا۔ تیرا دل موم کی طرح نرم ہو چکا تھا۔ تُو سراپا خُلق تھا...... گھر والے تجھ سے خوش تُو گھر والوں سے خوش۔ تیرے ہمسائے تجھ سے راضی تُو ان سے راضی تیرے رشتے دار تجھ کو چاہتے اور تُو ان کو چاہتا۔ اپنے پرائے سب تیرے اخلاق سے متاثر تھے۔ لوگ تیری صحبت میں بیٹھ کر سکون محسوس کرنے لگتے...... اور تُو اللہ کا شکر ادا کرتا ---۔

---انسان سے مسلمان تک--- کا یہ سفر...... کتنا عجیب و غریب ہے!! تُو کہاں سے چلا اور کہاں جا پہنچا...... تُو کیا سے--- کیا ہو گیا--!! خوش کن تبدیلی، شائد--- اللہ تجھ سے محبت کرنے لگا تھا!--- ہاں یقیناً......

...... ایک دن تیرے مرشد نے فرمایا--"مبارک ہو۔ تیری منزل بہت قریب آگئی ہے۔ وہ دیکھ آخری سنگ میل نظر آنے لگا ہے۔ جہاں مقام رضا ہے...... اِس کے اُس پار تیری منزل مقصود ہے---"

-- آ میں تجھے یاد دلاؤں-- تیرے سفر کی روداد کا ایک اہم حصہ -- تجھے یاد ہی ہے رمضان المبارک کا آخری عشرہ تھا۔ اور شائد شب قدر تھی-- تیرے شیخ و مرشد نے تجھے اپنی صحبت میں بیٹھنے کا نادر موقع عنایت فرمایا تھا۔ مرشد نے قرآن حکیم کھولا تو سورہ فتح نکلی۔ اس کی آیت ۲۹ پر تیری انگشت شہادت رکھ کر فرمایا--"تلاوت کرو"

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

Marfat.com

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ز سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط

"محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو (نفوس قدسیہ) ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں۔ آپس میں رحمدل ہیں، تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے، سجدہ کرتے، اللہ کا فضل اور (اس کی) رضا چاہتے ہوئے۔ سجدوں کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔"

--جب تُو تلاوت کر چکا تو فرمایا--"جب اللہ کی بارگاہ میں سر تسلیم خم کرنے والے اللہ کی رضا وخوشنودی کے طالب ہوتے ہیں اور ہر طرح سے اپنے رب کو راضی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رضا رحمت بن کر نازل ہوتی ہے--اور خوشخبری سنائی جاتی ہے۔ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ--"بیشک اللہ ایمان والوں سے راضی ہو گیا......"اور جب اللہ راضی ہو جائے تو منزل مل گئی...... جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مقام رضا تک پہنچ چکے تھے۔اسی لئے ہدایت کے ستارے قرار دیئے گئے۔اور ان کی اقتداء اور راہنمائی کو امت کے لئے لازم قرار دیا گیا۔انہی کی پیروی کی اولیاء امت نے۔کیونکہ وہ مقام رضا پر فائز تھے۔اسی لئے فرمایا حق تعالیٰ نے--

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ--

"اللہ ان پر راضی ہوا اور وہ اللہ پر راضی ہو گئے۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔"

در حقیقت--یہ فوز العظیم ہی انسان کی منزل ہے۔جو رضائے الٰہی کے حصول کے بعد ملتی ہے--اور مقام رضا تک رسائی ہی ولایت کی انتہا ہے...... مبارک ہو تجھے۔"--یہ تھی وہ گفتگو وہ راز کی بات جو تیرے شیخ و مرشد نے قدر کی رات تیرے ساتھ کی

Marfat.com

تھی-- دیکھ مئیں تیرے اندر کا انسان بول رہا ہوں...... جو تجھے تیری ہی کہانی سنا رہا ہے۔ تیرے ساتھ ساتھ سفر کر رہا ہے--

-- تیری منزل تیرے بالکل قریب ہے۔ جب تُو اس صراط مستقیم کا آخری سنگ میل بھی عبور کر گیا۔ تو تجھے شریعت کے حقائق نظر آنے لگے۔ تُو ان کا مشاہدہ ظاہری آنکھوں سے کرنے لگا اور پھر تُو نے ان حقائق کو سمجھ لیا۔ پہلے تجھے علم الیقین تھا اب عین الیقین ہو گیا۔ تیرے قلب میں معرفِ الٰہی کا نور روشن ہونے لگا۔ یہ تیری منزل کا قرب تھا۔ تیرا شوق اور تیرا ذوق بہت بڑھ گیا--- تیرے دل کی ہر دھڑکن -- لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ -- کہنے لگی-- اللہ کی رحمت نے تجھے گھیر لیا تو-- تُو نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کر دیا-- اے ربِ العزت--

اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ۝

"بے شک میری نماز اور میری (ہر طرح کی) قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا (سب) اللہ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور مجھے یہی حکم ہوا ہے اور مئیں سب سے پہلا مسلمان ہوں--"

تُو سرِ تسلیم خم کئے ہوئے تھا۔ تُو نے حق الیقین کی حدوں کو چھو لیا تھا۔ ایک لمبے اور تھکا دینے والے سفر کے بعد تُو سرخرو ہو چکا تھا--- آخر تجھے تیری منزل مل گئی-- مبارک ہو۔

--- انسان سے مسلمان تک -- کا سفر مرشد کی راہنمائی میں مکمل ہو گیا-- اب تیری منزل تیرے سامنے ہے---

---اللہ عزوجل---

جو---نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ---ہے۔

Marfat.com

صاحبانِ ذوق و محبت اور اربابِ فکر و نظر

مژدۂ جانفزا

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر

حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کے

بہار آفریں قلم سے نکلا ہوا لازوال شاہکار

درد و سوز اور تحقیق و آگہی سے معمور تصنیف

ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مکمل سیٹ سات جلدیں

ضیاء القرآن پبلی کیشنز ۔ لاہور

Marfat.com

قرآن کتاب ہدایت ہے۔
مکمل ضابطہ حیات ہے۔
قرآن ہماری دنیوی اور اخروی کامیابی کا ضامن ہے۔
قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

پیر محمد کرم شاہ صاحب ازہری کی معرکہ آرا تفسیر

خوبصورت ترجمہ ! بہترین تفسیر

ضیاء القرآن

فہم قرآن کا بہترین ذریعہ ہے

ترجمہ: جس کے ہر لفظ سے اعجاز قرآن کا حسن نظر آتا ہے
تفسیر: اہل دل کے لیے درد و سوز کا ارمغان

ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور

Marfat.com

Marfat.com

صاحبانِ ذوق و محبت اور اربابِ فکر و نظر

مژدۂ جانفزا

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر

حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کے

بہار آفریں قلم سے نکلا ہوا لازوال شاہکار

درد و سوز اور تحقیق و آگہی سے معمور تصنیف

ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مکمل سیٹ سات جلدیں

ضیاء القرآن پبلی کیشنز ○ لاہور

Marfat.com